وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ

وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ



حیات بعد ممات



شیخ غلام محمد احمد مولوی فاضل منشی فاضل۔

ایم اے۔ ایم۔ او۔ ایل۔

دیباچہ

دلا اسرار مرداں را مشو منکر کہ مترسم — شوی محروم ازاں سرکہ بر سر ارسے تابد
کمن باشندہ پوشاں سر بزرگی کمال دانش را — بزرگی اندر آئے جبہ دوستانے تابد

نبیوں اور کامل مومنوں کی ممات و حیات میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ مرنیکے بعد بھی زندہ رہتے ہیں بلکہ انکی برزخی حیات دنیاوی حیات سے بھی اتم و اکمل ہوتی ہے۔ اور انکی روحانی قوتیں دنیا سے گذر جانے کے بعد بہت بڑھ جاتی ہیں۔ اس حقیقت سے مسلمانوں کی ایک جماعت کو انکار ہے اس جماعت کے ایک سرگروہ شیخ ابن تیمیہ ہیں۔ جو اپنی دنیا میں شیخ الاسلام امام تقی الدین ابن تیمیہ حرانی کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے اسی بحث پر ایک مشہور کتاب الوسیلہ لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اُن بہت سی باتوں سے انکار کر دیا ہے۔ جن پر نبوت و ولایت کی سربفلک عمارت استادہ ہے۔ اسلئے ہم نے اپنی اس کتاب میں ان اصولوں کو بے نقاب کیا ہے۔ جن سے کمال ولایت کی روح طیار ہوتی ہے ہمارا اس کتاب کے لکھنے سے یہ منشا ہرگز نہیں کہ کوئی کمالات ولایت و نبوت کے منکروں پر منہ آئے۔ بلکہ ہمارا مقصد صرف اسقدر ہے کہ حقیقت حال قارئین کرام کے آئینہ دل پر منقش ہو۔ کتاب کے پہلے تین بابوں میں علاوہ اور باتوں کے تزکیہ دعا۔ توسل۔ تشفع۔ استمداد۔ اور زیارت قبور کے متعلق بحث کیگئی ہے۔ چوتھے باب میں شیخ ابن تیمیہ کے اعتقادات کا تجزیہ کر کے بتایا گیا ہے۔ کہ شیخ موصوف نے کہاں کہاں لغزش کھائی ہے۔ پانچویں باب میں اُن اونچی اونچی کیفیتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن کا حاصل کرنا کامل مومن کیلئے ازبس ضروری ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔

جموں۔ یکم اکتوبر ١٩٣٥ء

احمد جموی

فہرست مضامین کتاب حیات بعد ممات

رمز۔ مکمل نام

منتخب۔ منتخب کنز العمال مؤلفہ علی متقی

حیات بعد ممات

از

شیخ غلام محمد ایم اے۔ ایم۔ او۔ ایل

باب اوّل

نبیوں کی وفات کے بعد اُنکے فرائض کی بجا آوری

هزار نکتهٔ باریکتر زمُو اینجاست — نه هرکه سر بتراشد قلندری داند
نه هرکه طرفِ کله کج نهاد و تند نشست — کلاه داریٔ و آئین سروری داند

۱۔ نبوت مطلقہ کے لحاظ سے سب نبی ایک جیسے ہیں[عہ۱] لیکن ذاتی فضیلت کے لحاظ سے ایک کا مرتبہ دوسرے سے بڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ رسول ہیں۔ ہم نے بہتری دی ہے۔ انکے بعض کو بعض پر سان میں سے وہ ہیں۔ جن سے اللہ نے کلام کی۔ اور ان کے درجے بلند کئے۔ اور ہم نے عیسٰی ابن مریم کو کھلی نشانیاں دیں۔ اور اسکی روح القدس سے تائید کی[عہ۲] بعض نبی ایسے ہوئے ہیں۔ جنکو نئی شریعت اور نئی کتاب عطا ہوئی۔ جیسے کہ حضرت موسٰی اور حضرت محمد علیہم الصلوٰۃ۔ بعض ایسے ہیں جنکو نئی شریعت تو عطا نہیں ہوئی۔ لیکن نئی کتاب ملی۔ جیسے حضرت عیسٰی۔ بعض ایسے ہیں جنہیں نہ تو نئی کتاب ملی اور نہ نئی شریعت جیسے کہ وہ نبی جو حضرت موسٰی سے لیکر حضرت عیسٰی تک اور حضرت عیسٰی سے لے کر حضرت محمدؐ تک آتے رہے۔ یہ نبیوں کے مدارج کی اصولی تقسیم ہے۔ اس تقسیم کے اندر بھی ایک تقسیم ہے اور وہ تقسیم ذاتی مراتب کے لحاظ سے ہے۔ حضرت موسٰی کو بھی نئی

عہ۱ لا نفرق بین احد منهم۔ ہم ان میں سے کسی میں بھی کوئی فرق نہیں کرتے۔ بقرہ ۱۳۶

عہ۲ تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض۔ منهم من کلم الله ورفع بعضهم درجٰت وآتینا عیسی ابن مریم البیّنٰت وایّدنٰه بروح القدس۔ بقرہ ۲۵۳

شریعت اور نئی کتاب ملی۔ اور حضرت محمدؐ کو بھی۔ لیکن ان دونوں کی نبوت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضرت موسٰی ایک معین وقت کیلئے بنی اسرائیلوں کے رسول تھے۔ اور حضرت محمد صلعم تمام زمانوں اور تمام قوموں کیلئے رسول ہیں۔ ان کی نبوت کیلئے نہ تو زمانہ کی تخصیص ہے۔ اور نہ قوم کی وہ نبی رہینگے۔ مگر کب تک؟۔ رہتی دنیا تک۔ اور کس قوم اور کس امت کیلئے؟۔ تمام قوموں اور تمام امتوں کیلئے جو قیامت تک آتی رہینگی۔ دیکھئے دونوں نبی مرسل ہیں۔ لیکن ایک کے بعد تو نبی آتے رہے۔ مگر دوسرے کے بعد نبیوں کا آنا موقوف ہوا۔ یہ ہے ہر ایک نبی کے اپنے اپنے مرتبہ کی بات اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھے مگر تمام لوگوں کیلئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا[عہ۱] کہہ دے اے لوگو میں تم سب کیطرف اللہ کا رسول ہوں[عہ۲] پس ظاہر ہے کہ آپ تمام قوموں کیطرف نبی بن کر آئے۔ اور چونکہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ اسلئے آپ سب وقتوں سب زمانوں کیلئے نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ محمدؐ تم لوگوں میں سے کسی کا باپ نہیں۔ لیکن وہ تو اللہ کا رسولؐ اور خاتم النبیین ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے[عہ۳]

۲ — یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ جس شئی کی ابتداء ہوتی ہے۔ اسکی انتہا بھی ہوتی ہے۔ دنیا کی ابتداء ہوئی۔ اسکی انتہا بھی ہوگی۔ انسان پیدا ہوا اسلئے فنا کے آغوش میں جائیگا بھی۔ ہر سچے مذہب کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ خالق مطلق نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اسلئے یہ فنا بھی ہونگے۔ دہریوں اور مادہ پرستوں کا خیال ہے کہ دنیا جہان ازلی ہے وہاں ابدی بھی ہے۔ یعنی اسکی ابتداء نہیں اسلئے اسکی انتہا بھی نہیں۔ نبوت کی ابتدا ایک وقت ہوئی اسلئے

عہ۱ وما ارسلناك الا کافة للناس بشیرا ونذیرا ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ سبا۔ ۳۴ – ۲۸ –

عہ۲ قل یایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا الذی له ملك السموٰت والارض۔ اعراف ۷ – ۱۵۸

عہ۳ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبیین وکان الله بکل شئ علیما۔ احزاب – ۳۳ – ۴۰ –

اسکی انتہا بھی ہوگی۔ **نبوّت** آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی۔ اور حضرت محمد علیہ الصلوۃ پر ختم ہوئی۔ اور قدرت کا اٹل قانون بھی یہی ہے۔ کہ جس چیز کی کسی وقت ابتداء ہو۔ اسکی کسی وقت انتہا بھی ہو۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ فنا زوال کے وقت وارد ہوتی ہے۔ جیسا کہ **ہر کمالے را زوالے** کے اصول سے پتہ چلتا ہے۔ اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ نبوّت جب ختم ہونے کو آئی تو زوال کے لپیٹ میں آگئی تھی۔ اسلئے قانون قدرت کے مطابق اگر نبوّت حضرت محمدؐ پر ختم ہوئی۔ تو اس وقت یہ زوال پذیر ہوچکی تھی۔ لیکن صورت ایسی نہیں۔ کیونکہ قرآن خود شاہد ہے۔ کہ حضرت محمدؐ کے وقت نعمت کا اتمام اور دین کی تکمیل ہوچکی تھی۔ آج میں نے تمہارے لئے دین کی تکمیل کی۔ اور نعمت پوری کردی۔ اور تمہارے لئے اسلام کا دین چن لیا[1]۔ پس اسی اوپر کے قاعدہ کلیہ کا ایک مستثنےٰ سمجھ لینا چاہئے۔

۳۔ ہاں تو بات یہ ہے کہ نبوّت کا خاتمہ چونکہ ضروری تھا۔ اسلئے اسکا خاتمہ اس وقت ہوا جبکہ ارتقار کی آخری منزل پونچ چکی تھی۔ اور وہ وقت حضرت محمدؐ کا مبارک عہد تھا۔ جیساکہ اوپر کی آیت سے ظاہر ہے۔ تو قرآن گویا خود اس بات پر گواہ ہے۔ کہ آخری نبی کامل ترین نبی ہے۔ اور وہ وہی نبی ہے جسے قرآن پاک رحمۃٌ للعالمین کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا کوئی ارشاد بھی بے معنی نہیں۔ اسلئے دیکھنا یہ ہے کہ آپ تمام جہانوں کیلئے رحمت کسطرح ہیں آپ تو کوئی تیرہ[13] چوداں[14] سو سال ہوئے عالم وجود میں آئے۔ آپ اگلوں کیلئے جن میں بڑے بڑے کامل واکمل رسول ہوچکے ہیں۔ رحمت کسطرح ہوسکتے ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میں اس وقت نبی تھا۔ جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے[2]۔ مطلب یہ ہے کہ آپکی روحانیت کو تقدم ذاتی حاصل ہے اور آپکی روحانیت سے ہی سب فیضیاب ہوتے رہے۔ اور ہوتے رہینگے۔ اور یہی مرتبہ رسالت تامہ اور نبوت کاملہ کا ہے۔ اسلئے یہ بات اصولاً درست ہے۔ کہ آپ پر نبوّت

[1] الیوم اکملتُ لکم دینکم واتممتُ علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً

[2] ترمذی کی روایت میں ہے روادم بین الروح والجسد۔ مشکوٰۃ باب خصائل سید المرسلین۔

کا خاتمہ ہوا۔ اگر آپ پر نبوّت ختم نہ ہوتی۔ بلکہ جاری رہتی تو پھر اسکا یہ مطلب ہوتا کہ نبوّت ابھی درجہ کمال کو نہ پونچی تھی۔ اور اسکے کمال ارتقا پر پہنچنے کیلئے ابھی کچھ وقت باقی تھا۔ ایسی صورت میں جب نبوت کسی دوسرے نبی پر جاکر ختم ہوتی۔ تو اس سے آپکے رحمۃٌ للعالمین ہونے اور آپکے دین کے اکمل ترین ہونے میں خلل پڑتا۔ اور میدان نبوّت میں کوئی دوسرا گوئے سبقت لے جاتا۔ اسی لئے سورہ احزاب میں آپکو خاتم النبیین کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ تمام مفسرین نے خاتم النبیین سے یہی سمجھا ہے۔ کہ آپ پر نبوّت کا خاتمہ ہوا۔ اور سب نے خاتم سے طابع مراد لیا ہے۔ اور طابع سے مراد آخر ہے یعنی آپکی وہ ذات ہے۔ جس سے نبوت پر مہر لگادیگئی ہے۔ قراۃ ابن مسعود میں خاتم النبیین کی بجائے "ولکن نبیا ختم النبیین" ہے۔ جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خاتم النبیین سے ختم نبوت ہی مراد ہے۔ جناب رسول اللہ صلعم قرآن پاک کے بہترین مفسر ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کا اسکے متعلق کیا فتویٰ ہے مسند احمد اور ترمذی میں ہے لوکان بعدی نبی لکان عمر[1] یعنی میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا۔ تو عمرؓ ہوتا ہے۔ اہل زبان کے یہاں یہ معانی و بیان کا اصول ہے کہ حرف لو اکثر امر محال پر داخل ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن پاک میں ہے۔ لوکان فیہما الھۃ الا اللہ لفسدتا اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے۔ تو یہ دونو فساد پذیر ہوتے۔ پس ظاہر ہے کہ جملہ شرطیہ کان فیہما الھۃ الا اللہ۔ ایک امر محال ہے قرآن پاک میں اسکی بے شمار نظیرین موجود ہیں مثلاً کے طور پر حاشیہ کی چند آیتیں ملاحظہ فرمائیں[2]

[1] مشکوٰۃ۔ باب مناقب عمرؓ۔ منتخب جلد ۴۔ ص ۳۶۹

[2] یود احدھم لو یعمر الف سنۃ ۔ ۲ ۔ ۹۶۔ لو انہم آمنوا واتقوا لمثوبۃ من عند اللہ خیر لو کانوا یعلمون ۔ ۲ ۔ ۱۰۳۔ لو کانوا یعلمون قرآن میں کئی بار آیا ہے جس سے ہر جگہ علم کا محال ہونا مراد لیا گیا ہے۔ لو اراد اللہ ان یتخذ ولداً لاصطفیٰ مما یخلق ما یشاء ۔ ۳۹ ۔ ۴ ۔ لو ان اللہ ھدٰنی لکنت من المتقین ۔ ۳۹ ۔ ۵۷۔ لو ان لنا کرۃ فاکون من المحسنین (دیکھو ۵۸)

حاشیہ صفحہ گذشتہ۔

۹ ۳ ۔ ۵۸ ۔ لو شاء ربنا لانزل ملائکۃً ۔ ۴۱ ۔ ۱۴ ۔ لو تزیّلوا لعذبنا الذین کفروا منھم عذابا الیمًا ۔ ۴۸ ۔ ۲۵ ۔ لو نشاء جعلناہ اجاجًا ۔ ۵۶ ۔ ۷۰ ۔ ولولا ان کتب اللہ علیھم الجلاء لعذبھم فی الدنیا ۔ ۵۹ ۔ ۳ ۔ لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر ۔ ۶۷ ۔ ۱۰ ۔ قل لو کان معہ الھۃ کما یقولون اذا لابتغوا الی ذی العرش سبیلا ۔ ۱۷ ۔ ۴۲ ۔ شرح ملا (ص ۳۹۰) میں لو کے متعلق ہے ۔ وقد یستعمل علی فقد لزوم الثانی ملاول مع انتفاء اسلا نرم یستدل بہ علی انتفاء الملزوم کقولہ تعالیٰ لو کان فیھما الھۃٌ الا اللہ لفسدتا لان لو ھٰھنا تدل علی لزوم الفساد لتعدد الالھۃ و علی ان الفساد منتف فیعلم من ذالک انتفاء التعدد ۔ لکان عمر لازم ہے ۔ اور کان بعدی نبی ملزوم ہے ۔ اور لو لازم کے انتفا کے لئے ہے ۔ پس لو کہنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کا نبی ہونا محال تھا ۔ اسلئے سمجھ لو کہ لو امر محال کے لئے آتا ہے ۔

ابن ماجہ کی حدیث ہے ۔ لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیًا[۱] یہاں بھی لو امر محال پر وارد ہوا ہے ۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ کا زندہ رہنا محال تھا ۔ اسلئے اُن کا نبی بننا بھی محال تھا ۔ اور یہ دونو باتیں اسلئے محال تھیں ۔ کہ آپکے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا تھا ۔ رسول اللہ صلعم کا فرمان ہے کہ مجھے تمام نبیوں پر چھ چیزوں سے فضیلت دیگئی ہے ۔ مجھے جوامع کلمات عطا ہوئے ۔ اور مجھے رُعب سے مدد دیگئی ۔ اور میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں ۔ اور میرے لئے زمین سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنائی گئی ۔ اور میں تمام خلقت کیطرف رسول بنا کر بھیجا گیا ۔ اور نبی میرے ساتھ ختم کئے گئے[۲] الانبیاء پر آل استغراق کا ہے ۔ یعنی تمام

[۱] منتخب جلد ۴ ص ۲۱۶ [۲] مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین ۔ الفاظ حدیث کے یہ ہیں ۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلعم قال فُضِّلت علی الانبیاء بستٍ ۔ اعطیت جوامع الکلم و نصرت بالرعب و احلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدًا وطھورًا وارسلت الی الخلق کافۃً وختم بی النبیون ۔ رواہ مسلم

قسم کے نبی خواہ تشریعی اور خواہ غیر تشریعی ۔ اور یہی صورت النبیّون میں ہے ۔ یعنی آپ پر ہر قسم کی نبوت تشریعی و غیر تشریعی ختم ہوئی ۔ یہاں ایک بات غور طلب ہے ۔ قرآن کے رُو سے نبی اور رسول کا لفظ مترادف پایا جاتا ہے ۔ جیسا کہ اکثر مفسرین کی رائے ہے ۔ لیکن آئمہ اصول کے یہاں نبوت اور رسالت میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے ۔ یعنی ہر رسول نبی ہے ۔ لیکن ہر نبی رسول نہیں ۔ مگر یہ مسلمہ بات ہے ۔ کہ نبی کا لفظ نبی تشریعی اور غیر تشریعی دونو کیلئے استعمال کیا جاتا ہے ۔ پس ظاہر ہے کہ اس حدیث میں انبیاء کا لفظ اسلئے استعمال کیا گیا ہے تا کہ اس سے یہ احتمال بھی جاتا رہے ۔ کہ آپ پر صرف نبوت تشریعی ختم ہوئی ۔ غیر تشریعی ختم نہیں ہوئی ۔ یعنی آپ کے بعد ایک غیر تشریعی نبی کا آنا بھی اب محال ہے ۔ صحیحین میں ہے میں محمد ہوں ۔ میں احمد ہوں ۔ میں وہ ماحی ہوں ۔ جس سے اللہ کفر مٹاتا ہے اور میں وہ حاشر ہوں جسکے پیچھے لوگ اٹھائے جائینگے ۔ اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جسکے بعد کوئی نبی نہیں آتا[۱] یہاں الفاظ "لیس بعدہٗ نبی" نفی نبوت پر دلالت کرتے ہیں ۔ عربی زبان دان جانتے ہیں کہ یہاں لیس کیساتھ اسم نکرہ کا استعمال جنس نبی کی نفی پر دلالت کرتا ہے[۲] اور بعدہٗ کے لفظ سے نبوت کا مطلق طور محال ہونا ظاہر ہے ۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلعم ہمکو اپنے نام بتایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں محمد ۔ احمد ۔ مقفی ۔ حاشر ۔ نبی التوبۃ اور نبی الرحمۃ ہوں[۳] مجمع البحار میں ہے کہ مقفی آخر انبیاء کو کہتے ہیں[۴] عرب کے محاورہ میں مقفی علیہ اس شی کی نسبت استعمال کرتے ہیں ۔ جو آخر کو ہو اور ختم ہونے والی ہو ۔ پس اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ آپ آخری نبی ہیں آپکے بعد اب کوئی اور نبی آنے والا نہیں ۔ صحیحین میں سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم نے حضرت علیؓ کو فرمایا انت منی بمنزلۃ ھٰرون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی[۵]

[۱] مشکوۃ باب اسماء النبی م [۲] منار میں ہے ۔ والنکرۃ فی موضع النفی تعم یعنی نکرہ نفی کے مقام میں عموم کا مفہوم رکھتا ہے ۔ نور الانوار ص ۸۰ [۳] مشکوۃ باب اسماء النبیؐ [۴] المقفی ھو المولی الذاھب ای آخر الانبیاء المتبع لھم فاذا قفی فلا نبی بعدہ مجمع البحار [۵] مشکوۃ باب مناقب علی رضہ ۔

اہل معانی اور اہل لغت کے یہاں یہ متعارف بات ہے کہ نکرہ پر لا کا استعمال نفی جنس کیلئے ہوتا ہے۔ جب تک کہ اسکے خلاف کوئی قرینہ صارفہ نہ پایا جائے۔ یعنی اگر رسول اللہ صلعم کے بعد نبوت غیر تشریعی بھی جائز ہوتی۔ تو کم از کم حضرت عمرؓ اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو نبی ہوتے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ حضرت عمر اگر نبی تشریعی نہیں ہو سکتے تھے تو کم از کم غیر تشریعی تو ہوتے۔ مگر انہوں نے اسکا بھی دعویٰ نہیں کیا۔ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کیساتھ نبی غیر تشریعی تھے۔ کیونکہ کتاب موسیٰ پر اُتری تھی۔ اسی طرح اگر کتاب حضرت محمدؐ پر اُتری تو حضرت علیؓ نبی غیر تشریعی ہو سکتے تھے۔ بعوزکہ لا نبی بعدی سے صرف نبوت تشریعی کی نفی کیطرف اشارہ ہوتا۔ لیکن اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنس نبوت کی نفی مراد ہے۔ نہ کہ نبوت تشریعی کی لا نبی بعدی میں نکرہ پر لا وارد ہوا ہے۔ اور یہاں کوئی ایسا قرینہ صارفہ موجود نہیں۔ جس سے ظاہر ہو کہ مفہوم متعارف سے انحراف کیا گیا ہے۔ نکرہ اور لا کا اسطرح کا استعمال قرآن میں بہت جگہ آیا ہے۔ سورہ بقر کے شروع میں ہے۔ لا ریب فیہ یہاں نکرہ پر لا کے لانے سے جنس ریب کی نفی کیگئی۔ لا شریک لہ اور لا الہ الا اللہ میں بھی صورت یہی ہے۔ یہاں کوئی قرینہ صارفہ موجود نہیں۔ جسکی وجہ سے نفی جنس سے انحراف کیا جائے۔ سورہ انعام میں ہے۔ لا مبدل لکلمتہٖ۔ ۶۔ ۱۱۶۔ ایک اور جگہ ہے۔ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔ لا علم لنا الا ما علمتنا۔ قرینہ صارفہ خود بخود معلوم ہو جاتا ہے۔ لا فتیٰ الا علی۔ ہم جانتے ہیں کہ فتوّت حضرت علیؓ تک ہی محدود نہیں۔ کیونکہ انکے علاوہ اور بھی دنیا میں صاحب فتوّت نظر آتے ہیں۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ یہاں فتی سے فتی کامل مراد ہے اور یہاں حضرت علیؓ کی فتوت پر صرف زور دینا مقصود ہے۔ نہ کہ جنس فتی کی نفی لا صلوۃ الا بحضور القلب نماز کیلئے حضور قلب شرعاً شرط نہیں اور یہ قرینہ صارفہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں صلوۃ کاملہ کی نفی مراد ہے۔ نہ کہ عامہ کی۔ لا دین لمن لا امانۃ لہٗ جو شخص اپنی

امانت کا لحاظ نہ رکھے اس کا دین سارے کا سارا زائل نہیں ہوتا۔ جیسے کہ شریعت کا صاف فتویٰ ہے۔ اسلئے یہاں یہ مراد ہے۔ کہ کامل دین کے تحقیق کیلئے امانت کا وجود ضروری ہے۔ یہاں اس قرینہ صارفہ کی وجہ سے دین کامل مراد ہے۔ ترمذی اور مستدرک حاکم میں ہے وانہ سیکون فی امتی ثلاثون کذابا۔ یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی[1] مسند احمد میں بھی اسی قسم کی ایک حدیث موجود ہے اسکے آخر میں ہے۔ وانی خاتم النبیین لا نبی بعدی[2] یہاں بھی نکرہ پر لا کا آنا صریحاً نفی جنس کیلئے ہے۔ اور یہاں کوئی قرینہ صارفہ موجود نہیں۔ صحیحین میں ہے کہ میں خاتم النبیین ہوں[3] جابر کی روایت میں ہے کہ میں آیا اور میں نے نبوت کو ختم کیا[4] اسکے علاوہ ایک اور حدیث مشہور موجود ہے۔ صحیحین۔ مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے کہ بنی اسرائیل کی سیاست نبی کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی فوت ہوتا۔ تو دوسرا نبی اسکی جگہ لے لیتا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ البتہ خلفاء ہونگے وہ بہت ہونگے الخ[5]۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہاں بھی نکرہ پر لا نافیہ داخل ہوا ہے۔ اور اس سے جنس نبوت کی نفی مراد ہے۔ پس یہ بات روز روشن کیطرح عیاں ہے۔ کہ آپکے بعد کوئی نیا نبی مبعوث نہ ہوگا حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول جو مسلمانوں میں مانا جاتا ہے۔ وہ شریعت محمدی پر ہوگا۔ وہ کوئی نئی

---

[1] منتخب جلد ۶ ص ۱۰۔ [2] منتخب جلد ۶ ص ۲۔ [3] صحیحین میں ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ[4] مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل احسن بنیانا ترک منہ موضع لبنۃ فطاف النظار یتعجبون من حسن بنیانہ الا موضع تلک اللبنۃ فکنت انا سددت موضع اللبنۃ ختم بی البنیان وختم بی الرسل وفی روایۃ فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین [5] منتخب جلد ۲ ص ۱۲۷۔ ایک فرقہ مجدد کو ظلی نبی کہتا ہے۔ لیکن یہ اصطلاح غلط اور غیر متعارف ہے۔ انکی دلیل یہ ہے کہ مجدد نبی کا ظل ہوتا ہے۔ اسلئے مجدد ظلی نبی کہلاتا ہے۔ یہ استدلال درست نہیں۔ سلطان کو کہ ظل اللہ علی الارض کہتے ہیں سلطان اللہ کا ظل ضرور ہے۔ مگر اسے کوئی ظلی خدا نہیں کہتا۔ اور نہ ظلی خدا کوئی ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی نبی کا ظل بھی ہو جب بھی وہ دعوی نہیں کر سکتا کہ میں نبی ہوں کیونکہ بہر حال میں نبی ہے۔

شریعت نہ لائینگے۔ بلکہ وہ تو شریعت محمدی کے پیرو ہونگے۔ اور اُمت محمدی میں داخل ہونگے
حضرت حافظ رح کیا خوب کہتے ہیں ؎

گرچہ شیرین دہناں پادشہانند ولے — آں سلیماں زماں ست کہ خاتم با اوست

۴ — خیال یہ کیا جاتا ہے اور یہ ہے بھی درست کہ دوسرا نبی اس وقت آتا ہے
جبکہ اس سے پہلا نبی اپنا فرض منصبی ادا کرنے سے قاصر رہے۔ ورنہ اگر پہلا نبی ہی
اپنے فرائض ادا کرنے پر قادر رہے۔ اور وہ اپنے فرائض ادا کر رہا ہے۔ تو پھر دوسرے
نبی کے آنے کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ ایک نبی کی لائی ہوئی شریعت کی میعاد اسی
حد تک ممتد ہوتی ہے۔ جس حد تک اس نبی کی ذاتی قابلیت ہو۔ ورنہ اگر کوئی ایسا نبی
آجائے جو اپنے فرائض ادا کرنے پہ ہمیشہ قادر رہو۔ تو اُسکی شریعت قیامت تک قایم رہیگی
مثلاً ہم کہتے ہیں کہ نبی آخرالزمان کے فرائض یہ تھے خوشخبری دینا۔ ڈرانا۔ آئتیں پڑھکر سنانا
کتاب و حکمت سکھانا۔ پاک کرنا۔ اور دین حق کو غلبہ دینا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بالتحقیق
اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا جبکہ اسنے ان میں کا ایک پیغمبر اُن میں بھیجا۔ جو انہیں آئتیں
پڑھکر سناتا۔ اور انکو پاک کئے دیتا۔ اور اُنہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ اگرچہ اس سے
پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے[۱] اور نہیں بھیجا ہم نے تجھے مگر خوشخبری دینے والا۔ اور ڈرانے والا[۲]
وہی وہ ذات ہے جسے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سچے دین کیساتھ بھیجا۔ تاکہ وہ غالب کردے
اُسے سب دینوں پر خواہ مشرکوں کو بُرا ہی معلوم ہو[۳]

[۱] لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیہم رسولاً من انفسہم یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین آل عمران ۳-۱۶۳- بقرہ-۱۲۹- و ۱۵۱- جمعہ-۶۲-۲- [۲] وما ارسلناک الا مبشراً و نذیراً- فرقان ۲۵-۵۶- احزاب ۳۳-۴۵ و ۴۶- وتنذر ام القریٰ ومن حولہا شوریٰ-۴۲-۷- [۳] ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون - صف-۶۱-۹

۵ — ان ۶ آئیتوں کے رُو سے جو فرائض نبی آخرالزمان کے قرار پاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

اول۔ ڈرانا۔
دویم۔ خوشخبری دینا۔
سویم۔ آئتیں پڑھکر سنانا۔
چہارم۔ کتاب و حکمت سکھانا۔
پنجم۔ پاک کرنا۔
ششم۔ دین حق کو سب دینوں پر غالب کرنا۔

۶ — اول۔ ڈرانا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا تیری طرف
عربی قرآن تاکہ تو ڈرائے ام قریٰ اور اسکے اردگرد کے رہنے والوں کو اور ڈرائے تو جمع ہونے
والے دن سے۔ جس میں کوئی شک نہیں[۱] چنانچہ اسی غرض سے قرآن بتدریج اُترتا رہا۔ اور
جو آئتیں وقتاً فوقتاً اُترتی رہیں۔ آپ لوگوں کو سنا دیتے رہے۔ اس میں بشارت کی بھی آئتیں ہیں
اور وعید کی بھی۔ گوکہ وحی آپ کی وفات سے منقطع ہوئی۔ مگر چونکہ قرآن سارے کا سارا محفوظ
ہے۔ اسلئے یہ فرض آپ کا اب خود بخود سرانجام پا رہا ہے۔

۷ — دویم۔ خوشخبری دینا۔ یہ فرض بھی قرآن کی موجودگی کیوجہ سے خود بخود ادا ہو رہا ہے

۸ — سویم۔ آئتیں پڑھکر سنانا۔ جوں جوں آئتیں اُترتی رہیں۔ آپ لوگوں کو پڑھکر سنا دیتے
رہے۔ اور وہ سب کی سب دفتین میں محفوظ ہیں۔ بنابریں یہ تلاوت آیات کا کام بھی خود بخود
ہو رہا ہے۔ اب چونکہ نئی کوئی وحی نہیں ہوتی ہے۔ اسلئے ابتدائی تلاوت کی ضرورت
مفقود ہے۔

۹ — کتاب اور حکمت سکھانا۔ کتاب کا سکھانا بھی وحی سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی جب

[۱] وکذلک اوحینا الیک قرآناً عربیاً لتنذر ام القریٰ ومن حولہا وتنذر یوم الجمع لا ریب فیہ۔ شوریٰ-۴۲-۷-

جوں کتاب نجماً نجماً اترتی رہی آپ لوگوں کو احکام کتاب کے سکھاتے رہے۔ حکمت میں مسالک مسنونہ اور سنن نبوی داخل ہیں۔ اسلئے حکمت کا معتد بہ ذخیرہ کلام اللہ اور احادیث نبوی میں محفوظ ہے۔ مگر حکمت نظریہ اور حکمت عملیہ کا انتہائی ڈانڈہ تزکیہ کے ساتھ جا ملتا ہے۔ اور اس حکمت انتہائی سے وہی روشناس ہوسکتا ہے۔ جو پاک ہوچکا ہوا ہو۔ کیونکہ پاک ہوئے بغیر کوئی حکیم نہیں کہلا سکتا۔ اس حکمت کا سکھانا رسول کی ذات سے تعلق رکھتا ہے

۱۰ ـــ پنجم ـ پاک کرنا اسکے متعلق دو باتیں قابل غور ہیں۔ یعنی نوعیت پاکیزگی اور وسائل پاکیزگی ـ

۱۱ ـــ تزکیہ کی نوعیت اور اسکا تجزیہ ـ انسان کی طاقتوں کا اندازہ لگانا قریبًا ناممکن ہے ـ انسانی حقیقت میں اہم ترین شی روح ربّی ہے ـ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہم نے آدم کے جسم کو درست کیا۔ اور اس میں ہم نے اپنی روح پھونکدی تو فرشتوں کو کہا کہ تم اسے سجدہ کرو؎ گویا کہ آدم علیہ السلام کو جو سجدہ فرشتوں نے کیا وہ اسی روح کیلئے سجدہ تعظیمی تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔ ؎

گر نہ بودے ذات حق اندر وجود　　　آب و گل را کے ملک کردے سجود

اگر یہ بات سچ ہے اور فی الحقیقت سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی روح آدم علیہ السلام کے جسم میں پھونکدی ـ تو پھر انسان کی طاقتوں کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ روح ربانی کی طاقتوں کی تفصیل سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے ـ آسمانوں زمینوں کا پیدا کرنا۔ نظام عالم کا قایم کرنا۔ فنا و بقا کا سلسلہ کھڑا کرنا۔ ان ہوتی باتوں کا کر دکھانا۔ دن کو رات ـ اور رات کو دن بنانا۔ زندہ کو مردہ ـ اور مردہ کو زندہ کر دینا ـ نبیوں ولیوں کے ہاتھ پر معجزات و کرامات

؎ فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین حجر - ۱۵ - ۲۹ -
ص - ۳۸ - ۲ - ۷۲ - ۷۷

کا ظاہر کرنا ـ ملکوت کے رموز و اسرار سے انکو واقف کرنا ـ یہ روح ربانی کے ادنےٰ کرشمے ہیں ـ اگر اسی روح ربانی کا کرشمہ انسان کے اندر موجود ہے ـ اور فی الحقیقت موجود ہے تو پھر انسان ضعیف البنیان کی روح کی طاقتوں کا جائزہ لینا بہت مشکل ہے ـ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اکثر انسانوں کو اس مادی دنیا میں رہ کر ما فوق العادت طاقتیں بہت کم حاصل ہوتی ہیں ـ پھر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اس دنیا کے اندر آکر انسانی روح کی یہ طاقتیں کہاں غائب ہوجاتی ہیں ـ اصل بات یہ ہے کہ روح مجرد میں تو اسکی تمام طاقتیں موجود ہوتی ہیں ـ لیکن جونہی کہ یہ روح مادی جسم کے اندر داخل ہوتی ہے ـ اسکی طاقتوں پر کڑی قیود لگ جاتی ہیں ـ اور روح کی یہ ساری طاقتیں مادیت کے آنچل میں روپوش ہو جاتی اور اُن پر جمود کا عالم طاری ہوجاتا ہے ـ اسی لئے جن لوگوں کو روح کی یہ طاقتیں حاصل نہیں ہوتیں ـ اور یہ اکثر لوگوں کو حاصل نہیں ہوتیں ـ وہ انکے وجود سے ہی انکار کر دیتے ہیں اور حقیقت یہ ہے ـ کہ لوگ خواہ مخواہ دشمن بن جاتے ہیں اس چیز کے جسے وہ نہیں جانتے الناس اعداء ما جھلوا انسانی روح اور ملکی روح میں بہت تھوڑا فرق ہے ـ فرشتے بھی اللہ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں ـ اور انسانی روح بھی ـ اس لحاظ سے ارواح انسانی اور ملائک ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں ـ لیکن انسان جو فرشتہ سے افضل قرار دیا گیا ہے ـ تو اس لئے کہ وہ اس مادی جسم کے اندر رہ کر اور مادیت کی تمام شر انگیز قوتوں سے مقابلہ کر کے روحانی کمالات حاصل کرتا ہے ـ فرشتوں کے ذمہ جو فرائض نظام عالم کے ہیں ـ اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آن کی آن میں لاکھوں کوسوں کی مسافت طے کر سکتے ـ دور دراز فاصلوں سے دیکھتے ـ سنتے اور ادراک کر سکتے ہیں ـ فرشتوں کی ان محیر العقول قوتوں کے متعلق اگر آپ نقلی دلائل دیکھنا چاہتے ہیں ـ تو کم از کم یہ آئتیں پڑھ لیجئے ـ انعام - ۶ - ۱۲ - انفال ۸ - ۵۰ - رعد - ۱۳ - ۱۱ - ۱۲ - ۱۳ - نحل - ۱۶ - ۳۲ - احزاب - ۳۳ - ۹ - زمر - ۳۹ - ۷۵ - مومن - ۴۰ - ۷ - شوریٰ - ۴۲ - ۵ - ۶ و ۷ - فتح - ۴۸ - ۴ - قصص - ۸۲ - ۱۰ - ۱۱ - ۹ - ۱۲ -

ان آیتوں سے یہ بات صاف ظاہر ہے۔ کہ فرشتے بارشوں اور ہواؤں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے۔ بجلیاں گراتے۔ رعد گرجاتے۔ ان میں تصرف کرتے کائنات موجودات کا جائزہ لیتے اور انکی دیکھ بھال کرتے۔ زمین آسمانوں میں گھومتے۔ مرنے والوں کے پاس آموجود ہوتے۔ قبروں میں داخل ہوتے۔ لوگوں کے اعمال لکھتے۔ انکی حفاظت کرتے خبریں پہنچاتے۔ اللہ تعالیٰ کے عرش کے گرد پھرتے اور اسے اٹھائے رہتے۔ روحوں کو اعلیٰ علیین۔ اور اسفل سافلین میں لے جاتے بستیاں الٹ پلٹ کرتے۔ شیاطین پر انگارے پھینکتے۔ دور دراز فاصلے آنکھ جھپکنے میں طے کرلیتے۔ دل کی باتوں کی ٹوہ لگالیتے۔ اور ہر شکل اختیار کرسکتے ہیں۔ غرضیکہ دنیا جہاں کے سارے کام ان کے ہاتھوں سر انجام پاتے ہیں۔ اسی طرح انسانی روح کو بھی کچھ غیر معمولی طاقتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور وہ ان طاقتوں کو استعمال کرسکتی ہے۔ بشرطیکہ مادہ کی ہمسائیگی اسکے سدِ راہ نہ ہو۔ انسان کا کمال اسی بات میں مرکوز ہے۔ کہ وہ اس مادی جسم کے اندر رہ کر روح کی یہ ساری قوتیں اور طاقتیں حاصل کرلے۔ بس اسی کا نام پاکیزگی ہے۔ یعنی جب مادہ کی کثافت اور جسمانیت کی ہمسائیگی انسانی روح کو ان قوتوں کے استعمال سے نہ روکے۔ تو سمجھ لو کہ وہ انسان پاک ہوچکا ہے۔ اور یہی پاکیزگی اسکے کمال کا معیار اور اس کا منتہائے مقصود ہے۔ اور اسی پاکیزگی کے حاصل کرنے کیلئے وہ اس دنیا میں آتا اور تا زندگی بھر کوشش کرتا ہے۔ یہاں پہنچکر آپ ضرور روح کی ان طاقتوں کے متعلق نقلی دلائل چاہینگے اسلئے سنئے۔ صحیحین میں ہے آپ نے فرمایا کہ صفیں برابر کرو۔ میں تم کو اپنی پیٹھ پیچھے سے دیکھتا ہوں[1] جسطرح کہ میں تم کو سامنے سے دیکھتا ہوں[2] مسند احمد۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ اور میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان سے کچھ آواز آرہی ہے اور آواز آنا چاہیے۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے۔ آسمان میں

[1] و [2] مشکوۃ باب تسویۃ الصفوف۔ ومنتخب جلد ۴۔ ص ۳۰۲

چار انگلیوں کے برابر بھی کوئی مقام ایسا نہیں جہاں کہ کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو۔ واللہ جو کچھ میں جانتا ہوں۔ اگر تم جانتے ہوتے۔ تو تم تھوڑے ہنستے اور زیادہ روتے اور تم بستروں پر عورتوں سے لذت حاصل نہ کرتے۔ بلکہ تم پہاڑیوں پر چڑھ جاتے اور اللہ تعالیٰ کیطرف رجوع کرجاتے۔ ابوذر بولے۔ کاش میں کٹا ہوا درخت ہوجاتا[1] صحیح مسلم میں ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلعم کیساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان سے گذر رہے تھے۔ ابن عباسؓ بھی ساتھ تھے۔ یہ قافلہ ایک وادی میں پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کون سی وادی ہے۔ صحابہ نے عرض کی کہ یہ وادی ازرق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں گویا موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے انکے رنگ اور بالوں کا بھی کچھ ذکر فرمایا۔ موسیٰ اپنی انگلیاں کانوں میں دیئے ہوئے لبیک کہہ رہے۔ اس وادی سے گذر رہے ہیں۔ پھر ہم چلتے چلتے ایک ٹیلے پر پہنچے۔ آپ نے پوچھا یہ کون سا ٹیلہ ہے۔ صحابہ نے عرض کی ہرشی یا لفت آپ نے فرمایا میں گویا یونس کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ سرخ اونٹنی پر سوار جبہ پہنے ہوئے ہیں۔ اور اونٹنی کی لگام تھامے لبیک کہتے ہوئے اس وادی سے گذر رہے ہیں[2] صحیحین میں ہے کہ کیا تم میرے آگے یہاں دیکھ سکتے ہو۔ خدا کی قسم مجھ پر تو تمہارا خشوع ورکوع تک چھپا ہوا نہیں میں بالتحقیق تم کو اپنی پیٹھ پیچھے سے دیکھتا ہوں[3] نسائی اور مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ اللہ اکبر مجھے شام کی کنجیاں دیدی گئیں۔ خدا کی قسم میں اسکے سرخ محل اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔ اللہ اکبر مجھے فارس کی کنجیاں دیدی گئیں۔ خدا کی قسم میں اسکے سفید محل اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔ اللہ اکبر مجھے یمن کی کنجیاں دیدی گئیں۔ خدا کی قسم میں اپنی اس جگہ سے صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں[4] صحیحین اور مسند احمد میں ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو مجھ سے کچھ پوچھنا چاہے۔ پوچھ لے۔ خدا کی قسم جب تک میں اس مقام پر ہوں۔ تم جو

[1] مشکوۃ باب البکاء والخوف۔

[2] مشکوۃ باب بدء الخلق وذکر الانبیاء۔ [3] منتخب جلد ۴۔ ص ۳۰۲

[4] منتخب کنز العمال جلد ۴۔ ص ۲۷۲

پوچھو گے بتاؤنگا۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جسکے دست قدرت میں میری جان ہے اس وقت اس چاردیواری کے اندر ہی جنت و دوزخ میرے سامنے کردیئے گئے۔ درحالیکہ میں نماز میں مشغول تھا۔ سو نیکی اور بدی میں آج کے دن کے برابر کوئی دن میں نے نہیں دیکھا[1]۔ ایک بار حارثہ بن سراقہ سے رسول اللہ صلعم نے پوچھا کہ تمہارے ایمان کی کیا کیفیت ہے۔ اس نے عرض کی کہ میرا دل دنیا سے اٹھ گیا ہے۔ رات کو جاگتا۔ دن بھر کا پیاسا رہتا ہوں اب میں گویا رب العالمین کا عرش دیکھ رہا۔ اور اہل جنت کو آپس میں ملتے جلتے معائنہ کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ تیرا دل اللہ نے نور سے معمور کردیا ہے۔ اور تو نے معرفت حاصل کرلی[2]۔ ایک دفعہ حضرت عمر نے ایک شخص سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے۔ اسنے کہا کہ جمرہ۔ آپ نے پوچھا کہ باپ کا نام کیا ہے۔ بولا شہاب۔ آپ نے پوچھا کس قبیلہ سے ہو۔ بولا ذات لظی میں۔ فرمایا جا اپنے گھر والوں کی خبرلے۔ وہ سب جل گئے۔ اس شخص نے جاکر دیکھا تو وہی حال تھا۔ جو حضرت عمر نے کہا تھا[3]۔ ایک دفعہ فاروق اعظم جمعہ کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے۔ پڑھتے پڑھتے بول اٹھے یا ساریہ الجبل۔ آپ نے ساریہ کو سر عسکر بناکر ایک مہم پر بھیجا ہوا تھا۔ ساریہ نے یہ آواز مستقل میں سنی۔ اور اس پر عمل کرکے فتح حاصل کی۔ جب قاصد فتح کی خوشخبری لیکر دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ تو اس نے یہ سارا ماجرا بیان کیا[4]۔ جناب رسول اللہ صلعم قبروں سے گذرتے تو اہل قبور کے حالات کا مطالعہ کرلیتے۔ اور ان آنکھوں سے فرشتوں کو دیکھتے تھے[5]۔ معراج بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے روحانی کمالات کا ایک کرشمہ ہے۔ آپ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی۔ آسمانوں پر پہونچے۔ اور وہاں بڑے بڑے پیغمبروں سے ملاقاتیں کیں۔

[1] منتخب جلد ۲ ص ۳۰۳۔ [2] منتخب جلد ۵ ص ۱۶۰۔ اسد الغابہ تذکرۂ حارثہ بن سراقہ۔ [3] موطا امام مالک۔ [4] مشکوۃ باب الکرامات۔ [5] مشکوۃ باب عذاب قبر۔

جنت و دوزخ دیکھے۔ اللہ تعالی کے حضور میں پہونچے۔ اور وہاں پہونچے جہاں کوئی فرشتہ پر بھی نہ مار سکتا تھا۔ اور پھر وہ کچھ دیکھا جو کسی ملک مقرب نے بھی دیکھا نہ ہوگا[1]۔ غرضیکہ انسانی روح میں دور دور تک دیکھنے کی طاقت موجود ہوتی ہے۔ اور یہ طاقت اللہ کے نور کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جس سے اسکی ہستی کا نظام قایم ہے۔ حدیث میں ہے مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے[2]۔ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرا قرب نفلوں کے ذریعہ سے حاصل کرتا رہتا ہے۔ تاآنکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں سو جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اسکا کان جس سے سنتا ہے۔ اسکی آنکھ جس سے دیکھتا ہے۔ اسکا ہاتھ جس سے پکڑتا ہے۔ اور اسکا پاؤں جس سے چلتا ہے۔ ہوجاتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھسے مانگے تو اسے دیتا ہوں۔ الخ[3]۔ مسند احمد کی روایت میں یہ مستزاد ہے۔ کہ میں اسکا دل جس سے سمجھتا ہے۔ اور اسکی زبان جس سے بات کرتا ہے بن جاتا ہوں[4]۔ جب حق تعالی خود انسان کامل کا کان۔ آنکھ۔ ہاتھ پاؤں دل زبان بن جاتے۔ تو پھر اسکی روحانی حالت کا کیا کہنا۔ حضرت حافظ کیا خوب کہتے ہیں ؎

گر نور عشق حق بدل و جانب اوفتد ۔۔۔ باللہ کز آفتاب فلک خوبتر شوی

از پاے تا سرت ہمہ نور خدا شود ۔۔۔ در راہ ذوالجلال چو بے پا و سر شوی

آپکی یہ دعا حصن حصین میں منقول ہے۔ اے اللہ کر روشنی میرے دل میں اور روشنی میری آنکھ میں۔ اور روشنی میرے کان میں۔ اور روشنی میرے دائیں طرف اور روشنی میرے بائیں طرف۔ اور روشنی میرے پیچھے اور کر روشنی میرے لئے[5]۔ دوسری روایت

[1] منتخب جلد ۴۔ فصل ثالث فی المعراج۔ [2] روایۃ ترمذی منتخب جلد اول ص ۲۲۳۔ فراست [3] مشکوۃ باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب بخاری [4] منتخب جلد اول ص ۱۱۳۔

[5] بخاری مسلم۔ ابوداود۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ حصن حصین۔ ص ۹۱۔

میں یہ بھی ہے ۔ اور کر نور میرے پٹھوں میں ۔ اور نور میرے گوشت میں اور نور میرے خون میں اور نور میرے بالوں میں اور نور میری جلد میں [1] ایک اور روایت میں ہے ۔ اور نور میری زبان میں ۔ اور نور میری جان میں اور زیادہ کر نور میرے لئے اور کر نور میرے لئے [2] یہ دعا آپکی مقبول ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے رگ رگ ریشہ ریشہ میں حق تعالیٰ کا نور سرایت کر گیا ہوا ہے ۔ اور وہی نور آپ کے جسم کے ذرہ ذرہ میں کارفرما ہے ۔ اور اسی نور کے بل پہ آپ دور دور کی چیزیں دیکھتے آسمانوں زمینوں کے رموز واسرار مشاہدہ کرتے ۔ اہل قبور کے حالات کا مطالعہ کرتے فرشتوں کو دیکھتے ۔ انبیاء سابقین سے ملاقاتیں کرتے ۔ اور کیا کچھ نہ کرتے تھے ۔ چونکہ یہ دعا آپ نے اپنی امت کو بھی سکھائی ہے ۔ اسلئے اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ کیفیت نبیوں کے بعد کامل مومنوں کے جسم وجان میں پیدا ہو سکتی ہے ۔ اور وہ دور کی چیزیں دیکھ سکتے ۔ دور دور کی باتیں سن سکتے ۔ اور پوشیدہ حالات کا مطالعہ کر سکتے ہیں ۔ جیسا کہ اوپر کی بعض حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے ۔ یہ آنکھ کان اور روحانی قوی کی بڑھی ہوئی قوت کشف وکرامات میں داخل ہے ۔ اسکے علاوہ کامل مومنوں سے ایسے ایسے خرق عادت افعال صادر ہوتے ہیں ۔ جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتے ۔ ان لوگوں کا کمال اس کشف وکرامات سے بہت بلند واقع ہوا ہے ۔ انکے نزدیک یہ کمالات اور کشف وکرامات آفات راہ ہیں ۔ اور وہ ان آفات کو جادہ پیمائی کرتے کرتے راستے میں ہی چھوڑ دیتے ہیں ۔ حضرت مغربیؒ حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے خوب کہتے ہیں ؎

با ما سخن از کشف وکرامات چہ گوئی ۔۔۔ چوں ما زسر کشف وکرامات گذشتیم

اے شیخ اگر جملہ کمالات تو انیست ۔۔۔ خوش باش کزیں جملہ کمالات گذشتیم

اینہا بحقیقت ہمہ آفات طریق اند ۔۔۔ ما در طلب از جملہ آفات گذشتیم

---

[1] بخاری ۔ مسلم ۔ ابوداود ۔ نسائی ۔ ابن ماجہ ۔ حصن حصین ۔ ص ۹۱ ۔

[2] نسائی ۔ حصن حصین ۔ ص ۹۱ تا ۹۳

یہ نکتہ کہ کامل مومنوں کا کمال کرامات سے بہت بلند واقع ہوا ہے ۔ ناخن تدبیر اور رسمی عقل سے نہیں حل ہو سکتا ؎

ایکہ از دفتر عقل آیت عشق آموزی ۔۔۔ ترستم این نکتہ بتحقیق ندانی دانست

شرح مجموعۂ گل مرغ سحر داند وبس ۔۔۔ کہ نہ ہر کو ورقے خواند معانی دانست

اس نکتہ کے حل کرنے کا یہ محل نہیں ۔ اس کیلئے ہم کوئی دوسرا موقعہ تلاش کرینگے ۔ تاہم اسقدر ظاہر کر دیا جاتا ہے ۔ کہ کامل مومنوں کا یہ کمال اپنے اصل سے مل جانا اور اسمیں گم ہو جانا ہے ۔ چنانچہ اسی کیطرف خواجہ معین الدین صاحب چشتی اجمیریؒ اشارہ فرماتے ہیں ؎

مرا زہر دو جہاں دولت وصال تو بس ۔۔۔ وصال چیست کہ آمد شد خیال تو بس

خواجہ حافظ شیرازی کیا خوب کہتے ہیں ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید ۔۔۔ یا جان رسد بجاناں یا جان ز تن برآید

بکشائے تربتم را بعد از وفات وبنگر ۔۔۔ کز آتش درونم دود از کفن برآید

... اس وصال کی تحقیق خواجہ صاحب اجمیری کیا خوب کرتے ہیں ؎

اگر بچشم حقیقت وجود خود بینی ۔۔۔ قیام جملہ اشیاء بجود خود بینی

اگر ز آئینہ زنگ حدوث بزدائی ۔۔۔ جمال شاہد حق در شہود خود بینی

بہ بند دیدہ ز اعیاں کہ تا ز عین عیاں ۔۔۔ وجود دوست چو جان وجود خود بینی

یہ نکتہ غرور ونخوت سے حل نہیں ہو سکتا ۔ جو منکران شان رسالت وولایت کے دماغ میں سمایا ہوتا ہے ۔ یہ تو نکونساری ۔ فروتنی ۔ ژرف نگاہی اور خاکساری سے حل ہوتا ہے ؎

غلام نرگس مست تو تاجدار آنند ۔۔۔ خراب بادۂ لعل تو ہوشیار انند

رقیب درگذر وبیش ازیں مکن نخوت ۔۔۔ کہ ساکنان در دوست خاکسار انند

نہیں پاکبازوں خاکساروں کی نسبت عاشقاں سرمدی کے ابو الآبا ۔ اور والہان علم لدنی کے استاد الاساتذہ جناب فخر کونین رسول ثقلین صلعم فرماتے ہیں ۔ کہ جسنے اللہ کے

دوست سے عداوت رکھی۔ اسنے اللہ تعالیٰ کو لڑائی کا الٹیمیٹم دیا۔ اللہ تعالیٰ اُن ابرار اتقیا۔ اخفیا سے پیار کرتا ہے۔ جو غیر حاضر ہوں تو کوئی انکی تلاش نہیں کرتا۔ اور جو حاضر ہوں تو کوئی انکو اپنے پاس نہیں بٹھاتا۔ انکے دل ہدایت کے دئیے ہوتے ہیں۔ اور وہ خود تیرہ و تاریک مقاموں سے نکلتے ہیں[۱۸] صحیح مسلم میں ہے کہ بہت سے ژولیدہ مو ایسے ہیں۔ جو دروازوں سے ہٹائے جاتے ہیں۔ اگر وہ اللہ کی قسم کھائیں تو اللہ ضرور انکی قسم پوری کرتا ہے[۱۹]۔

خاکساراں جہاں را بحقارت منگر   توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

۱۲ — ہاں تو کامل مومن کی روح میں غیر معمولی قوت ادراک۔ قوت علم قوت دید اور قوت سمع کا موجود ہونا تو ایک طرف یہاں تو ابلیس لعین اور اسکی ذریات میں بھی کچھ مافوق العادت قوتیں موجود ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور جب شیطان نے اُنکو انکے اعمال اچھے کر دکھائے۔ اور کہا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی آج کے دن تم پر غالب نہیں آسکتا۔ اور بالتحقیق میں تمہارا رفیق ہوں۔ لیکن جب دونوں فریق آمنے سامنے ہوئے تو وہ اپنی ایڑیوں پر پیچھے مُڑا۔ اور کہنے لگا کہ میں تم سے بری ہوں۔ یقیناً میں تو وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے[۲۰] گویا شیطان کی نظر کھلی ہوئی ہے اور وہ وہاں پونچتی ہے۔ جہاں کہ عام لوگوں کی نہیں پونچتی۔ ابلیس یا شیطان کی طاقت کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ اسے ایک عجیب روحی طاقت عطا ہوئی ہے۔ جسکے بل پر وہ ہر شخص کے خون میں سرائیت کر جاتا اور ہاتھ پیر پر اپنی

[۱۸] ابن ماجہ و شعب الایمان بیہقی۔ مشکوۃ باب الریاء والسمعۃ [۱۹] مشکوۃ باب فضل الفقراء۔

[۲۰] واذ زین لھم الشیطان اعمالھم وقال لا غالب لکم الیوم من الناس وانی جار لکم فلما تراءت الفئتن نکص علی عقبیہ وقال انی بریء منکم انی اری ما لا ترون انی اخاف اللہ واللہ شدید العقاب۔ انفال ۸-۴۸

حکومت کا سکہ بٹھا لیتا ہے۔ صحیحین میں ہے۔ جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا کہ شیطان انسان کے جسم کے اندر خون کیساتھ ساتھ چلتا ہے[۲۱]۔ جس طرح فرشتے کو یہ قوت حاصل ہے کہ وہ انسان کے دل میں کوئی اچھی بات ڈالدے۔ اسی طرح شیطان کو یہ قوت حاصل ہے۔ کہ وہ اس کے دل میں کوئی بری بات ڈالدے اسے لمۃ[۲۲] للشیطان کہتے ہیں[۲۳] ہر ایک ابن آدم کی پیدائش کے وقت ابلیس یا شیطان اپنی دشمنی کا اظہار کئے بغیر نہیں رہتا۔ اور مولود کو چھو ہی دیتا ہے۔ صحیحین میں ہے۔ بنی آدم میں سے کوئی بھی مولود بجز مریم اور ابن مریم کے ایسا نہیں جسے پیدائش کیوقت شیطان نہ چھولے۔ مولود شیطان کے چھونے کیوجہ سے زور زور سے رونے لگتا ہے[۲۴]۔ صحیح مسلم میں ہے۔ کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر نصب کرتا ہے۔ اور اپنی ذریات کو اطراف واکناف میں بھیجتا ہے۔ تاکہ وہ لوگوں میں فتنہ وفساد برپا کریں۔ الخ[۲۵] خود اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ابلیس یا شیطان کی ان قوتوں پر شاہد ہے۔ قرآن میں ہے۔ کہ جب تم قرآن پڑھا کرو۔ تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو[۲۶] گویا کہ ابلیس میں یہ طاقت ہے کہ ہر ایک قاری کو جہاں کہیں بھی وہ ہو وسوسوں میں ڈالدے۔ عامی مومن کیا یہ تو نبیوں کے مقابل پر بھی میدان میں اُتر آتا ہے خود آدم علیہ السلام کے بہشت سے نکلنے کا باعث یہی ابلیس ہوا۔ اور کوئی نبی ایسا نہیں جسے اس نے آڑے ہاتھوں نہ لیا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے نہیں بھیجا تیرے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی۔ مگر کہ جب اس نے خواہش کی تو شیطان نے اسکی خواہش میں کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔ سو اللہ مٹا دیتا ہے۔ وہ کچھ جو شیطان ملا دیتا ہے۔ الخ[۲۷] ابلیس خاتم النبیین کیساتھ بھی دو دو ہاتھ کرنے سے نہ رُکا۔ صحیح مسلم اور نسائی میں ہے۔ کہ اللہ کا دشمن ابلیس میرے مُنہ پر انگارہ پھینکنے کیلئے آدھمکا۔ میں نے تین بار اعوذ باللہ منک پڑھا۔ اور اسے کہا کہ کیا اللہ تم

[۲۱] و [۲۲] مشکوۃ۔ باب فی الوسوسہ۔ [۲۳] مشکوۃ باب فی الوسوسہ۔ [۲۴] مشکوۃ باب فی الوسوسہ۔

[۲۵] فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم نحل ۱۶-۹۸ [۲۶] وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ ایاتہ واللہ علیم حکیم۔ حج ۲۲-۵۲

نے تجھے نہیں پھٹکارا۔ مگر وہ ذرا نہ جھجکا ۔تین بار اسیطرح ہوا۔ پھر میں نے ارادہ کیا کہ اسے پکڑ لوں اور اگر ہمارے بھائی سلیمان نے دعا نہ کی ہوتی۔ تو وہ صبح بندھا ہوتا اور مدینہ کے لڑکے اسکے ساتھ کھیلتے ہوتے[1] مسلم۔ بخاری ۔ نسائی اور مسند احمد کی ایک اور روایت میں ابلیس یا شیطان کی بجائے عفریت کا نام آیا ہے ۔روایت یہ ہے ۔کہ ایک جن عفریت نے گذشتہ رات میری نماز روکنے کیلئے مجھ پر انگارا پھینکا ۔مگر اللہ کی مدد سے میں نے اس پر قابو پایا۔ اور اُسے مار ہٹا دیا۔ اور خیال کیا کہ اُسے مسجد کے کسی ستون کیساتھ باندھ دوں تاکہ تم سب صبح اسے دیکھو۔ پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی ۔کہ اے رب مجھے بخش اور مجھے ایسی بادشاہت دے جو میرے بعد کسی کو نہ ہو۔ سو اللہ نے اسے ناکام پھیر دیا[2] جن کی پیدائش آگ سے ہے ۔ اور انسان کی مٹی سے[3] ارواح خبیثہ جنوں سے بھی ہوتے ہیں بعض بے سمجھ اور دہریا خیال کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جن کوئی جداگانہ ہستی نہیں بلکہ وہ بھی طاقتور اور قوی ہیکل انسانوں کی ایک جماعت ہے ۔یہ خیال انکا بالکل غلط ہے ۔کلام ربانی ایسے خیال کی پر زور تردید کرتا ہے ۔ اور جس دن وہ ان سب کو اکٹھا کریگا۔ تو کہیگا اے جنوں کے گروہ ۔تم نے بہت سے انسان اپنے ساتھ ملائے ۔الخ[4] اگر جن انسان ہی ہوتے تو پھر جنوں کو خطاب کر کے یہ کسطرح کہا جا سکتا ہے ۔کہ تم نے بہت سے بنی آدم اپنے ساتھ ملائے۔ اسکے علاوہ قرآن میں جہاں کہیں بھی جن کا ذکر آیا ہے ۔ وہاں ساتھ ہی اکثر انسان کا نام بھی آیا ہے ۔جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے ۔کہ جن ایک جداگانہ ہستی ہے ۔ اور انسان جداگانہ[5] اگر جن اور انس ایک ہی چیز ہوتے تو پھر حق تعالیٰ یہ کبھی نہ کہتا ۔کہ میں نے جن اور انس کو نہیں پیدا کیا ۔ مگر اسلئے کہ وہ میری عبادت کریں ۔ اور

[1] منتخب جلد۴ ۔ ص ۲۸۸ ۔ [2] منتخب جلد۴ ۔ ص ۲۰۹ ۔ [3] خلق الانسان من صلصال کالفخار وخلق الجان من مارج من نار ۔ رحمن ۔ ۵۵ ۔ ۱۴ ۔ ۱۵ ۔ حجر ۔ ۱۵ ۔ ۲۶ ۔ ۲۷

[4] انعام ۔ ۶ ۔ ۱۲۹ ۔ یٰمعشر الجن قد استکثرتم من الانس الخ ۔

یہ بھی نہ کہتا کہ میں نے جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے پیدا کیا ۔ اور انسان کو خشک ٹھنکانے والی مٹی سے آگ مٹی سے لطیف ہوتی ہے ۔ اور ہر ایک شکل اختیار کر سکتی ہے ۔ اسلئے جن بھی ہر شکل اختیار کر سکتے ہیں ۔ اور جہاں چاہیں پہنچ سکتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو ایک جن نے کہا تھا کہ میں تھوڑے ہی وقت میں ملکہ سبا کا تخت جو کہ اس وقت سینکڑوں کوس دور پڑا تھا۔ لا سکتا ہوں۔ وہ اسوجہ سے تھا کہ شعلہ مارنے والی آگ سے پیدا ہوئی ہوئی مخلوق ایسے مافوق العادت کام کر سکتی ہے ۔ مگر چونکہ اس مٹی کے پتلے میں نور حق اور اللہ کی روح موجود ہے ۔اسلئے اگر انسان پاک ہو جائے ۔تو جن اسکے سامنے نہیں ٹھیر سکتا ۔ اور نہ انسان کی روحانی قوتوں کا مقابلہ کر سکتا ہے ۔حضرت رسالتمآب صلعم نے اسی لئے عفریت جن کو مار ہٹایا ۔ اور شیطان کو زیر کر لیا ۔یہ جن یہ شیطان جو انسان کے سر سوار ہوتا ہے ۔رسول برحق کی مدد کے بغیر نہیں دفع ہو سکتا ۔نفس بے لگام ابلیس سے رشتہ محبت جوڑ لیتا ہے ۔ اور اسکی ہواداری کا دم بھرتا ہے ۔رحمۃ للعالمین کی نظر رحمت ان دونو کو بیس ڈالتی اور ان کا کچھ مرنکال کر رکھ دیتی ہے ؎

رحمۃ للعالمینی بر معینے رحم کن

کز جہالت خویش را محکوم شیطاں ساختہ

۱۳ ـــ جب ابلیس لعین اور دیگر ارواح خبیثہ کی یہ طاقتیں اور قوتیں ہوں ۔ تو پھر انسان کامل کی طاقتیں کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے ۔کہ باطنی آنکھ کا وا ہونا۔ باطنی کان کا کھلنا۔ دل کا مورد القا بننا۔ روحانی قوی کا کمال ارتقا کو پہنچنا اخلاق کا اعلیٰ درجہ پاکیزہ ہونا ہر ایک بجائے خود ثبوت اس امر کا ہے ۔کہ مومن کا روحانی صعود کمال پر پہنچ چکا ہے ۔ اگر ہمیں معلوم ہو جائے ۔کہ فلاں شخص کی روحانی آنکھ کھل چکی ہے اور وہ دور دراز فاصلوں سے واقعات و اشیاء کا ملاحظہ کر سکتا ہے ۔ تو پھر یہ بات لازمی

[5] یٰمعشر الجن والانس ۔ رحمان ۔ ۵۵ ۔ ۳۳ ۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۔ الاٰیہ

ہے۔ کہ اسکی تمام روحانی قوتیں درجہ کمال کو پہونچ چکی ہوں۔ کیونکہ روحانی آنکھ کا دائرہ عمل اسوقت تک وسیع نہیں ہوسکتا۔ اور نہ وہ دور دور تک دیکھ سکتی ہے۔ جبتک کہ انسان کی باقی قوتیں بھی کمال ارتقاء کو نہ پہونچ لیں۔ اسلئے جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ جناب رسول اللہ صلعم یا کسی کامل مومن کی روحانی آنکھ دور دور کی چیزوں کا بآسانی ملاحظہ کر سکتی ہے۔ تو پھر ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اُن کے باقی قوی بھی غایت درجہ ترقی کر چکے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہی کہ رسول اللہ صلعم بنی نجار کے احاطہ میں اپنی خچر پر سوار تھے۔ اور صحابہ آپکے ساتھ تھے۔ خچر نے لغزش کھائی اور آپ گرنے لگے تھے۔ کہ ناگاہ پانچ چھ قبریں سامنے آئیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان قبر والوں کو کون جانتا ہے۔ ایک نے عرض کی۔ میں۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کیسے مرے عرض کی کہ شرک میں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی قبروں میں عذاب میں مبتلا ہیں۔ اور اگر مجھے عدم تدافن کا خوف نہ ہوتا۔ تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تمکو بھی وہ عذاب قبر سنوا تا جو میں سن رہا ہوں [1] الخ۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوت سماعت بھی ترقی پذیر ہو چکی تھی۔ اور آپ وہ وہ باتیں سنتے تھے۔ جو اور نہ سن سکتے تھے وحی آپکے دل پر اُترتی تھی۔ اور آپ اسے دل کے کانوں سے سنتے تھے۔ قرآن پاک میں ہے تو کہدے۔ کہ جو جبرائیل کا دشمن ہے۔ (وہ ہوا کرے)۔ وہ تو تیرے دل پر اسکے حکم سے اُتارتا ہے۔ وہ کلام جو اس سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اور مومنوں کیلئے ہدایت اور خوشخبری ہے [2] جسطرح نبیوں پر وحی اترتی ہے۔ اسی طرح کامل ولیوں کو الہام و القا ہوتا ہے۔ اور جسطرح نبیوں کے بعد یہ خرق عادت افعال معجزات کہلاتے ہیں۔ اسی طرح ولیوں کے ایسے افعال کرامات کہلاتے ہیں۔ حقیقت وہی ہے۔ فرق صرف نام کا ہے۔ نبی اور ولی دونو محقق ہیں۔ فرق صرف ذاتی منصب کا ہے۔ نبی تبلیغ پر مامور ہو کر مبعوث ہوتا ہے

[1] مشکوۃ باب عذاب قبر۔ [2] قل من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ مصدقا لما بین یدیہ وھدی وبشری للمومنین۔ بقرہ ۔ ۹۷۔ شعرا ۔ ۲۶۔

ولی کی یہ صورت لازمی طور نہیں ہوتی۔ نبی کا تعلق حق تعالیٰ سے براہ راست ہوتا ہے۔ ولی کا نبی کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ نبی پر وحی اُترتی ہے۔ ولی پر نہیں اُترتی۔ مگر دونو کی نظر حسن دوست پر ہوتی ہے۔ اور وہ حُسن پر جانثاری کا حق ادا کرتے ہیں ؎

کسیکہ حُسن رخ دوست در نظر دارد — محقق ست کہ او حاصل بصر دارد
کسے بوصل تو چوں شمع یافت پروانہ — کہ زیر تیغ تو ہر دم سرے دگر دارد

۱۴۔ جس کامل مومن کی باطنی آنکھ کھل جائے۔ اُس کے باطنی کان بھی کھل جاتے ہیں اور اُسے رموز و اسرار کا علم بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو علم غیب سے بھی کچھ نہ کچھ حصہ ملتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وہ غیب کا جاننے والا ہے وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ مگر اُس پر جسے وہ بحیثیت رسول چن لے۔ الخ [1] اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ منتخب رسولوں پر اپنا غیب کچھ نہ کچھ ظاہر کر دیتا ہے اور ایسا علم ضرور حاصل ہونا چاہیے۔ کیونکہ اسکے بغیر کمال روحانیت کا حصول ناممکن ہے۔ کلام مجید میں کچھ ایسی آیتیں بھی ملتی ہیں۔ جن سے علم غیب کی نفی مطلق طور ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تو کہدے کہ میں اختیار نہیں رکھتا اپنے لئے نفع کا اور نہ نقصان کا۔ مگر جو کہ اللہ چاہے۔ اور اگر میں غیب جانتا ہوتا۔ تو میں بہت سی بھلائی حاصل کر لیتا [2] ان آیات کو جن میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ غور سے پڑھنا چاہیے۔ ان سے صاف صاف ٹپک رہا ہے۔ کہ انسان سے عالم غیب ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ بات یہ ہے کہ "عالم غیب" مطلق طور حق تعالیٰ ہے۔ دوسرا کوئی بھی اس معنی میں عالم غیب نہیں ہوسکتا دوسرے "الغیب" کا لفظ استغراق کو چاہتا ہے۔ کیونکہ یہاں "ال" اسی غرض کیلئے آیا ہے

[1] عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا جن ۲۷-۲۶۔ و ۲- ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء۔ آل عمران ۔ ۱۷۹۔
[2] قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر وبشیر لقوم یومنون ۔ اعراف ۔ ۱۸۸۔ ولا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول انی ملک ۔ ھود ۔ ۳۱۔ انعام ۔ ۵۰۔

پس جو بھی اللہ کے علاوہ عالم الغیب ہوگا۔ وہ حق تعالیٰ کا مدمقابل ہوگا۔ حالانکہ حق تعالیٰ کی نظیر ممتنع ہے۔ پس کسی شخص کو بھی غیب کلی کا ایسا علم نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ خود حق تعالیٰ کو ہے۔ اس علم غیب میں خود حق تعالیٰ کی ذات وکُنہ کا علم بھی شامل ہے۔ جو صحیح معنی میں سوائے حق تعالیٰ کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور کنہ کا ایسا ہی علم حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کو ہے۔ تو پھر اسکا مطلب یہ ہوا کہ وہ انسان حق تعالیٰ پر حاوی اور محیط ہے۔ حالانکہ یہ محال مطلق ہے پس ظاہر ہے کہ کسی انسان کو مطلق طور پر غیب کا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی کو ایسا علم حاصل ہے۔ تو وہ ذات ربی ہے۔ اور بس۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ وہ کسی کسی انسان کو اپنے غیب سے کچھ نہ کچھ حصہ دیدیتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ انسان اب تمام علم غیب پر مطلق طور حاوی ہوا۔ درست نہیں اسکے علاوہ ایک بات اور بھی قابل غور ہے۔ اور وہ یہ کہ حق تعالیٰ کا علم ذاتی ہے۔ اور انسان کا عرضی۔ یعنی حق تعالیٰ کی ذات مقتضی اس بات کی ہے۔ کہ اُسے ایسا علم ہو لیکن انسان کی ذات اسبات کا تقاضا نہیں کرتی۔ کہ اسے بھی ایسا علم حاصل ہو۔ اُسے جو علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے حاصل و عارض ہوتا ہے۔ ذاتی چیز کا اعتبار ہو سکتا ہے۔ لیکن عرضی چیز کا کوئی اعتبار نہیں وہ آج ہے تو کل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم ایک ایسا کشف ہے جسکے ساتھ زماں ومکاں کو کوئی تعلق نہیں۔ وہ علم ازلی و ابدی ہے۔ انسان کا علم وقتی اور مقامی ہوتا ہے۔ اسلئے وہ زماں ومکان سے باہر نہیں جا سکتا پس فرق ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کسطرح کا عالم غیب ہے۔ اور انسان کسطرح کا۔ ایک لحاظ سے انسان سے علم غیب کی نفی کیگئی ہے۔ اور دوسرے لحاظ سے اس پر غیب کا ظاہر ہونا جائز رکھا گیا ہے۔ لیکن اس سے یہ بات ضرور ٹپک پڑتی ہے۔ کہ ایک کامل مرد کا علم بھی جبکہ اُس کی باطنی آنکھ اور باطنی کان کھلتے ہیں۔ وسیع تر ہو جاتا ہے۔ اور وہ

چھُپی چھُپی باتیں ظاہر کرنے۔ اور آیندہ ہونے والے واقعات کے چہرہ سے پردہ اٹھانے لگ جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک وقت مسلمانوں کو فتح مصر۔ فتح فارس اور فتح روم کی خوشخبری دی۔ صحیح مسلم اور مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم عنقریب مصر کو فتح کرو گے [1] صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رات کو دو خزانے خزانہ فارس کا اور خزانہ روم کا دیا [2] دوسری حدیث میں ہے۔ کہ مسلمانوں کی ایک جماعت بیت ابیض یعنی محل کسریٰ کو کھولیگی [3] جب رسول اللہ صلعم میدان بدر میں اُترے تو آپ نے صحابہ کو جنگ سے پہلے ہی کفار کی قتل گاہیں دکھا دی تھیں [4] اس قسم کا علم عیسٰی علیہ السلام کو بھی عطا ہوا تھا [5] کلام مجید میں علم لدنی سے بھی یہی غیر معمولی علم مراد لیا گیا ہے [6] ان پاک لوگوں میں اس روحانی ارتقاء کیوجہ سے اور بھی غیر معمولی قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ انکی پھونک اور تھوک بھی بلا کا اثر رکھتی ہے بخاری میں ہے کہ جنگ خیبر کے دن سلمہ بن الاکوع کی پنڈلی میں زخم آیا۔ تو وہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے تین پھونکیں ماریں۔ تو کوئی شکایت نہ رہی [7] بخاری ہی میں ہے کہ عبداللہ بن عتیک نے ابو رافع کو ہلاک کیا۔ مگر اندھیری رات کی وجہ سے وہ گر پڑا۔ اور اسکی پنڈلی ٹوٹ گئی تو وہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پنڈلی پر ہاتھ پھیرا۔ تو شکایت کافور تھی [8] ایسے کامل ترین ہستی سے ایسے معجزات کا صادر ہونا معمولی بات تھی۔ دیکھئے کتب احادیث کا باب معجزات۔ ایسی غیر معمولی قوت کے بل

[1] انکم ستفتحون مصر منتخب جلد ۴ ص ۲ فصل رابع فی المعجزات [2] منتخب جلد ۴ ص ۲۷۱ [3] منتخب جلد ۴ ص ۲۷۲ [4] فقال رسول اللہ صلعم ھذا مصرع فلان ویضع یدہ علی الارض ھھنا وھھنا۔ مسلم مشکوٰۃ باب فی المعجزات [5] وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم الخ آل عمران ۴۸۔ میں تم کو بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو۔ [6] فوجدا عبداً من عبادنا آتیناہ رحمۃ من عندنا وعلمناہ من لدنا علما کہف ۱۸-۶۵ [7] مشکوٰۃ باب المعجزات [8] مشکوٰۃ باب معجزات۔

ہر جونز کیہ سے پیدا ہوتی ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام مردے زندہ کرتے اندھوں اور کوڑھیوں کو درست کرتے۔ اور مٹی کے جانوروں میں جان ڈالدیتے تھے۔ فرقان مجید میں ہے۔ بالتحقیق میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کیطرف سے ایک نشانی لایا ہوں۔ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندہ کی صورت بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں۔ تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ اور میں اندھوں اور کوڑھیوں کو راضی کرتا ہوں۔ اور اسکی اجازت سے مردے زندہ کرتا ہوں۔ اور میں تمکو بتاتا ہوں۔ وہ جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو[1] اسی روحانی طاقت کیوجہ سے جن۔ ہوا پرند چرند سب حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرماں تھے[2] حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہا موم کیطرح نرم ہوجایا کرتا تھا[3] حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کی جدائی میں بینائی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ لیکن جب حضرت یوسف کی قمیص انکی آنکھوں پر ڈالی گئی۔ تو آپ کی آنکھوں میں پھر سے روشنی آگئی[4] جناب رسول اللہ صلعم نے معراج کی رات کو طے مکان اور طے زمان کیا۔ آپ نے آن کی آن میں مسجد حرام سے بیت المقدس کا دور دراز فاصلہ طے کیا۔ آن کی آن میں آسمانوں کے بیچوں بیچ گذرے ہر آسمان پر پیغمبروں سے ملے۔ اور زمینوں آسمانوں کے رموز و اسرار معائنہ کئے[5] جمہور مومنین کا ایمان ہے۔ کہ یہ معراج آپ نے جسم اطہر کیساتھ کیا۔ غور کرنا چاہیئے کہ ایک پاک ہوا ہوا انسان کیا کیا دیکھ اور سن سکتا ہے۔ اسی لئے ما زاغ البصر وما طغیٰ کا فرمان۔ آپکی شان میں آیا ہے۔ جو کچھ راز و نیاز درگاہ حضوری میں ہوئے

---

[1] انی قد جئتکم بایۃ من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ۔ وابری الاکمہ والابرص واحی الموتیٰ باذن اللہ وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم۔ آل عمران ۴۸ [2] ولسلیمان الریح غدوھا شہر ورواحھا شہر واسلنا لہ عین القطر ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ ومن یزغ منھم عن امرنا نذقہ من عذاب السعیر سبا ۴-۳-۱۲۔ نمل ۲۷-۱۵ تا ۱۵۔ انبیاء ۲۱-۱۰ [3] ولقد اٰتینا داود منا فضلا یجبال اوبی معہ والطیر والنا لہ الحدید۔ سبا ۲۳-۱۰ [4] فلما ان جاء البشیر القہ علی وجھہ فارتد بصیرا۔ یوسف ۱۲-۹۶ [5] سبحن الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ الخ بنی اسرائیل ۱۷-۱۔

اسکا حال کسی کو معلوم نہیں۔ بلکہ اس پر خفا کا پردہ ڈالدیا گیا ہے۔ ملکہ سبا کا قصہ مشہور و متعارف ہے۔ اسکا تخت سینکڑوں کوس دور تھا۔ ایک ولی نے آن کی آن میں لاکر سامنے رکھ دیا۔ ایک جن نے کہا تھا کہ میں تھوڑے ہی وقت میں لاسکتا ہوں۔ مگر ایک پاک ہوے ہوئے مومن یعنی ولی نے چشم زدن میں لاکر رکھ دیا۔ فرقان مجید میں ہے۔ ایک جن عفریت نے کہا کہ میں اسکو لاسکتا ہوں پہلے کہ تو اپنی اس جگہ سے اٹھے۔ اور کہ میں بالتحقیق قوی امین ہوں۔ اسنے جسکے پاس کتاب کا علم تھا کہا کہ میں اسے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے تیرے پاس لاسکتا ہوں سو جب اسنے (سلیمان نے) اسے اپنے پاس موجود پایا۔ تو اس نے کہا یہ اللہ کے فضل سے ہے[1] ترمذی اور مسند احمد میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلعم کو تجلی ہوی۔ اس تجلی کیوجہ سے سب چیزیں کائینات کی آپ پر منکشوف ہوئیں۔ اور آپکو معرفت حاصل ہوئی۔ الفاظ اس حدیث میں یہ وارد ہوئے ہیں۔ فتجلی لی کل شئ وعرفت[2] ترمذی اور دارمی کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ فعلمت ما فی السموات والارض وتلا کذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین[3] گویا کامل مومن کو کشف قبور۔ کشف ملکوت کشف قلوب۔ اور کشف لاہوت ہوتا ہے۔ جسکی وجہ سے نبی سے معجزات اور ولی سے کرامات ظاہر ہوتے ہیں۔ یہی کشف دوسرے لفظوں میں باطنی آنکھ اور باطنی کان کا کھلنا کہلاتا ہے۔ اور اسی سے اُسے علم غیب کا بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ اس علم لدنی اس علم کشفی کا راز کامل متشرع مومن سے نہیں کھلتا۔ بلکہ وہ اسے چھپائے رکھتا ہے۔ یہ راز اگر کھلتا

---

[1] قال عفریت من الجن انا آتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک وانی علیہ لقوی امین۔ قال الذی عندہ علم من الکتاب انا آتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما رآہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی الخ۔ نمل ۲۸-۳۹ تا ۴۰ [2] امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور کہ میں نے امام محمد بن اسمٰعیل سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے مشکوٰۃ باب مساجد۔ ص ۵۶ [3] مشکوٰۃ باب مساجد۔ ص ۵۴

ہے۔ تو سرمست قلندرانہ اور مجذوبانہ رندسے ؎

راز دادن پردہ زرنداں مست پرس — کیں حال نیست صوفی عالی مقام را

یہ سرمستی اور مجذوبیت اس وقت آلیتی ہے۔ جبکہ عارف کی باطنی آنکھ کھلتی اور اسرار کا معائنہ کرتی ہے ؎

عارفے کو سیر کرد اندر مقام نیستی — مست شد چوں ہستی او از عالم اسرار داشت

اس سرمستی اور اس عالم اسرار سے منکران شان رساکت کو کیا سروکار

خواجہ اجمیری کیا خوب فرماتے ہیں ؎

ایں رازکہ من دارم باکس نتواں گفتن — سوز دل عاشق را باخس نتواں گفتن

سِرِّ غم عشق را باخلق معیں کم گو! — احوال سلاطیں را باکس نتواں گفتن

یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ ؎

سرِ غم عشق بوالہوس را ندہند — سوز دل پروانہ مگس را ندہند

مدتے باید کہ یار آید بکنار — سرِ ایں دولت ہمہ کس را ندہند

۱۵۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ روح کی یہ طاقتیں اس وقت تک کچھ مقید رہتی ہیں جب تک کہ روح جسم انسانی کے اندر موجود رہتی ہے۔ اور جب یہ روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے۔ تو پھر یہ تمام قیود اس سے اُٹھ جاتی۔ اور روح اپنی پوری قوت کیساتھ کارفرما ہوتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ روح کو دنیا جہاں کے رہنے والوں کے سامنے ان کے اظہار کا بہت کم موقعہ ملتا ہے۔ یا یہ کہ ان قوتوں کے اظہار پر ہمکو واقفیت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہمارے اور اسکے درمیان برزخ کی ایک اور دنیا حائل ہے[1] مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ روح کی یہ ساری قوتیں انسان کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی کافور ہو جاتی ہیں۔ اسکے لئے بھی آپ سند چاہینگے۔ مگر ہم آپکو یہ کہے دیتے ہیں۔ کہ

[1] ومن وراءھم برزخ الی یوم یبعثون۔ مومنون۔ ۲۳۔ ۱۰۰۔

حقیقت حال آپکو اسی وقت کھُلیگی۔ جب آپ اُس دنیا میں پونچ جائینگے۔ لیکن پھر بھی ہم آپکو یہ بتا دیتے ہیں۔ کہ یہ غیر معمولی قوتیں اربعہ عناصر کو حاصل نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ اگر یہ قوتیں آگ۔ ہوا۔ پانی۔ یا مٹی کو حاصل ہوتیں۔ تو پھر ہر ایک دہریہ اور فلاسفران کمالات سے آراستہ و پیراستہ ہوتا۔ مگر یہ تو روح کی قوتیں ہیں۔ جو رسول اللہ صلعم کی دعا اور سالک کی ذاتی جد و جہد سے کمال ارتقاء کو پہنچتی ہیں۔ اور جب مرے پیچھے روح زندہ ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہ قوتیں بھی اسکے ساتھ دائم و قائم نہ ہوں اور یہ قرین قیاس بھی نہیں کہ جس کمال کے حاصل کرنے کیلئے اسقدر جد و جہد کیگئی ہو وہ اس دنیا سے رخصت ہونے کیساتھ ہی رخصت ہو۔ بالخصوص جبکہ اس کمال کا ظرف یعنی روح زندہ اور موجود ہے۔

۱۶۔ اس سلسلہ میں اس نظام کائنات کو بھی زیر نظر رکھنا ضروری ہے۔ جنکے تحت یہ سارا سلسلہ دین و دنیا کا چل رہا ہے۔ حق تعالیٰ کی دو مشہور صفتیں ہیں الہادی اور المضلّ۔ ھادی کا مظہر اتم خاتم النبیین ہیں۔ اور مُضِلّ[2] کا مظہر ابلیس یا شیطان۔ مظہر ھادی کو جسقدر روحانی طاقتیں عطا ہو سکتی تھیں۔ عطا کی گئیں۔ اس مظہر اتم کے ماتحت اور بھی مظاہر ھادی کے ہیں۔ اور وہ دوسرے نبیوں اور ولیوں کی روحیں ہیں انکو بھی اپنی اپنی قابلیت اور صلاحیت کے مطابق روحانی طاقتیں عطا ہوئیں اور ہوتی ہیں۔ دوسری طرف مظہر اتم ضلال کا ہے۔ اور وہ شیطان ہے۔ اسکو بھی کچھ طاقتیں حاصل ہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ مگر اُسکی مظہر ہدایت کے آگے کچھ پیش نہیں جاتی۔ اور وہ خاتم النبیین یعنی مظہر المظاہر ہدایت سے دبکے رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سوتے میں بھی آپ کی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ صحیحین کی روایت میں ہے[3] گو کہ اسکو کچھ طاقتیں

[2] یہ اسم غیر توفیقی ہے۔ جو اضلال سے مشتق ہے۔ ومن یضلل اللہ فما لہ من ہاد۔ زمر۔ ۳۶

[3] فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی متفق علیہ۔ مشکوٰۃ کتاب الرؤیا

حاصل ہیں مگر ہادی کا مظہر اتم اس پر غالب ہے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی ہوتی ہے ذریات شیطان اور خبیث روحیں جو ابلیس کے زیر اثر کام کرتی ہیں ۔ القا کے مقابلے میں بھی رسول اللہ صلعم کے بالمقابل آسمان پر چڑھ جاتی ہیں ۔ اور آسمانوں میں پونچکر وہاں کی خبریں چرالاتیں ۔ اور کاہنوں اور دیگر اولیاء شیطان تک پہنچاتی ہیں ۔ اسطرح کہانت کو نبوت کے مدمقابل لاکر کھڑا کر دیا جاتا ہے ۔ انسان مٹی سے بنا ہے ۔ اسلئے اسکو عناصر اربعہ کے ذریعہ اذیت پونچائی جاسکتی ہے ۔ شیاطین جن آگ سے پیدا کئے گئے ہیں انکی فطرت چونکہ آتشی ہے ۔ اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ انکو باقی عناصر ثلاثہ سے کم اذیت پونچتی ہے ۔ ان کو اذیت اکثر حالات میں آگ کے ذریعہ پونچتی ہوگی ۔ اسی لئے جب جنات اور خبیث روحیں آسمانوں کیطرف خبریں حاصل کرنے کیلئے پرواز کرتی ہیں ۔ تو اُن پر انگارے پھینکے جاتے ہیں ۔ جنکو رجمًا للشیاطین کہتے ہیں صحیح بخاری میں ہے ۔ کہ فرشتے جب اُن باتوں کا ذکر کرتے ہیں ۔ جو آسمان میں طے ہوئی ہوتی ہیں ۔ تو شیاطین چوری چوری وہ خبریں سن پاتے ہیں اور کاہنوں تک پونچا دیتے ہیں ۔ کاہن اپنی طرف سے کئی جھوٹ ملا کر اُنہیں بیان کرتے ہیں [۱] اس مضمون پر ترمذی مسلم اور مسند احمد میں بھی حدیثیں موجود ہیں [۲] مسلم ترمذی اور مسند احمد میں الفاظ فیقذفون الی اولیاءھم آئے ہیں ۔ کاہن ان شیاطین اور جنوں کے دوست ہوتے ہیں ۔ ان کو دوسرے لفظوں میں اولیاء شیطان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ اولیاء شیطان جنوں سے بھی ہوتے ہیں ۔ اور انسانوں سے بھی ۔ تو گویا یہ سمجھئے کہ کائینات میں جہاں ایک طرف ہدایت کا نظام قائم ہے ۔ وہاں دوسری طرف ضلالت کا نظام بھی قایم ہے ۔ لیکن چونکہ حق تعالیٰ کو ہدایت پسند ہے ۔ اسلئے حق و ہدایت کا بول بالا ہوتا رہا اور رہیگا ۔ ابلیس یا شیطان کو جو تمام مظاہر مُضِل کا سردار ہے ۔ یہ مافوق العادت اور غیر معمول قوتیں قیامت تک حاصل رہینگی ۔ لیکن اس کے مقابل پر یہ خیال کیا جاتا ہے

[۱] منتخب جلد ۳ ۔ ص ۷۴ ۔ فصل فی الکہانت والعرافتہ [۲] منتخب جلد ۳ ۔ ص ۷۴ ۔

کہ جناب رسول اللہ صلعم کو اور انکے دوستوں کو یہ طاقتیں صرف چند روزہ زندگی میں حاصل ہوتی ہے ۔ اور اسکے بعد یہ تمام روحانی قوتیں اُن سے سلب کر لی جاتی ہیں ۔ اس قسم کا نظام کائینات معقولیت سے کوسوں دور ہے ۔ کیونکہ اسکا مطلب تو یہ ہے ۔ کہ مظہر اضلال کا دور دورہ رہتی دنیا تک ہے ۔ اور مظہر ہدایت کا زندگی کے صرف چند دنوں کیلئے جو کسی طرح بھی جائز نہیں ۔ اسلئے جہاں یہ ضروری ہے کہ ضلالت کا مظہر اتم اپنے تمام سازو سامان کیساتھ تا قیامت عمل پیرا ہے ۔ وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ ہدایت کا مظہر اتم قیامت تک اپنے فرائض ادا کرتا رہے ۔ بلکہ ہدایت کا مظہر تم تو قیامت کے دن بھی کار فرما ہو کر تمام شیطانی قوتوں کے نیست و نابود کر دینے میں کامیاب ہوگا ۔ اسلئے ضروری ہے کہ خاتم النبیین کی روحانی قوتیں اور طاقتیں جنکے بل پر آپ شیطانی قوتوں کا تاقیامت مقابلہ کرینگے ۔ ہمیشہ آپ کی روح اطہر کے ساتھ رہتی رہیں اور رہینگی ۔ اس حقیقت کو وہی لوگ پاسکتے ہیں ۔ جو زندہ دل ہوں ۔ مردہ دلوں کو اس سے کیا سروکار ۔

زرو ئے دوست دل دشمناں چہ دریابد   چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا

۷ ا ۔ سورہ عنکبوت میں ہے کہ نہیں یہ دنیا کی زندگی مگر کھیل کود ۔ اور تحقیق دار آخرت ہی زندگی ہے ۔ کاش کہ یہ جانتے [۱] ارباب دانش و بینش کیلئے غور کا مقام ہے ۔ کہ اس زندگی کو جس میں سالک روحانی کمالات حاصل کرتے ہیں کھیل کود سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ اور آخرت کی زندگی ہی ...... صحیح معنے میں زندگی قرار دی گئی ہے ۔ حق تعالیٰ کے اس فرمان واجب الاذعان کا مطلب تو یہ ہے ۔ کہ اس دنیا کی زندگی آخرت کی زندگی سے لگا نہیں کھا سکتی ۔ کیا بلحاظ نعمت و بخششیں کے جس سے مومن اس زندگی میں سرفراز ہونگے ۔ کیا بلحاظ روح کی آزادی کے کیا بلحاظ روحانی کمالات کے اور کیا بلحاظ دیدار حق تعالیٰ کے جو مومنوں کو جنت میں نصیب ہوگا ۔ اسلئے بھی ضرور ہے کہ روح کے وہ تمام کمالات جو سالک نے اس مزرعۃ الآخرۃ میں حاصل کئے

[۱] ما ھذہ الحیوۃ الدنیا الا لھو و لعب و ان الدار الاخرۃ لھی الحیوان ۔ لو کانوا یعلمون عنکبوت ۲۹ ۔ ۶۴ ۔

ہوں - حیات ابدی اُخروی میں اسکے ساتھ رہیں - ورنہ قرآن کی اس آیت کا معنی کہ جو یہاں اندھا ہے - وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستہ سے بہت بھٹکا ہوا ہوگا[1] قایم نہیں رہتا - پس ظاہر ہے - کہ جسکے دل کی آنکھ یہاں کھلی رہیگی اسکے دل کی آنکھ وہاں بھی کھلی رہیگی اور جسکے دل کی آنکھ یہاں بند رہیگی اسکے دل کی آنکھ وہاں بھی بند رہیگی - قرآن میں جو کہیں کہیں دل کے اندھاپن یا دل کی روشنی کیطرف اشارہ کیا گیا ہے - وہ اسی دل کی آنکھ کیطرف اشارہ ہے - آنکھیں تو اندھی نہیں ہوتیں - بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں - جو سینوں کے اندر ہیں[2] دل کی آنکھ کے کھلنے سے عبارت یہ ہے - کہ سالک کو ضیا باطنی اور معرفت تامہ حاصل ہو چکی ہو - اس ضیا اور معرفت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالک کے دل کی آنکھ دل کے کان اور دیگر باطنی جوارح سارے کے سارے اپنے اپنے دائرہ عمل میں پوری طاقت کیساتھ جادہ پیما ہوتے ہیں - اور جب قرآن کھلے بندوں اس بات کا اعلان کرتا ہے - کہ جو یہاں اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا ہے - تو پھر اسکا مطلب یہ ہے کہ جو یہاں اہل بصیرت ہونگے وہ وہاں بھی ہونگے - بصیرت ان تمام روحانی کمالات پر مشتمل ہے جو ایک سالک کو حاصل ہو سکتے ہیں - اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس سالک کی روح کو یہ قوتیں اس دنیا میں حاصل ہونگی اسکو یہ قوتیں اُس دنیا میں بھی حاصل رہینگی - قیامت کے دن جو نور اور روشنی مومنوں کے فرش راہ ہوگی - وہ انکی باطنی ضیا کا ہی عکس ہوگا[3] نبیوں ولیوں اور مومنوں سے وعدہ کیا گیا ہے - کہ انکو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا - کچھ چہرے اسدن روشن ہونگے - اپنے پروردگار کیطرف دیکھتے ہونگے[4] صحیحین میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جس طرح کہ تم اس چاند کو دیکھتے ہو[5] جن کی آنکھیں

[1] ومن کان فی هذه اعمی فهو فی الاخرة اعمی واضل سبیلا - بنی اسرائیل ۱۷-۷۲ - [2] افلم یسیروا فی الارض فیکون لهم قلوب یعقلون بها او اذان یسمعون بها فانها لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور حج - ۲۲-۴۶ - [3] یوم تری المومنین والمومنات یسعی نورهم بین ایدیهم وبایمانهم - حدید - ۵۷ - ۱۲ - [4] وجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة - قیامت ۷۵ - ۲۲ و ۲۳ [5] مشکوة باب رویة الله - صحیحین -

اس دنیا میں اندھی ہونگی - اور انکو باطنی ضیا حاصل نہ ہوگی - وہ حق تعالیٰ کا چہرہ قیامت کے دن نہ دیکھ سکینگے - اسلئے بھی ضروری ہے - کہ جنکی باطنی آنکھیں یہاں کھلی ہونگی انکی وہاں بھی کھلی ہونگی - ورنہ وہ حق تعالیٰ کو نہ دیکھ سکینگے - کافر مشرک - اور منافق تو حق تعالیٰ کو بالکل نہ دیکھ سکینگے - عامہ مومنین اپنی قابلیت کے مطابق اُسکا دیدار کر سکینگے - خواص مومنین یعنی کامل اولیاء اور انبیاء اس کا دیدار پوری طرح کرینگے - کیونکہ انکے دل کی آنکھیں دنیا میں پوری طور کامل چکی ہونگی - صحیح بخاری میں ہے کہ جب کسی مومن سے اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے تو اسکا ہاتھ پاؤں آنکھ کان وغیرہ بن جاتا ہے - اور اگر وہ کچھ مانگے تو اُسے دیتا ہے[1] گویا کامل مومن اور نبی کا سوال عام طور رد نہیں کیا جاتا - اسیطرح جنت میں کامل مومنوں اور نبیوں کیلئے سب نعمتیں اور جو کچھ بھی وہ چاہینگے - مہیا ہوگا - اور ان کی کسی خواہش و آرزو کا خون نہ ہوگا - کامل مومنوں کی روحیں دنیا سے لوٹ جانے کے بعد آزادی سے پھرینگی - اور جنت میں بھی جائینگی ابن ماجہ - طبرانی اور شعب الایمان بیہقی میں ہے کہ مومن کی جان جنت میں جہاں چاہتی ہے پھرتی ہے[2] جسطرح کامل مومنوں کی روحوں کو اس دنیا میں طے مکاں و زماں کی طاقت حاصل ہوتی ہے اسیطرح انکو یہ طاقت بلکہ اس سے بھی زیادہ طاقت برزخ اور جنت میں حاصل ہوتی ہے - کامل مومنوں کی قوت ادراک قوت دیدہ اور قوت سمع اس دنیا میں بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے وفات کے بعد بھی اُن کی یہ قوت اسی طرح قایم رہتی ہے - بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ جاتی ہے - صحیحین میں ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور لوگ واپس جانے لگتے ہیں - تو میت انکے جوتوں کی کھڑکھڑاہٹ تک جسے عربی میں خفق نعال سے تعبیر کرتے ہیں سنتی ہے[3] یہ تو عام موتیٰ کا حال ہے - خواص مومنین کا حال اس سے بھی تر ہوتا ہے - یہ بھی حدیث میں ہے - کہ جو کوئی مسلم اپنے بھائی کی قبر کے پاس سے گذرے - تو وہ اسے پہچانتا ہے[4] مسند احمد اور اوسط طبرانی میں ہے - نبی صلعم نے فرمایا کہ میت اسکو پہچانتی ہے جو اسے نہلاتا - اٹھاتا کفن

[1] مشکوة باب ذکر الله - [2] مشکوة باب عذاب قبر - [3] شرح الصدر سیوطی - ص - ۳۹ -

میں لپیٹتا ہے۔ اور لحد میں داخل کرتا ہے [1] بخاری میں ہے کہ جب میت تابوت میں رکھی جاتی ہے اور لوگ اسے گردنوں پر اٹھاتے ہیں۔ تو اگر وہ صالح ہو تو کہتی ہے کہ مجھے جلدی لے چلو۔ اور اگر صالح نہ ہو۔ تو کہتی ہے۔ اے افسوس! مجھے کہاں لئے جاتے ہو [2] اس سے ظاہر ہے کہ کافروں کی میتوں کیلئے بھی ایک طرح کا بڑھا ہوا ادراک وسماع ثابت ہے۔ جسکی حقیقت ہمارے ادراک سے بالاتر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب بدر کے دن صناوید قریش تہ تیغ ہوئے۔ تو رسول اللہ صلعم نے اموات [3] کفار کیطرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ وہ ہم نے سچا پایا۔ کیا تم نے بھی سچا پایا۔ جسکا وعدہ تم سے ہمارے پروردگار نے کیا تھا حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ اجسام بلا روح نہیں سنتے۔ نبی صلعم نے فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے جو کچھ کہ میں ان سے کہہ رہا ہوں۔ اُسے وہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں۔ یہاں قتادہ نے کہا کہ اللہ نے انکو زندہ کیا۔ حتیٰ کہ انکو سنایا حضرت عائشہ رضؓ نے بھی اس حدیث کے متعلق اعتراضاً کہا ہے۔ کہ یسمعون کی جگہ یعلمون کہا گیا ہوگا۔ اور آپ نے آیت انك لا تسمع الموتی وما انت بمسمع من فی القبور بھی پڑھی ہے [4] اس مسئلہ سماع موتیٰ کی مختلف صورتیں یہ ہو سکتی ہیں۔

اول ۔ اموات کو بالاستقلال بلا ارواح قوت سماع وغیرہ حاصل ہوتی ہے۔

دویم ۔ اموات کو ارواح کے بل پر قوت سماع وغیرہ حاصل ہوتی ہے۔

سویم ۔ اموات کو قوت سماع وغیرہ بالکل حاصل نہیں۔ حق تعالیٰ جس میت کو چاہتا ہے سنواتا ہے۔

امر اول ۔ علامہ ابن قیمؒ نے ایک عمدہ کتاب لکھی ہے۔ جسکا نام کتاب الروح ہے۔ ارواح کے تفصیلی حالات اگر کوئی دیکھنا چاہے۔ تو کتاب مذکور پڑھے۔ اس کتاب میں علامہ لکھتے ہیں۔ کہ رُوح کو بدن کیساتھ پانچ طرح کا تعلق ہوتا ہے۔ اول تعلق روح کا بدن سے

[1] شرح الصدر سیوطی [2] بخاری جلد اول ص ۱۷۶۔ کتاب الجنائز [3] بخاری جلد ۲ ص ۵۶۶ ۔ ۵۶۷۔ باب قتل ابی جہل

جنین کی حالت میں۔ دویم پیدا ہونے کے بعد دنیا میں۔ سویم نیند کے وقت۔ چہارم برزخ میں پنجم حشر کے دن۔ نیند کے وقت روح بدن سے ایک طرح جدا ہو جاتی ہے۔ اور ایک طرح بدن کیساتھ رہتی ہے۔ برزخ میں اگرچہ روح بدن سے جدا ہوتی ہے۔ مگر یہ جدائی پوری جدائی نہیں۔ یہاں بھی روح کو بدن سے ایک گونہ تعلق باقی رہتا ہے" [1] میرا بھی یہی خیال ہے۔ کہ وفات کے بعد بھی روح کو بدن کیساتھ ایک عجیب طرح کا تعلق باقی رہتا ہے جس تعلق کیوجہ سے سماع موتی وغیرہ واقع ہوتا ہے۔ اگر روح بدن سے بالکل جدا ہو جائے۔ تو پھر مردے سن سکتے نہ کچھ بول سکتے ہیں۔ یہ روح کے تعلق کا ہی ایک کرشمہ ہے کہ مردے سنتے اور بولتے ہیں۔ پس مردے اسلئے سنتے ہیں۔ کہ روح کا بدن کیساتھ موت کے بعد بھی برزخ میں ایک ایک طرح کا تعلق باقی رہتا ہے۔

امر دوئم ۔ بالکل درست ہے جیساکہ امر اول میں اسکی تشریح کیگئی ہے

سوئم ۔ امر اول کے متعلق جو رائے قائم کی گئی ہے۔ اسکی وجہ سے اس کا ص اب غیر ضروری ہے۔ جب روح کا ایک گونہ تعلق بدن سے برزخ میں بھی قائم رہتا ہے۔ تو پھر سماع موتیٰ بھی اسی تعلق کیوجہ سے رونما ہوتا ہے۔ آیت قرانی وما انت بمسمع من فی القبور کی نسبت علامہ ابن قیمؒ کی یہ رائے ہے۔ کہ اس کافر کو جس کا دل مردہ ہے۔ یہ قدرت حاصل نہیں کہ اس طرح سے سنے کہ اس سے اُسے کچھ فائدہ ہو۔ جیساکہ اہل قبور ایسے سننے پر قدرت نہیں رکھتے۔ جس سے وہ فائدہ حاصل کر سکیں لیکن حق تعالیٰ کا یہ منشا ہرگز نہیں کہ اصحاب قبور بالکل نہیں سن سکتے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ رسول اللہ صلعم نے خبر دی ہے۔ کہ مردے چلنے والے کی جوتیوں کی آہٹ تک سنتے ہیں۔ اور آپ نے یہ بھی خبر دی ہے۔ کہ بدر کے مقتولوں نے آپ کا کلام اور خطاب سنا اور آپ نے یہ مشروع رکھا ہے۔ کہ اُن کو اُس صیغہ سے سلام کیا جائے جو حاضر سننے والے کیلئے موضوع ہے۔ اور آپ نے

[1] دیکھو مسئلہ سادسہ ص ۶۷۔ کتاب الروح۔

یہ خبر دی ہے کہ جو اپنے بھائی پر سلام بھیجے وہ اسکے سلام کا جواب دیتا ہے۔ یہ آیت دوسری آیت۔ انت لا تسمع الموتیٰ ولا تسمع الصم الدعا اذا ولوا مدبرین کی نظیر ہے۔ اسماع موتیٰ کی نفی کیساتھ اسماع صم کی نفی اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ ہر ایک کو سماع کی اہلیت نہیں اور کر انکے دل جب مردے اور بہرے ہیں۔ تو ان کا سننا ممتنع ہے۔ جیسا کہ مردے اور بہرے کا سننا ممتنع ہے۔ یہ درست ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ موت کے بعد ارواح تو کبھی نہیں سن سکتے کیونکہ موت کے بعد روح کو بدن سے ایک گونہ تعلق باقی رہتا ہے۔ اور اللہ اس بات کو بہتر جانتا ہے[1] پس یہ بات درست ہے کہ روح کو موت کے بعد بدن کیساتھ ایک ایسا تعلق باقی رہتا ہے جسکی وجہ سے سماع موتیٰ واقع ہوتا ہے۔ اس تعلق کو ہم یہاں رہ کر نہیں سمجھ سکتے۔ یہ تعلق برزخ میں پہنچکر ہی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اوپر کی حدیثوں سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ عالم برزخ میں اموات کو جبکہ اُن کا تعلق ارواح سے کچھ باقی رہتا ہے۔ ایسی قوتیں سماع و ادراک اور دید کی حاصل ہو جاتی ہیں۔ جو کہ اس دنیا میں عامۃ الناس کو حاصل نہیں ہوتیں۔ نعش زمین کے اندر پیوست ہوتی ہے۔ اور اسکے اکناف و اطراف فوق و اسفل مٹی سے اٹے ہوتے ہیں۔ پھر بھی میت جوتیوں کی آہٹ تک سن پاتی ہے۔ جب عالم برزخ میں موتیٰ کی یہ حالت ہو تو پھر وہاں ارواح کی حالت اور بھی محیر العقول ہوگی۔ روحیں کروڑوں میلوں کا سفر آن کی آن میں طے کرتیں۔ اور جنتوں میں پھرتی ہیں۔ گویا کہ ان کو دنیا سے رخصت ہونے کیساتھ ہی طے زماں اور طے مکان کی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ تو عام مومنین کی روحوں کی حالت ہے۔ خواص مومنین اور نبیوں کی ارواح کی حالت اس سے بھی قوی تر ہوتی ہے پس اس ساری تقریر کا لب لباب یہ ہوا کہ روح کو جو قوتیں اس مزرعۃ الآخرۃ میں اپنی ذاتی جد وجہد اور نبی صلعم کی دعا تزکیہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس سے عالم برزخ میں

[1] موتیٰ کے احساس و ادراک کے متعلق دل کی حدیثیں بھی دیکھ لیجئے۔ مالک سے ابوداؤد۔ اور ابن ماجہ میں ہے کسر عظم المیت ککسرہ حیاً مسند احمد میں ہے لا تؤذوا صاحب ھذا القبر باب فی المیت عکاکتاب الروح ص ۷۰

جدا نہیں ہوتیں۔ بلکہ اُن میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ جو جو باتیں روحوں کو جسموں کی وجہ سے سدراہ ہوتی ہیں۔ وہ عالم برزخ میں دور ہو جاتی ہیں۔ قرآن کی آیت انک میت وانھم میتون[1] سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ نبیوں اور مومنوں کی روحانی قوتیں مرنے کے بعد سلب ہو جاتی ہیں۔ اس آیت سے اشارہ کل نفس ذائقۃ الموت کیطرف ہے۔ اور بس۔ حقیقت یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ کا نور مومن کے آئینہ دل میں اترآتا ہے۔ تو اسکا دل اللہ کا عرش بنتا۔ اس میں منظر چراغاں جمتا۔ اور اسکا ساغر دل شراب عشق اور جدائی معرفت سے پر ہوتا ہے۔ ایسے دل میں وجہ اللہ کا عکس پڑتا اور ایسے دل والا تجلی ذاتی سے سرفراز ہوتا ہے۔ ؎

ما در پیالہ عکس رُخ یار دیدہ ایم اے بے خبر ز لذت شُرب مُدام ما

ایسا دل ایسا روح اللہ کیساتھ ہوتا۔ اللہ کیساتھ رہتا۔ اور ابدی حیات حاصل کرتا ہے رسول اللہ صلعم کا جب وصال ہوا۔ تو صحابہ نے کہا کہ آپکی روح کو اوپر لے گئے ہیں۔ جیسا کہ موسیٰ کی روح کو لے گئے تھے۔ اور حضرت عمر رضہ خطبہ دینے اور کہنے لگے۔ کہ رسول اللہ صلعم نہیں مرے ہیں۔ بلکہ آپکی روح کو اوپر لے گئے ہیں۔ حضرت عباس بولے کہ رسول اللہ صلعم فوت ہو چکے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے۔ کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو چپ کرایا۔ اور منبر پر چڑھے۔ اور حمد و ثنا کے بعد یہ آیتیں پڑھیں انک میت وانھم میتون۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جو محمد کی عبادت کرتا تھا۔ سو محمد تو فوت ہو چکے۔ اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اس کیلئے اللہ زندہ ہے۔ جو کبھی نہیں مرتا۔[2] اس واقعہ میں دو نظریوں کا صاف اظہار ہے۔ ایک نظریہ تو یہ کہ رسول اللہ صلعم باوجود فوت ہونیکے زندہ ہیں۔ اور یہ بالکل درست ہے۔ کیونکہ وفات پر صرف اسقدر ہوتا ہے۔ کہ روح جسم سے جدا ہوتی ہے۔ لیکن روح ہمیشہ

[1] تو بھی فوت ہونے والا ہے۔ اور وہ بھی فوت ہونے والے ہیں۔ زمر۔ ۳۹-۳۰

[2] منتخب جلد ۳۔ ص ۱۱۸ و ۱۱۹۔

زندہ رہتی ہے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ہر ایک بشر نے موت کے منہ میں جاتا ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ اس کے مطابق رسول اللہ صلعم بھی فوت ہوئے۔ یہ دونو نظریات ایک دوسرے کے متضاد نہیں۔ بلکہ ہر ایک نظریہ اپنی اپنی بصیرت افروز حقیقت کا اعلان کرتا ہے۔ ایک نظریے کا اعلان تو حضرت عمر نے اپنے خطبے میں فرمایا۔ اور دوسرے نظریے کا اعلان حضرت ابوبکر و حضرت عباس نے فرمایا۔ پس یہ دونو نظرے اپنے اپنے نقطۂ نگاہ سے درست ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ روح نبوی اپنی تمام طاقتوں کیساتھ زندہ ہے۔ اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع تھا۔ جیسا کہ حضرت عمر کے عمل سے ثابت ہوتا ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تزکیہ کے ذرائع

۱۸ — سب سے پہلے یہ بات تصفیہ طلب ہے کہ یہ تزکیہ کام کس کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یا رسول کا۔ یہ مضمون تحقیق طلب ہے۔ ذرا غور سے سنیں حقیقت میں یہ کام تزکیہ کا اللہ تعالیٰ کا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ کہ تو نہیں دیکھتا ان لوگوں کو جو اپنے آپکو پاک بتلاتے ہیں۔ بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے[۴۶] دوسری جگہ ہے۔ بالتحقیق وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنے ایمان کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں۔ انکے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ قیامت کے دن اللہ اُن سے کلام کریگا۔ اور نہ ان کو پاک کریگا۔ اور انکے لئے تکلیف دینے والا عذاب ہے[۴۷] ان آیات سے ظاہر ہے کہ پاک کرنے کا کام حق تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر ہم قرآن مجید میں کچھ ایسی آیتیں بھی پاتے ہیں۔ جن میں تزکیہ کا منصب خاتم النبیین کیطرف منسوب کیا گیا ہے۔ سورہ جمعہ میں ہے وہی وہ ذات ہے جس نے ان پڑھوں میں ان ہیں کا ایک رسول بھیجا۔ جو انکو آیتیں پڑھکر سناتا اور انکو پاک کرتا ہے۔ الخ[۴۸] سورہ بقرہ اور آل عمران میں بھی اسی مضمون کی آیتیں موجود ہیں[۴۹] ان آیتوں سے عیاں ہے کہ رسول کو بھی اپنی امت کے مقتدر افراد پاک کرنے کی قابلیت حاصل ہے۔ لیکن یہ تزکیہ مشیت ایزدی کے تابع ہے۔ رسول اسی کو پاک کر سکتے ہیں۔ جسکے پاک کرنے کی اجازت انہوں نے حق تعالےٰ سے حاصل کی ہو۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہے کہ تو جسے چاہے ہدایت نہیں کر سکتا۔ لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت کرتا ہے[۵۰] گو کہ وہ تزکیہ جو رسول اللہ کی طرف مضاف ہے اللہ کے اذن کے تابع

---

۴۶ الم تر الی الذین یزکون انفسہم بل اللہ یزکی من یشاء۔ نساء ۴ - ۴۹ ۴۷ ان الذین یشترون بعہد اللہ وایمانہم ثمناً قلیلاً۔ اولئک لا خلاق لہم فی الآخرۃ ولا یکلمہم اللہ ولا ینظر الیہم یوم القیمۃ ولا یزکیہم ولہم عذاب الیم آل عمران ۷۷ - ۴۸ ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منہم یتلوا علیہم آیتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔ جمعہ ۶۲ - ۲۔ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا ... آل عمران ۳ - ۱۶۴ ۔ ۴۹ بقرہ ۱۲۹ و ۱۵۱ ۔ ۵۰ انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء وھو اعلم بالمہتدین قصص ۲۸ - ۵۶

لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ آپکو تنزکیہ کی قوت حق تعالیٰ کیطرف سے عطا کیگئی ہے۔
جیسا کہ آیات بالا سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں معترض یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ قرآن پاک بھی افراد
مومنین کو پاک کرتا ہے۔ لیکن یہ خیال درست نہیں کیونکہ سارے قرآن میں ایک آیت بھی
ایسی نہ ملیگی جسمیں تنزکیہ کا فعل کلام اللہ کیطرف منسوب کیا گیا ہو۔ کلام پاک میں قرآن
کو بھی نور کہا گیا۔ اور رسول اللہ صلعم کو بھی [1] اسی طرح کلام اللہ کو شفا اور ہدایت کے نام
سے بھی موسوم کیا گیا [2] یہ سب کچھ ہے۔ مگر قرآن میں کسی جگہ بھی پاک کرنے کا فعل قران
یا کلام اللہ کیطرف مضاف نہیں کیا گیا۔ اور اگر کہیں مضاف کیا گیا ہے۔ تو حق تعالیٰ کیطرف
یا اسکے رسول کیطرف۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ تنزکیہ کا کام حق تعالیٰ کے اختیار میں
ہے۔ اور اسکے بعد یہ کام رسول اللہ صلعم کے سپرد ہے۔ اس سلسلہ میں اُن آیات کو بھی غور
سے پڑھیئے جن میں افراد انسانی کو ظلمت سے نور کیطرف لے جانے کا ذکر ہے۔ سورہ بقرہ
میں ہے اللہ مومنوں کا ساز گا ہے۔ ان کو ظلمت سے نور کی طرف نکال لے جاتا ہے [3] سورہ
طلاق میں ہے۔ رسول۔ جو پڑھکر سناتا ہے تم کو اللہ کی کھلی آئتیں تاکہ نکالے ان کو جو ایمان لائے
اور جنہوں نے نیک کام کئے اندھیرے سے طرف روشنی کے [4] اسکے علاوہ دو ایک جگہ اور
بھی اسی قسم کی آئتیں آئی ہیں [5] ان آئتوں سے یہ بات صاف ٹھیک رہی ہے۔ کہ اندھیرے
سے روشنی کیطرف نکال لے جانے کا فعل یا تو حق تعالیٰ کیطرف منسوب کیا گیا ہے۔ یا رسول
اللہ کی طرف۔ حق تعالیٰ کا یہ فعل ذاتی ہے۔ اور رسول اللہ کا اجازتی۔ یعنی رسول اللہ اہل

[1] وانزلنا الیکم نوراً مبینا۔ نساء ۴-۱۷۵۔ قد جاءکم من اللہ نورٌ وکتاب مبین مائدہ ۵-۱۵ یہاں نور سے ذات نبوی
مراد ہو سکتی ہے [2] قل ھو للذین امنوا ھدًی وشفاءٌ حم ۴۱-۴۴۔ وکذلک الکتاب لا ریب فیہ ھدًی للمتقین۔ بقرہ۔ انا
انزلنا التورٰۃ فیہا ھدًی ونورٌ۔ مائدہ ۴۴ [3] اللہ ولی الذین امنوا یخرجہم من الظلمٰت الی النور۔ طلاق۔ ۱۱ [5] حدید
۵۷-۹۔ ابراھیم ۱۴-۱۔ لیخرجکم من الظلمٰت الی النور۔ لیخرج الناس من الظلمٰت الی النور۔
یخرج الناس من الظلمٰت الی النور۔

استعداد کو اللہ کے اذن سے اندھیرے سے روشنی کیطرف لاتے اور انکو پاک کرتے ہیں۔ اور یہ
منصب رسالت کا اہم ترین ہے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر کلام اللہ کیطرف یہدی
الی الحق کا فعل منسوب کیا گیا ہے [1] یہ ہدی کی اضافت کلام حق کی طرف ایسی ہی
ہے جیسا کہ ھُدًی [2] کی۔ یہاں معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ تنزکیہ کی اضافت رسول اللہ
صلعم کی طرف مجازی تسبیبی ہے۔ اور حق تعالیٰ کیطرف حقیقی اور جب تنزکیہ کے فعل کی اضافت
مجازی ہوئی۔ تو پھر اسکا یہ مطلب ہوا کہ ہر طرح فاعل تنزکیہ کا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور رسول کو
سبب ہونیکی وجہ سے فاعل کہا گیا۔ یہ خیال ایک حد تک درست ہے۔ جن آیات میں تنزکیہ کا ذکر آیا ہے
انہیں غور سے پڑھیئے۔ مثلاً قران میں یہ آیت آئی ہے۔ یتلو علیہم آیتہ ویزکیہم ویعلمہم
الکتاب والحکمۃ [3] یہاں تین چیزیں پہلو بہ پہلو جمع کر دیگئی ہیں۔ آیاتؐ کی تلاوت۔
کتابؐ وحکمت کی تعلیم۔ اور تنزکیہ۔ تلاوت کے فعل کی اضافت رسول اللہ صلعم کیطرف
صریحی ہے۔ اسی طرح کتاب وحکمت کی تعلیم کی اضافت بھی آپکی طرف صریحی ہے۔ اور
جب ایک ہی جملہ میں دو فعلوں کی اضافت آپکی طرف صریحی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ
اسی جملہ میں تیسرے فعل کی اضافت آپکی طرف صریحی نہ ہو۔ بالخصوص جبکہ اس فعل کی
اضافت آپکی طرف یہاں صریح لفظوں میں اذن اللہ کیساتھ بھی مشروط نہیں کیگئی۔ ایک
اور بات ہے۔ وہ یہ کہ اُس انسان پر جو پاک ہوا ہوا نہ ہو۔ حکیم کا لفظ اطلاق پذیر نہیں ہو
سکتا۔ یعنی وہ شخص حکمت سے آراستہ و پیراستہ نہیں ہو سکتا۔ جو پاک نہ کیا گیا ہو۔ کیونکہ
حکمت وہ بڑی سے بڑی خوبی ہے۔ جو انسان کو عطا ہو سکتی ہے [4] اسلیئے پاک نہ ہوا ہوا شخص
حکیم نہیں کہلا سکتا۔ اور جب رسول اللہ صلعم حکمت کی تعلیم دے سکتے۔ اور حکمت سکھا سکتے ہیں

[1] قالوا یا قومنا انا سمعنا کتاباً انزل من بعد موسٰی مصدقاً لما بین یدیہ یھدی الی الحق والی صراط
مستقیم۔ احقاف ۴۶-۳۰ [2] ھدًی للمتقین۔ بقرہ۔ [3] جمعہ ۶۲-۲۔ بقرہ ۱۲۹، ۱۵۱
[4] ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ بقرہ ۲۶۹

تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ پاک نہ کر سکتے ہوں - پس چونکہ تزکیہ اور تعلیم حکمت آپسمیں لازم ملزوم
کا حکم رکھتے ہیں - اسلئے صاف ظاہر ہے کہ تزکیہ کے فعل کی اضافت آپکی طرف ایک جہت سے حقیقی تسبی ہے
اور ایک جہت سے مجازی یعنی کہ آپ بھی انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے پاک کر سکتے ہیں اور
آپ میں وہ قلبی - ارادی - اور روحانی قوت موجود ہے - جسکے بل پر آپ تزکیہ کی کیفیت
اپنی امت کے خاص خاص افراد میں پیدا کر سکتے اور انہیں منتہائے مقصود تک پونچا
سکتے ہیں - قرآن پاک میں ہے - قد افلح من تزکی [1] - اسی طرح کی اور بھی آئتیں قرآن
میں موجود ہیں [2] ان آیتوں سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ سالک خود اپنے آپ کو حق تعالیٰ اور رسول
کی مدد کے بغیر پاک کر سکتا ہے - اس میں شک نہیں کہ وسائل تزکیہ خود سالک کو اختیار کرنے
ہوتے ہیں - اور اسکے لئے اسے جد وجہد بھی خود کرنا ہوتی ہے - مگر نتیجہ تزکیہ جو اس جد وجہد
پر مرتب ہوتا ہے - وہ حق تعالیٰ کی اجازت سے رسول کے ذریعہ سر انجام پاتا ہے - جیسا
کہ قرآن پاک میں ہے - کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحم نہ ہوتا - تو تم میں کبھی بھی کوئی پاک ہوتا [3]
بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے - اسکا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ نہ چاہے تو کوئی ہزاروں
جتن کرے وہ اپنے آپکو پاک کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا - اور جب خود خدا چاہتا ہے
کہ کوئی شخص پاک کیا جائے - تو وہ رسول کے وساطت سے پاک کرایا جاتا ہے - اور رسول
کے پاک کرنے کا مطلب بھی یہی ہے جسطرح ھادی کے مظہر اتم کو پاک کرنے کی قوت حاصل
ہے - اسی طرح مُضل کے مظہر اتم کو گمراہ کرنے کی قوت حاصل ہے - قرآن پاک میں شیطان کی
طرف منسوب ہے کہ میں یقیناً انکو گمراہ کرونگا - سوائے تیرے مخلص بندوں کے - [4]
دوسری جگہ لاحتنکن ذریتہ الا قلیلا آیا ہے [5] گویا کہ یہ بات ثابت ہے کہ ابلیس کو یعنی مُضل

[1] الاعلیٰ - ۱۴ [2] وما علیک الا یزکی - وما یدریک لعلہ یزکی - عبس - ۷ و ۳ فقل ھل لک الیٰ ان تزکی نزعت ۱۸
[3] ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ ما زکی منکم من احد ابدا ولکن اللہ یزکی من یشاء - نور ۲۱ [4] ولاغوینہم اجمعین الا عبادک
منہم المخلصین حجر ۳۹ - ۴۰ دیکھو ص ۳۸ - ۸۲ و ۸۳ [5] لئن اخرتن الی یوم القیمۃ لاحتنکن ذریتہ الا قلیلا - بنی اسرائیل ۶۲

کے مظہر اتم کو گمراہ کرنے اور ہلاکت تک لے جانے کی قوت حاصل ہے - مگر اسکے مقابل یہ خیال
کرنا کہ ہادی کے مظہر اتم کو پاک کرنے اور راہ راست پر لانے قوت حاصل نہیں - کسی طرح
بھی درست نہیں - بلکہ نظام روحانیت کا تقاضا یہ ہے - کہ مظہر ہادی کو پاک کرنے کی زیادہ
قوت حاصل ہو بمقابلہ اُس قوت کے جو مظہر مُضل کو گمراہ کرنے کی ہے - اگر صورت یہ
نہ ہوتی تو پھر مظہر مُضل کبھی نہ کہتا کہ مجھے حق تعالیٰ کے خاص بندگاں پر کوئی اختیار
نہیں - اسکا مطلب یہ ہے کہ مظہر ھادی کی قوت اسکی قوت سے بہت بڑھی ہوئی ہے
پس پاک کرنے کی قوت لازمی طور رسول اللہ صلعم کی ذات اقدس میں مستور ہے -
اور اسی میں بہت بڑی حد تک رسول کا ظاہری کمال رکھا ہے ؎

روئی جو بست وکمال ہنر دو این پاک
لاجرم ہست پاکان دو عالم با اوست

۱۹ - اب سوال یہ ہے کہ یہ اہم ترین فرض رسالت کا یعنی تزکیہ کا جناب رسول اللہ
صلعم کی زندگی میں ہی سر انجام پاتا رہا یا آپ کی وفات کے بعد بھی سر انجام پاتا ہے - آپکی زندگی
میں کئی ایسے صحابہ اور کامل مومن ہوئے جنکے روحانی صعود کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا - اور ان
کا تزکیہ آپ کے وجود باجود سے ہی سر انجام کو پونچا - کیا آپ کی وفات کے بعد یہ عمل
موقوف ہوا - اور اسکے بعد کوئی بھی ایسا مومن پیدا نہیں ہوا جسکی نسبت یہ کہا جائے
کہ وہ پاک کیا جا چکا ہے - اگر ہم اس بات کو تسلیم کریں - کہ تزکیہ کا فعل جو رسول اللہ
صلعم کیطرف مضاف ہے - آپکی وفات کے بعد منقطع ہوا - تو اس سے ذیل کی باتوں
میں سے ایک نہ ایک بات لازم آئیگی -
اول - رسول اللہ صلعم اپنی وفات کے بعد اس اہم منصب تزکیہ سے جو آپکا بحیثیت
رسول تھا - معاذاللہ - ہٹا دئے گئے -
دوئم - آپکی وفات کے بعد کوئی ایسا قابل شخص پیدا نہیں ہوا - جسکا پاک کرنا آپکے لئے

ضروری تھا۔

سوئم۔ یہ فعل تزکیہ کا زندگی میں رسول اللہ کے سپرد تھا۔ مگر آپکی وفات کے بعد یہ کام براہ راست حق تعالےٰ کے متعلق ہوا۔ اور اب حق تعالیٰ ہی قابل افراد کو حسب ضرورت پاک کرتا ہے۔ پہلی بات سے یہ لازم آتا ہے۔ کہ آپ خاتم النبیین نہیں۔ یعنی آپکے بعد نبی آنے چاہیں۔ جو رسالت کے اہم ترین فرض یعنی تزکیہ کو سرانجام دیں۔ کیونکہ دین اسلام کے بھیجے جانے کی اصلی غرض و غایت ہی یہی ہے کہ جس قدر افراد پاک ہوسکیں پاک کیئے جائیں۔

۲۰ ۔ دوسری صورت بھی محال ہے۔ کیونکہ حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ایسے کامل ترین افراد ہر زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ اوتاد۔ ابدال۔ اخیار۔ عصائب اور نجبار کی ایک معین تعداد ہر وقت موجود رہتی ہے[1]۔ مسند احمد میں ہے کہ ابدال شام میں ہوتے ہیں۔ اور یہ چالیس تن ہیں۔ جب ان میں سے کوئی فوت ہوتا ہے۔ تو دوسرا اسکی جگہ رکھدیا جاتا ہے۔ انہیں کی بدولت بادل برستے ہیں۔ انہیں کی طفیل دشمنوں پر فتح و نصرت حاصل کی جاتی ہے۔ اور انہیں کیوجہ سے اہل شام سے عذاب دور ہوتا ہے[2]۔ ابوداؤد میں ہے کہ اہل عراق میں عصائب کی ایک جماعت ہوتی ہے۔ انکو اخیار بھی کہتے ہیں یہی لوگ امام مہدی کے ہاتھ پر بیعت کرینگے۔ اور اسکے کام میں ممد ہونگے[3]۔ ابوداؤد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کیلئے ہر صدی کے سر پر ایک ایسا شخص مبعوث کرتا ہے۔ جو اسکے دین کی تجدید کرتا ہے[4]۔ یہی شخص مجدد کہلاتا ہے۔ قرآن سے بھی ایسے افراد کاملین کا بعد وفات نبوی پیدا ہونا ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں افراد انسانی کی تین قسمیں گنائی ہیں۔

ع۱ مشکوٰۃ باب ذکر یمن و شام ایسے پاک شدہ لوگوں کے متعلق دیکھو منتخب جلد ۵ ۔ ص ۳۳۲ ۔ حلیۃ الاولیاء کے مطابق پانسو خیار۔ امت ہر قرن میں موجود رہتے ہیں۔ طبرانی کبیر کے مطابق تیس ابدال اور طبرانی اوسط کے مطابق چالیس ۴۰ ابدال ہوتے ہیں۔ منتخب جلد ۵ ۔ ص ۳۳۲ ۔ دیکھو اسد الغابہ تذکرہ حمزہ ۔ ع۲ مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ ع۳ مشکوٰۃ کتاب العلم۔

اول۔ سابقون المقربون۔ دوئم۔ اصحاب یمین۔ سوئم۔ اصحاب شمال۔ اصحاب شمال۔ اہل دوزخ ہیں۔ اصحاب یمین عامۃ مومنین۔ اور سابقون المقربون خواص مومنین۔ یہ آخری جماعت ہی صحیح معنے میں۔ اور کامل طور پاک ہوئی ہے۔ انکی نسبت قرآن پاک میں ہے کہ ایسے افراد اگلے لوگوں میں زیادہ ہیں۔ اور پچھلے لوگوں میں تھوڑے۔ ان پاک لوگوں کا ذکر سورہ واقعہ میں موجود ہے[1]۔ ان آیات سے پایا جاتا ہے۔ کہ ایسے کامل ترین افراد اگرچہ آخری زمانہ میں تھوڑے ہونگے مگر ہونگے ضرور۔ پس ظاہر ہے کہ ایسے افراد کاملین ہر زمانہ میں موجود ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ زمانہ نبوی کے بعد اقل قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلعم کے وصال کے بعد آخر زمانہ میں ایک ایسا فرد وحید پیدا ہوگا۔ جو خلیفہ اللہ کے نام سے موسوم ہوگا۔ اگر رسول اللہ صلعم کے زمانیکے بعد کسی کامل مرد کا پیدا ہونا محال ہے۔ تو پھر ایسا کامل مکمل انسان کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ یہی وہ شخص ہوگا جسکے ظاہر ہونے پر شام کے ابدال اور عراق کے عصائب حاضر ہونگے۔ جیسا کہ ابوداؤد۔ مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ہے[2]۔ یہ نامور شخص یہ مہدی خراسان سے نمودار ہوگا۔ چنانچہ ترمذی۔ مسند احمد اور مستدرک میں ایسا ہی مذکور ہے[3]۔ صحیح مسلم میں یہ حدیث موجود ہے۔ کہ میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا۔ جو دوسروں کو مال دیگا۔ اور بے اندازہ دولت پر متصرف ہوگا[4]۔ مسند احمد میں بھی یہی حدیث موجود ہے[5]۔ ترمذی میں ہے۔ کہ میرے اہل بیت سے میرا ایک ہمنام ہوگا الخ[6]۔ صحیح مسلم اور ابوداؤد میں ہے۔ کہ مہدی میرے اہل بیت سے فاطمہ کی اولاد سے ہوگا[7]۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے کہ خلیفہ اللہ مہدی ابھی آنے والا ہے[8]۔ پس ظاہر ہے کہ آپکی امت سے کامل افراد ہر زمانہ میں پیدا ہونگے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جب دین کا کام ہی یہ ہے۔ کہ

ع۱ سورہ واقعہ آیات ۱۰ تا ۱۴ ۔ والسابقون السابقون اولئک ھم المقربون فی جنت النعیم ثلۃ من الاولین و قلیل من الاخرین۔ ع۲ ع۳ ع۴ و ع۵ ع۶ منتخب جلد ۶ ۔ ص ۳۰ ۔ المہدی۔

ور پاک لوگ پیدا کرے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایک زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں ۔ اور دوسرے زمانے میں نہ ہوں ۔ اسطرح دوسری صورت مفروضہ بھی محال ہوئی ۔

۲ ۔۔۔۔ اب رہی تیسری صورت ۔ اس سے بھی پہلی صورت لازم آتی ہے ۔ یعنی کہ رسول اللہ صلعم وفات کے بعد اس منصب تزکیہ سے معاذاللہ معطل ہوئے ۔ اس سے آپکی نبوت میں صریحی خلل واقع ہوتا ہے ۔ قرآنی آیات میں اس بات کا کہیں بھی اشارہ موجود نہیں ۔ کہ یہ کام تزکیہ کا جو آپ کے سپرد ہے ۔ وہ آپکی زندگی تک ہی محدود تھا ۔ اگر صورت ایسی ہوتی ۔ تو اسکی تصریح کہیں نہ کہیں کر دی جاتی ۔ مگر نہ تو قرآن میں اور نہ احادیث میں ایسی تصریح موجود ہے ۔ اور قرآنی آیتیں اپنے اطلاق پر قائم ہیں ۔ اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ قرآن کا کوئی حکم مطلق بلا نص یا خبر صحیح یا کسی قرینہ صارفہ کے مقید نہیں کیا جا سکتا ۔ پس آپ کا یہ منصب ہر وقت ہر زمانہ اور ہر قوم کیلئے قایم و دائم ہے ۔ قران پاک میں ہے ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھکو مگر جہانوں کیلئے رحمۃ [ا] حضور علیہ الصلوۃ تمام جہانوں کیلئے تمام زمانوں کیلئے رحمت ہیں ۔ اور اس رحمت کا بہترین ظہور آپکا منصب تزکیہ ہے ۔ جس سے آپ لوگوں کو پاک کرتے اور انکو کامل ترین افراد کی صف میں لا کھڑا کر دیتے ہیں ۔ اگر آپ کا یہ منصب تزکیہ ایک خاص وقت کیلئے محدود ہوتا ۔ اور اسکے بعد رحمت کا اہم ترین مفہوم ہمیشہ کیلئے مفقود ہو جاتا ۔ تو پھر یہ کسطرح ہو سکتا تھا ۔ کہ آپ اپنی وفات کے بعد بھی تمام جہانوں کیلئے رحمت ہیں [۲] اس سے رحمۃ للعالمین کا مفہوم مطلق مفقود ہوتا ہے ۔ جو کسی طرح بھی جائز نہیں ۔ اس سلسلہ میں کچھ اور قرآنی آیات کو دیکھ لینا چاہیے ۔ ان سے رحمۃ للعالمین کا مضمون اور بھی واضح ہوگا ۔ سورہ بنی اسرائیل اور دوسری سورتوں میں قرآن پاک کو رحمۃ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے [۳]

[ا] وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین [۲] و ننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمومنین ۔ اسرائیل ۹ ۔ ۸۲ و انزلنا الیک الکتاب تبیانا لکل شئ و ھدی و رحمۃ و بشریٰ للمومنین نحل ۱۶ ۔ ۸۹ و نحل ۶۴ ۔ ۱۶ ۔ رحمۃ لقوم یوقنون ۔

مگر اس کا رحمۃ ہونا صرف مومنوں کیلئے متحقق ہے ۔ یہ تسمیہ بھی ایک لحاظ سے مطلق ہے ۔ قرآن آسمانی کتاب کی حیثیت سے قیامت تک موجود رہے گا ۔ اور اسی لئے حق تعالیٰ نے اسکی حفاظت کا ذمہ لیا ہے [ا] مگر آپ تمام جہانوں اور تمام زمانوں کیلئے رحمۃ ہیں اسلئے رحمۃ للعالمین ہیں ۔ اطلاق کا مضمون اور بھی بلند ہو جاتا ہے ۔ توراۃ کو بھی رحمۃ کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے [۲] مگر چونکہ دین موسوی ایک مقررہ وقت کیلئے تھا اسلئے توراۃ بھی ایک مقررہ وقت کیلئے رحمت تھی ۔ چنانچہ من قبلہ کے الفاظ سے جو سورہ ھود کی ستارویں آیت میں آئے ہیں ۔ یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ توراۃ اس سے پہلے رحمت تھی ۔ کیونکہ اسکے بعد دوسری آسمانی کتاب اُتری ۔ چونکہ شریعت موسوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت بھی جاری تھی ۔ اسلئے آخری نبی کے آنے تک تورات رحمت تھی ۔ مگر قرآن کے اترنے پر شریعت موسوی منسوخ ہوئی ۔ اور قرآن مومنوں کیلئے رحمت قرار پایا ۔ یہاں یہ بات معلوم رہنا چاہیئے کہ توراۃ چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ۔ اسلئے وہ اللہ تعالیٰ کیطرف مضاف ہونے کے لحاظ سے مطلق طور رحمت ہے ۔ مگر دنیا کیطرف مضاف ہونے کے لحاظ سے وہ ایک مقررہ وقت کیلئے رحمت تھی ۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ۔ رسول اللہ صلعم کے متعلق رحمۃ کیساتھ عالمین کے لفظ نے رحمۃ کے مفہوم کو ایسا اونچا کر دیا ہے ۔ کہ اس سے زیادہ اونچا ہو ہی نہیں سکتا ۔ آپ رحمت ہیں ۔ مگر تمام جہانوں کیلئے ۔ تمام کائنات کیلئے ۔ تمام مخلوقات کیلئے ۔ آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا مختلف پہلوؤں سے ہے ۔ ایک طرف تو آپ کے نور کو تمام نبیوں اور ولیوں کے انوار سے مسابقت ذاتی حاصل ہے ۔ ترمذی کی مشہور روایت ہے ۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے لئے نبوت کب واجب ہوئی ۔ آپ نے

[ا] انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون ۔ حجر ۔ ۱۵ ۔ ۹ [۲] و من قبلہ کتاب موسیٰ اماما و رحمۃ ھود ۔ ۱۱ ۔ ۱۷ ۔ دیکھو انعام ۶ ۔ ۱۵۵ ۔ و تفصیلا لکل شئ و ھدی و رحمۃ

فرمایا اس وقت جبکہ آدم کا جسم اور روح ابھی جدا جدا تھے[1] دوسری طرف آپ قاسم علی الاطلاق ہیں۔ جیساکہ حق تعالیٰ معطی علی الاطلاق ہے[2] یعنی نبیوں ولیوں اور عامۃ الناس کو جو جو عطیات ہر کائنات کے حق تعالیٰ کیطرف سے پونچتے ہیں۔ وہ آپکی روح کی وساطت سے پونچتے ہیں۔ آپ کے پہلے جو انبیاء اپنی اپنی امت کے افراد کو پاک کرتے رہے۔ وہ بھی حقیقت میں آپ کی روح عظمی کا فیض تھا۔ کیونکہ تمام نبیوں کے انوار آپکی نبوت سے مقتبس ہیں۔ کوئی حکمت و فضیلت حتی کہ نبوت بھی کسی فرد بشر کو آپکی روح کی وساطت کے بغیر نہیں مل سکتی۔ تیسری طرف آپکی صفت رحمۃ للعلمین۔ قاسمیت کی صفت کے بل پر تقاضا اس بات کا کرتی ہے۔ کہ کائنات کی ہستی بھی آپ کے وجود باوجود کے طفیل کتم عدم سے عالم ظہور میں آئی۔ ؎

اے از ظہور نور تو کون و مکاں پدید — از عرش تا بہ فرش ز نور تو آفرید
شمس و قمر مگو کہ انوار انبیاء — اندر ظہور خویش ز نور تو مستفید
تو بحر رحمتی و من آلودہ گناہ — پاکم بشوی ای ز تو پاکیٔ ہر پلید

۲۲ — اس مسئلہ کے متعلق چند ایک باتیں اور قابل غور ہیں۔ روحانی دنیا کا یہ نظام ہے کہ حق تعالیٰ کا براہ راست جو تعلق روحانی ہوتا ہے۔ بذریعہ وحی یا اور طرح پر وہ صرف نبی وقت سے ہوتا ہے۔ اور نبی کا ولی و مرشد حق تعالیٰ ہے[3] نبی کے سوا باقی افراد سے اللہ تعالیٰ کا روحانی تعلق نبی کی وساطت سے ہوتا ہے۔ وجہ ظاہر اگر تمام اوامر و نواہی افراد امت کو نبی کے ذریعہ پونچتے ہیں۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ فیوض روحانی جو ان اوامر و نواہی کے پس پشت کام کرتے ہیں۔ نبی کی وساطت سے نہ پونچیں۔ اگر یہ بات درست

[1] متی وجبت لک النبوۃ۔ قال وآدم بین الروح والجسد۔ مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین [2] انما انا قاسم واللہ یعطی
بخاری کتاب العلم۔ مشکوۃ کتاب العلم صحیحین [3] ومن یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا۔ کہف ۱۸-۱۷
پس ظاہر ہے کہ مرشد کی اصطلاح قرآن سے ماخوذ ہے۔

ہے کہ آدم اور انکے جانشین یعنی دوسرے نبی اللہ تعالیٰ کے خلیفے یکے بعد دیگرے ہوتے رہے تو پھر معلوم نہیں کہ جب کامل افراد کی تکمیل و تربیت انکے واسطے سے نہ ہوتی تھی۔ تو پھر انکی خلافت کس مرض کی دوا تھی۔ جبھی تو ضروری ہے کہ کامل سے کامل فرد بھی نبی پر ایمان لائے بغیر اور ان کا ذریعہ تلاش کئے بغیر فیض روحانی جو دوسرے لفظوں میں تمام آسمانی مذاہب کا لب لباب ہے نہیں پاسکتا۔ خواجہ اجمیریؒ کیا خوب فرماتے ہیں ؎

گر عروج حال عیسیٰ بائیدت بر نہ فلک
در رکاب خواجۂ لولاک مے باید شدن

۲۳ — قرآن پاک میں ایسی متعدد آئتیں موجود ہیں۔ جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے۔ کوئی آیت قرآن کی ایسی نہیں جہاں اطاعت اللہ کیساتھ اطاعت رسول کا حکم نہ ہو[1] ایک آیت ایسی بھی ہے۔ جہاں صرف اطاعت رسول کا حکم ہے۔ سورہ نور میں ہے اور قائم کرو نماز اور دو زکوۃ اور اطاعت کرو رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے[2] اس سے معلوم ہوا کہ رسول کی اطاعت پہلے ضروری ہے۔ کوئی شخص اللہ کی اطاعت کر ہی نہیں سکتا۔ جب تک کہ وہ پہلے رسول کی اطاعت نہ کرے وہ شخص مومن کہلانے کا مستحق ہی نہیں جو اللہ پر تو ایمان رکھے۔ مگر رسول سے انکاری ہو۔ اسی لئے قرآن مجید میں ہے۔ کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے فی الحقیقت اللہ کی اطاعت کی[3] عجب صورت یہ ہے۔ کہ کوئی اطاعت اللہ کی قبول نہیں ہوسکتی جب تک کہ اسکے ساتھ رسول کی اطاعت شامل نہ ہو۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ کوئی رسول کا وسیلہ تلاش کئے بغیر پاک ہوسکے۔ اور اللہ تک پونچ سکے۔ اسکے علاوہ

[1] واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون۔ آل عمران ۱۳۱۔ نساء ۵۹۔ مائدہ ۹۲۔ نور ۲۴-۲۵
احزاب ۳۳-۷۱۔ محمد ۴۷-۳۳۔ [2] واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ واطیعوا الرسول لعلکم
ترحمون۔ نور ۲۴-۵۶ [3] من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔

ایک بات یہ بھی ہے مد کہ یزکیہم اور یعلمہم کی ضمیر منصوب کہ اور ھم کسی ایک زمانہ کے لوگوں کیطرف راجع نہیں۔ کیونکہ آپ کسی خاص زمانہ کیلئے نبی بن کر نہیں آئے۔ اسلئے بھی نص قرآنی مقتضی اس بات کی ہے کہ سب افراد کا تزکیہ خواہ وہ تزکیہ آپکی زندگی میں ہو یا آپکی وفات کے بعد آپکے ذریعہ ہی سرانجام پائے۔ ورنہ اگر صورت دوسری ہو۔ تو پھر اس نص کا معنی مستقیم نہیں رہتا۔ اور نہ آپ سب زمانوں اور سب لوگوں کیلئے نبی الرحمۃ ہو سکتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے رحلت فرمائی۔ تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مائی ام ایمن کے پاس گئے اور اُن سے کہنے لگے۔ کہ جو کچھ اللہ کے یہاں ہے۔ وہ رسول صلعم کیلئے خیر ہی خیر ہے۔ حضرت ام ایمن بولیں۔ کہ جو کچھ اللہ کے یہاں ہے بے شک رسول اللہ کیلئے خیر ہی خیر ہے۔ لیکن میں تو اس بات پر روتی ہوں۔ کہ ہم سے آسمان کی خبریں منقطع ہوئیں [1] مراد اس سے یہ ہے کہ آپ کے تشریف لے جانے سے صرف اسقدر کمی واقع ہوئی۔ کہ وحی کا آنا موقوف ہوا۔ یعنی باقی جسقدر فرائض بحیثیت رسول آپکے سپرد ہیں۔ وہ آپکے وصال کے بعد بھی سرانجام پاتے ہیں وحی اسلئے منقطع ہوئی کہ نعمت کا اتمام اور دین کی تکمیل ہو چکی تھی۔ اسلئے سمجھئے تو آپ کی رحلت سے امت کیصرف اسقدر خسارہ ہوا کہ اب کوئی بھی صحابی یا تابعی نہیں بن سکتا۔ پس نتیجہ یہ ہے کہ یہ تزکیہ باطنی یہ فیض روحانی جو تمام نبیوں کی مذہبی تبلیغ کا منتہائے مقصود ہے۔ اور جس فیض کے افراد تک پہونچانے کیلئے نبی آتے رہے۔ کسی طرح بھی براہ راست افراد انسانی کو نہیں پہونچ سکتا۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اس نظریہ کے تسلیم کرنے سے نبی کی ضرورت مفقود ہوتی ہے۔ اور اس عدم ضرورت کی قرآن بڑے زور سے تردید کرتا ہے۔ ؎

دُرِّ وحدت را کسے جوئید در بحر قدم　　حق درون حقۂ جسم تو پنہاں ساختہ

۲۴ — یہاں ایک بات اور قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ ایک فانی فی اللہ اور باقی باللہ شخص کا ہر کام خدائی طاقت سے سرانجام پاتا ہے۔ کیونکہ خدا ایسے کامل شخص کا ہاتھ۔ پاؤں

[1] منتخب جلد ۳ ۔ اعلام موتر صلے اللہ علیہ وسلم ص ۱۱۷

آنکھ کان۔ دل زبان وغیرہ بن جاتا ہے [2] جب ایک کامل مومن کی یہ حالت ہو تو پھر نبی اور خاتم النبیین کی حالت کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ نبی تو کوئی بات بھی دین کے بارے میں اپنی طرف سے نہیں کہتے۔ وما ینطق عن الھوٰی۔ اور کوئی وقت ایسا نہیں جبکہ انکے دل کا تعلق حق تعالی سے نہ ہو۔ اسی لئے جب جنگ میں آپ نے ایک بار کنکریوں کی مٹھی دشمنوں پر پھینکی۔ تو انکو شکست فاش ہوئی اس پھینکنے کے متعلق حق تعالی فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ گویا رسول کا پھینکنا اصل میں اللہ تعالی کا پھینکنا تھا اس لحاظ سے جو دینی کام رسول اللہ صلعم دل لگا کر کرینگے۔ وہ حق تعالی کا کام ہوگا۔ تزکیہ نفوس کا کام بھی دل لگا کر دعا کئے بغیر سرانجام پذیر نہیں ہوتا۔ اور ایسا فعل مطابق آیت قرآنی وما رمیت خود حق تعالی کا فعل ہے۔ پس رسول کا فعل تزکیہ حقیقت میں اللہ تعالی کا فعل ہے۔۔ اسی لحاظ سے تزکیہ خاتم النبیین کیطرف مضاف کیا گیا ہے۔ اور اس طرح مضاف کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ بلکہ اُس حقیقت کا اظہار ہے جس پر دین قویم اسلام کا دارو مدار ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تزکیہ کا فعل یا اللہ کی طرف مضاف ہو سکتا ہے۔ یا رسول کیطرف۔ اور اللہ کا پاک کرنا عین رسول کا اور رسول کا پاک کرنا عین اللہ کا پاک کرنا ہے ؎

از پس پردہ معیں بنگر کہ از سلطانِ غیب
عشق خود با خود ہمے نازد بنام عاشقاں

۲۵ — اب دیکھنا یہ ہے کہ اس فیض کے حاصل کرنے کیلئے ظاہر میں کیا کچھ جد وجہد کرنا پڑتی ہے۔ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ارکان خمسہ کی ادائگی اس فیض کے حصول کی شرط ہوگی اسوقت روئے زمین پر کوئی پچاس ساٹھ کروڑ کلمہ گو مسلمان موجود ہونگے۔ اگر دس ہزار میں سے ایک بھی ارکان خمسہ پر کاربند ہو تو پھر کم از کم پچاس ہزار آدمی کل ارکان خمسہ پر

[2] روایت بخاری۔ مشکوۃ باب ذکر اللہ۔ روایت احمد منتخب جلد اول ص ۱۱۳

کاربند نکلینگے ۔ ان میں سے دو حصے عورتیں اور بچے سمجھ لیجئے ۔ باقی کوئی پندرہ سولہ ہزار آدمی اسوقت دنیا میں ایسے ہونے چاہیں ۔ جو پانچوں ارکان اسلام پر کاربند ہوں ۔ اگر صرف ارکان خمسہ کی بجاآوری ہی اس پاکیزگی کیلئے شرط ہوتی ۔ تو پھر اسی قدر افراد مزکیٰ ہوتے حالانکہ اس وقت دنیا میں کوئی پانسو یا تین سو افراد ایسے ہونگے ۔ جنہیں ہم صحیح معنے میں پاک شدہ کہ سکتے ہیں[1] اسلئے یہ کہنا پڑتا ہے ۔ کہ ارکان خمسہ پر کچھ اور بھی اضافہ ہونا چاہیے ۔ جو اس فیض کے حصول کا ذریعہ بن سکے ۔ اور وہ اضافہ نوافل ہیں جیساکہ صحیح بخاری کی حدیث قدسی سے ظاہر ہوتا ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ میرا بندہ نفلوں کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے ۔ حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں ۔ سو جب میں اس سے محبت کرتا ہوں ۔ تو میں اس کا کان جس سے سنتا ہے ۔ اسکی آنکھ جس سے دیکھتا ہے ۔ اسکا ہاتھ جس سے پکڑتا ہے اور اسکا پاؤں جس سے چلتا ہے ۔ ہو جاتا ہوں اور اگر وہ مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں ۔ اور اگر وہ پناہ مانگے تو میں ضرور پناہ دیتا ہوں[2] اللہ کا کان آنکھ ہاتھ پاؤں وغیرہ بن جانا دوسرے لفظوں میں تزکیہ کہلاتا ہے ۔ اور اس تزکیہ کے حصول کیلئے نوافل کا ادا کرنا شرط ہے ۔ بہترین نفل ذکر اللہ ہے ۔ نماز بھی ذکر کیلئے قایم کی جاتی ہے[3] افضل ترین ذکر لا الہ الا اللہ ہے ۔ ترمذی ۔ نسائی اور ابن ماجہ میں ہے ۔ کہ بہترین ذکر لا الہ الا اللہ ہے ۔ اور بہترین دعا الحمد للہ ہے[4] لا الہ الا اللہ میں مہتمم بالشان لفظ اللہ ہے ۔ اور لا الہ الا کے باقی تمام الفاظ اسم سے غیریت کا حکم رکھتے ہیں ۔ پس اسم اللہ کا ذکر بہترین ہے ۔ اور قرآن میں بھی اکثر جگہ اسی نام اللہ کیساتھ ذکر کا حکم آیا ہے ۔ ذکر کی بھی مختلف قسمیں ہیں ۔ صوفی کہتے ہیں کہ انسان کے اندر سات لطائف ہیں ۔ لیکن اور نہیں تو نفس قلب ۔ اور روح تو ضرور نصوص سے قطعی طور ثابت ہیں ۔

[1] حلیۃ الاولیاء میں ہے کہ ہر قرن میں میری امت کے بہترین آدمی پانسو ہوتے ہیں ۔ اور ابدال چالیس الحدیث منتخب جلد ۵ ص ۳۲ دوسری روایت کے مطابق تعداد تین سو کے قریب ہے [2] مشکوۃ باب ذکر اللہ عزوجل ۔ [3] اقم الصلوۃ لذکری

ذکر لسانی کے بعد ذکر نفسی کا درجہ ہے ۔ ذکر نفسی کے متعلق قرآن میں حکم موجود ہے ۔ اور یاد کر تو اپنے پروردگار کو اپنے نفس کے اندر عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے[1] احادیث میں بھی اس ذکر کا بیان موجود ہے ۔ صحیحین کی حدیث قدسی میں ہے کہ میں اپنے بندے کے خیال میں ہوتا ہوں ۔ اور میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں ۔ جبکہ وہ مجھے یاد کرتا ہے اگر وہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرتا ہے ۔ تو میں بھی اسکو اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں الخ[2] ذکر قلبی اور ذکر روحی کا صاف صاف اور کھلا کھلا بیان کہیں بھی موجود نہیں ۔ اسکی وجہ یہ ہے ۔ کہ یہ اذکار منتہیوں کے اذکار ہیں ۔ اور منتہیوں کے متعلق جسقدر اونچی اونچی باتیں ہیں ۔ اُن کا کھلم کھلا اظہار بے مطلب ہے ۔ بلکہ کھلم کھلے اظہار سے دین میں خلل واقع ہونے کا احتمال ہے ۔ کیونکہ اونچی اونچی باتیں عوام الناس کی عقل سے بالاتر ہوتی ہیں ۔ شریعت میں انہیں باتوں کا کھلا کھلا حکم موجود ہے ۔ جو عامۃ الناس سے تعلق رکھتی ہیں ۔ اور جو باتیں خواص اور خواص الخواص سے علاقہ رکھتی ہیں ۔ اُن کے متعلق کہیں کہیں اشارہ کر دیا گیا ہے ۔ یہ اونچی اونچی باتیں اور روحانی کیفیتیں حاصل کرنے کی ہیں ۔ بیان کرنے کی نہیں ۔ اور علاوہ اسکے جو ذاکر ذکر لسانی کے آگے نکل جاتا ہے ۔ اس پر ذکر قلبی اور روحانی کا حال خود بخود کھل جاتا ہے ۔ پھر بھی ذکر قلبی اور روحی کا اشارہ کہیں کہیں حدیثوں میں موجود ہے ۔ مسند احمد میں ہے کہ بہترین ذکر ذکر خفی ہے[3] صحیح بخاری میں ہے ۔ تنام عینی و لا ینام قلبی یعنی میری آنکھ تو سوتی ہے ۔ مگر دل نہیں سوتا[4] دل کا نہ سونا عبارت اس بات سے ہے کہ دل آپ کا یاد الٰہی میں مستغرق رہتا تھا ۔ اور جس کا دل یاد الٰہی میں مستغرق ہو ۔ اُسکی روح خود بخود حق کے خیال میں محو رہتی ہے ۔ اور جسکی روح حق تعالیٰ میں محو ہو ۔ اس کا سر ۔ خفی اخفی سب

[1] اعراف ۔ [2] ... [3] نعم الذکر الخفی و خیر الرزق ما یکفی منتخب اول ص ۳۲ باب فی ذکر [4] باب کان النبی صلعم تنام عینہ ولا ینام قلبہ بعض کی رائے ہے کہ یہ نبیوں کا خاصہ ہے ۔ یہ خیال درست نہیں کیونکہ جس بندہ کا کان آنکھ دل زبان ہاتھ پاؤں خدا بن جاتا ہے اسکا دل لازمی طور بیدار رہتا ہے ۔ اور یہ کیفیت صحیح بخاری و لواہر کامل مومن کا خاصہ ہے نہ کہ نبیوں کا ۔

کچھ اسی کے خیال میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ درجہ فنا در فنا اور بقا در بقا کا ہے ؎

ہر کسے خواہد کہ ماند در جہاں باقی و ملک   اے معینی ما فنا اندر فنا خواہیم و بس

۲۶ ــــــ نفس۔ قلب اور روح کے ماسوا اور جو لطائف بیان کئے جاتے ہیں۔ انہیں روح کی مختلف کیفیتیں ہی سمجھ لیجئے۔ ذکر لسانی کی تعلیم قران و حدیث میں موجود ہے۔ ذکر نفسی کا حکم بھی قران میں موجود ہے۔ لیکن اسکی تفصیلی تعلیم کا ذکر کہیں موجود نہیں۔ قلبی ذکر کا اشارہ احادیث میں موجود ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ذکر خفی والی حدیث سے ذکر قلبی اور روحی کیطرف اشارہ ہو۔ مگر ان دونوں ذکروں کے متعلق صاف بیان کہیں بھی موجود نہیں۔ یہاں پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب قلب اور روح کے ذکر کا صاف بیان قران میں موجود نہیں۔ تو پھر ایسا ذکر کہاں سے لیا گیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ انسان میں جو از روئے نص تین لطائف بیان کئے گئے ہیں۔ وہ نفس۔ قلب اور روح ہیں۔ ذکر نفسی کا حکم قران میں موجود ہے۔ جب نفس کا ذکر قران میں موجود ہے۔ تو قیاس چاہتا ہے کہ باقی دو لطیفوں کا ذکر بھی کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔ اور پھر اس پر ہمکو یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب ہمیشہ بیداری کی حالت میں رہتا تھا۔ اس سے ہمکو یہ اشارہ ملتا ہے۔ کہ کوئی نہ کوئی طریقہ ایسا ضرور ہونا چاہیے۔ جس سے قلب بیداری کی حالت میں رہے۔ اور وہ طریقہ ذکر قلبی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور جب صورت یہ ہے تو پھر یہ خیال آتا ہے۔ کہ بہترین لطیفہ بھی کوئی نہ کوئی وظیفہ ہونا چاہیے۔ اس طرح ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ نفس قلب اور روح کیلئے ایک نہ ایک قسم کا ذکر ضرور موجود ہے [1] یہاں معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کیفیت آنکھ کے سونے اور دل کے جاگنے کی خصوصیات انبیاء سے ہے۔ جیسا کہ بعض ائمہ کا خیال ہے۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے۔ یہ کیفیت

---

[1] وان تجھر بالقول فانہ یعلم السر واخفی۔ طہ۔ ع۱۔ ذکر نفسی اور ذکر خفی (قلبی و روحی) کا بیان نصوص میں موجود ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

ولایت کا اسی طرح ایک شعبہ ہے۔ جسطرح کہ یہ استدراج کا ایک شعبہ ہے۔ یہ کیفیت اولیاء رحمٰن کے علاوہ بعض بعض اولیاء شیطان کو بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مسیح دجال کو بھی یہ کیفیت حاصل ہوگی۔ ترمذی میں ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ دجال کے والدین تیس سال زندگی بسر کرینگے۔ مگر انکے ہاں کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا۔ پھر ایک لڑکا تولد ہوگا۔ وہ کانا ہوگا۔ اسکے دانت بڑے بڑے ہونگے اس میں کوئی فائدہ کی نہ ہوگی۔ اسکی آنکھیں تو سوئینگی مگر دل نہ سوئے گا [1]۔ یہ مسیح دجال کا استدراج ہے۔ جو اولیاء کی کرامات کے مد مقابل ہے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک رات خواب میں مسیح موعود کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ اور پھر اسکے بعد مسیح دجال کو بھی طواف کرتے دیکھا [2]۔ اس سے بھی دجال کے استدراج کیطرف اشارہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ آنکھ کا سونا اور دل کا جاگنا نبیوں کی خصوصیات سے نہیں۔ بلکہ یہ کیفیت تو دوسروں کو بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور جب مسیح دجال کو یہ کیفیت استدراجاً حاصل ہو سکتی ہے تو اولیاء رامت کو بھی یہ کیفیت کرامتاً حاصل ہو سکتی ہے۔ ہاں تو بات یہ ہے کہ چونکہ تزکیہ کا کام نبی آخر الزمان کے سپرد ہے۔ اسلئے ان اذکار کی تعلیم کا کام بھی آپکے ذمہ ہے۔ یہ کام یا تو آپ خود سرانجام دیتے ہیں۔ یا یہ کام خلیفوں مجددوں وغیرہ کے واسطہ سے سرانجام پاتا ہے۔ حضرت اویس قرنی کو جو افضل التابعین مانے جاتے ہیں۔ ان اذکار کی تعلیم براہ راست رسول اللہ صلعم سے ہوئی اور وہ بھی غائبانہ طور۔ کیونکہ آپ نے حضور علیہ الصلوۃ کی ظاہری ملاقات کا فخر حاصل نہیں کیا تھا۔ جو لوگ نسبت اویسی رکھتے ہیں۔ انکو بھی براہ راست ان اذکار کی تعلیم ذات نبوی سے ہوتی ہے۔ ان کے ماسوائے

---

[1] مشکوۃ باب قصہ ابن صیاد۔ [2] مشکوۃ باب علامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجال منتخب جلد ۶۔ ص ۳۰۔ ویسے ذکر نفسی اور ذکر خفی (یعنی قلبی اور روحی) کا بیان مجمل نصوص میں موجود ہے۔ جیسا کہ متن کتاب میں مذکور ہے۔

جو کاملین افراد ہیں۔ انکو ان اذکار کی تعلیم خلیفہ مجدد وقت [1] ابدالوں کے واسطہ سے ہوتی
ہے۔ آپکی روح مقدس جسکی طاقتیں وفات کے بعد کم نہیں ہوئیں۔ بلکہ بڑھیں۔ اس
کام میں حسب ضرورت مصروف رہتی ہیں۔ کیونکہ یہ کام تزکیہ کا آپکے سپرد ہے۔ اور
تا قیامت آپکے سپرد رہیگا۔

۲۷ ـــ اب آپ غور کریں کہ ان اذکار سے کیا۔ کیفیت پیدا ہوسکتی ہے۔ قرآن پاک
میں ہے۔ کہ ذکر سے اطمینان نفس یا قلب پیدا ہوتا ہے۔ اطمینان نفس یا قلب افراد انسانی
کیلئے عروج کمال ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ اے نفس مطمئنہ تو لوٹ اپنے پروردگار کیطرف
درحالیکہ تو راضی کرنے والی ہے۔ اور راضی ہوئی ہوئی ہے۔ سو داخل ہو میرے بندوں
میں۔ اور داخل ہو میری جنت میں [1] نفس کی تین قسمیں قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ نفس امارہ [2]
نفس لوامہ [3]۔ نفس مطمئنہ۔ نفس امارہ زیاکاروں کا نفس ہے۔ نفس لوامہ مومنوں
مجاہدوں کا نفس ہے۔ اور نفس مطمئنہ کاملوں کا۔ نفس اسوقت تک نامرادی کی حالت
میں رہتا ہے۔ جب تک کہ اسے اطمینان حاصل نہ ہو اور جب اسے اطمینان حاصل ہو جاتا
ہے۔ تو وہ اس اضطراب سے جو اسکا اور قلب مضطر کا حصہ ہے رہائی پاتا ہے۔ نفس
میں خواہشیں اور آرزوئیں پیدا ہوتی رہتی ہیں [4] ان خواہشوں اور آرزوؤں کیوجہ سے
نفس ہمیشہ بے چینی اور اضطراب کی حالت میں رہتا ہے۔ اور چونکہ نفس کا قلب کیساتھ
جگری تعلق ہے۔ اس لئے قلب بھی نفس کی اس بے چینی سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔
اور خود بھی بے چین رہتا ہے۔ حدیثوں میں قلب کے اس اضطراب اور بے چینی کا تفصیلی
ذکر موجود ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ بنی آدم کے دل رحمٰن کی انگلیوں کے بیچ میں ہوتے ہیں
وہ ایک دل کیطرح انکو پھیرتا ہے۔ جیسے کہ چاہتا ہے۔ پھر آپ نے یہ دعا مانگی۔ اے

[1] یا ایتھا النفس المطمئنۃ ترجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی
فجر - ۸۹ - ۲۷ تا ۳۰ - [2] النفس تمنی وتشتھی متفق علیہ مشکوۃ باب الایمان بالقدر

دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر پھیرے رکھ [1] ترمذی اور ابن ماجہ میں
بھی اسی قسم کی روایتیں موجود ہے [2] مسند احمد میں ہے۔ کہ دل کی مثال ایک پر کی سی
ہے۔ جو چٹیل میدان میں پڑا ہو۔ اور جسے ہوائیں اوپر نیچے کرتی رہیں [3] جب نفس پاک
ہوتا ہے۔ تو قلب بھی سلامتی کی روش اختیار کرتا ہے۔ اصطلاح شریعت میں ایسے
نفس کو نفس مطمئنہ اور ایسے قلب کو قلب سلیم کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور بالتحقیق
اسکی جماعت سے ابراہیم تھا۔ جبکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس سلیم دل کیساتھ آیا [4] ہاں تو بات
یہ ہے۔ کہ ذکر اللہ سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ لوگ جو ایمان
لائے اور جنکے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوئے۔ دیکھو اللہ کے ذکر سے ہی تو دل اطمینان
پاتے ہیں [5] جیسی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ ہر شئی کا صیقلہ ہوتا ہے۔ اور دل کا صیقل
اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے [6] یہی صیقلہ دوسرے لفظوں میں صیقلہ عشق ہے ؎

بگیر صیقلۂ عشق در زنگ تن بزدائی   ببیں در آئینہ جان جمال جاناں را

ذکر کی قرآن اور احادیث میں بے حد تعریف کیگئی ہے۔ قرآن میں تو یہاں تک کہدیا گیا ہے
کہ نماز بھی اللہ کے ذکر کے لئے قائم کیگئی ہے [7] ذاکروں کو ہی اللہ کی دوستی کا سزاوار قرار دیا گیا
ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ میرے بندوں میں سے میرے دوست اور میری مخلوق سے
میرے یار وہ لوگ ہیں۔ جو مجھے یاد کرتے ہیں اور میں انکو یاد کرتا ہوں [8] ذاکروں کو ہی حق
تعالیٰ کی ہمنشینی اور مصاحبت حاصل ہوتی ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ میں اپنے بندے
کیساتھ ہوتا ہوں۔ جبکہ وہ مجھے یاد کرتا ہے [9]

[1] [2] [3] مشکوۃ باب الایمان بالقدر [4] وان من شیعتہ لابراہیم اذجاء ربہ بقلب سلیم۔ صفت ۳۷ - ۸۳ و ۸۴
الامن اتی اللہ بقلب سلیم شعراء - ۲۶ - ۸۹ - [5] الذین امنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن
القلوب رعد ۱۳ - ۲۸ - [6] مشکوۃ باب ذکر اللہ - روایت بیہقی [7] واقیموا الصلوٰۃ لذکری الآیۃ
[8] منتخب جلد اول ص۱۴۲ - روایت احمد - [9] مشکوۃ باب ذکر اللہ وانا معہ اذا ذکرنی الخ - صحیحین

۲۸ ـــ ایک پہلو تو یہ ہوا ۔ اب دوسرا پہلو لیجئے ذکر اللہ سے حُب اللہ پیدا ہوتی ہے اور اصول بھی یہی ہے ۔ کہ من احب شیئًا اکثر من ذکرہٗ[1] ایمان کا معیار حب اللہ ہے ۔ والذین اٰمنوا اشد حُبًا لِلّٰہ[2] یعنی مومنوں کو اشد ترین محبت اللہ سے ہوتی ہے ۔ کمال ایمان اطمینان قلب[3] نفس ہے ۔ اور ذکر کے بغیر یہ اطمینان حاصل نہیں ہوتا[4] پس ظاہر ہوا کہ ذکر اللہ کے بغیر حُب اللہ کا حصول ناممکن ہے ۔ اور چونکہ حب اللہ اور ذکر اللہ کا راستہ بتانا رسول اللہ کا کام ہے ۔ اسلئے کوئی مومن اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا ۔ جب تک کہ اُسے رسول سے اشد ترین محبت نہ ہو ۔ صحیحین میں ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک اسکو مجھے اپنے باپ بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہو[5] یہاں مومن یا ایمان سے فردِ کامل مراد ہے ۔ کیونکہ فرد مطلق بلا قرینہ معارضہ کے فرد کامل پر محمول کیا جاتا ہے ۔ پس ظاہر ہے ۔ کہ کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک اسکو اشد ترین حُب رسول نہ ہو ۔ قرآن پاک میں ہے تو کہدے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو ۔ اللہ تم سے محبت کریگا[6] اس آیت کی بنا پر نتیجہ مقدمات ذیل کی ترتیب سے اخذ ہوتا ہے ۔ صغریٰ ۔ جو حُب رسول میں بڑھا ہوگا ۔ وہ متابعت رسول میں پیش پیش ہوگا ۔ کبریٰ جو متابعت رسول میں پیش پیش ہوگا ۔ وہ محبوب الٰہی ہونے میں بڑھا ہوا ہوگا ۔ نتیجہ ۔ جو حُب رسول میں بڑھا ہوا ہوگا وہ محبوب الٰہی ہونے میں بڑھا ہوا ہوگا ۔ گویا مطلب یہ نکلا ۔ کہ رسول اللہ صلعم سے شدید ترین محبت رکھنے والا حق تعالیٰ کا محبوب ہوگا ۔ حق تعالیٰ کی محبوبیت کسی زمانہ اور وقت کے اندر محدود نہیں ۔ پس رسول اللہ صلعم سے محبت رکھنے والا ہر ایک زمانہ میں ہوسکتا ہے ۔ یعنی آپکی حیات میں بھی ہوسکتا ہے ۔ اور آپکی وفات کے بعد بھی ۔ اگر کسی

---

[1] منتخب باب ذکر اللہ ۔ جلد اول ۔ [2] بقرہ ۔ ۱۶۵ ۔ [3] الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ۔ رعد ۔ ۱۳ ۔ ۲۸

[4] مشکوٰۃ کتاب الایمان [5] قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم ۔ اٰل عمران ۔ ۳۱

کو آپکی وفات کے بعد آپ سے محبت نہیں ۔ تو سمجھ لو کہ اسے حق تعالیٰ سے دور کا بھی تعلق نہیں ۔ اور وہ راندہ حق ہے ۔ اور جو راندہ حق ہے ۔ وہ ابلیس لعین کا دوست ہے ! اس لئے ضرور ہوا کہ آپکی وفات کے بعد بھی آپ سے ویسی ہی محبت ہونا چاہیئے جیسی کہ آپکی زندگی میں ہوسکتی تھی ۔ پس جہاں تک کہ متابعت رسول اور محبوبیت حق کا تعلق ہے ۔ آپکی حیات اور ممات میں کوئی فرق نہیں ۔ اس لئے ظاہر ہے کہ آپکی محبت سالکوں کے لئے آب حیات ہے ۔ جس سے اُن کے دل زندہ ہوتے اور منزل مقصود کو پونچتے ہیں ۔ گویا کہ آپ دردمندوں اور عاشقوں کے ابوالابا رشناوراں بحر حیات کے اُستاد الاساتذہ اور حکمشاں بادہ عشق کے وہ ساقی اعظم ہیں ۔ جن کی محبت و اطاعت پیاسے کے دوا رسے پہنچا دیتی ہے ؎

کیمائیست عجب بندگیٔ پیر مغاں　　　خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند

۲۹ ـــ ایک چیز اور لیجئے ۔ احسان ایک شرعی اصطلاح ہے ۔ شارع علیہ السلام اسکی یوں تعریف فرماتے ہیں ۔ کہ تو اللہ کی عبادت کر گویا کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے ۔ اور اگر یہ نہ ہو ۔ تو پھر کم از کم یہ ہو کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے[1] اس بات کو وہی پا سکتا ہے ۔ جو اینما تولّوا فثمّ وجہ اللہ کی حقیقت سے روشناس ہوچکا ہو ۔ اس حقیقت کو وہی پونچ سکتا ہے ۔ جس نے حق تعالیٰ کو کسی بہترین منظر میں دیکھ پایا ہو ۔ اور حق تعالیٰ کا بہترین منظر ذات نبوی ہے[2] ؎

روئے تو مگر آئینۂ لطف الٰہی ست　　　حقا کہ چنین ست درین روئے ریا نیست

حق تعالیٰ کو اس منظر میں وہی دیکھ سکتا ہے ۔ جس نے اپنے آپکو حُب رسول میں فنا کردیا ہو ۔ وہ وہی شخص ہوسکتا ہے ۔ جس نے ذکر حق کو انتہا تک پونچا دیا ہو ۔ ذکر حق کو انتہا

---

[1] صحیحین مشکوٰۃ کتاب الایمان [2] من رانی فقد رأی الحق ۔ متفق علیہ مشکوٰۃ کتاب الرؤیا ۔ اس حدیث کی تعبیر یہ بھی کی جاتی ہے کہ رسول کا دیکھنا گویا خدا کا دیکھنا ہے اور یہ غلط نہیں ۔ کائنات میں کامل ترین مظہر حق عفتھا الیہم کا خاتم النبیین ہے اور ایسے مظہر کو دیکھنا خود کو دیکھنا ہے ۔

تک پہنچانے والا وہی ہوسکتا ہے۔ جس نے ذکر روحی یعنی لطیف و صعب ترین ذکر میں کمال حاصل کر لیا ہو۔ ذکر روحی میں کمال حاصل کرنے والا وہی شخص ہوسکتا ہے جس اس ذکر کو کامل استاد یعنی خود رسول اللہ صلعم سے یا قائمقام رسول یعنی خلیفہ یا مجدد وقت یا امام وقت سے حاصل کیا ہو[1]۔ اس ذکر کے حصول کے لحاظ سے آپکی روح وفات کے بعد ایسے ہی زندہ ہے جیسے کہ حیات کے وقت تھی۔ اور اسے اب بھی وہی قوتیں حاصل ہیں۔ جو کہ اُسے حیات کے وقت حاصل تھیں۔ ؎

رخ عرش کی قندیل ہے۔ قد شمع تجلے
اللہ کی قدرت کا تماشہ ہے بشر بھی

۳ — ذکر قلبی۔ ذکر روحی۔ حب اللہ۔ اور حب رسول اللہ انسان کے اعلیٰ ترین کمالات سے ہیں۔ یہ کمالات محض ذاتی کوشش سے حاصل نہیں ہوسکتے لیس للانسان الا ما سعیٰ بے شک ایک کلیہ صادقہ ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی تو ایک کلیہ ہے۔ کہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے[2]۔ پس ان دونوں کلیات کو ملا کر جو نتیجہ نکلتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان کو سعی بھی کرنا ہے۔ اور حق تعالیٰ سے فضل و رحمت بھی مانگنا ہے۔ جب یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہوں۔ تو پھر ضرور گوہر مقصود ہاتھ آجاتا ہے۔ اور جب ذکر لسانی دائمی ہے۔ تو پھر قلبی اور روحی ذکر بطریق اولیٰ دائمی ہونا چاہیے۔

[1] مسند احمد میں ہے۔ من مات بغیر امام فقد مات میتۃ جاھلیۃ۔ منتخب جلد اول صفحہ ۶۔ دوسری حدیث ہے۔ من مات لا بیعۃ لہ مات میتۃ جاھلیۃ۔ فصل بیعہ منتخب اول ص ۶۳۔ امام کی بیعت تقوی پہ ہوتی ہے۔ اور بیعت تقوی منعقد ہونے پر امام ذمہ وار اس بات کا ہوتا ہے کہ وہ صاحب صلاحیت مومن کو دین کے رموز و اسرار سے بتدریج واقف کرے اور اسے ذکر نفی قلبی اور روحی سے آگاہ کرے۔ اور اسے یہ بھی اپنے وقت پر بتائے کہ دل کی بیداری کس مقام پر پہنچتی ہے۔ اس مسئلہ بیعت پہ جداگانہ بحث کی گئی ہے جو مضمون علیحدہ کتاب کی شکل میں شائع ہوگا۔ دیکھو منتخب جلد اول فصل بیعت و باب پنجم کتاب ہذا۔

[2] واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ الآیۃ

صحیح مسلم میں دائمی ذکر کا ایک جداگانہ باب باندھا گیا ہے۔ اور اس میں یہ حدیث موجود ہے مجھے قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم ہمیشہ اس حالت میں رہو جس میں کہ تم میرے پاس ہوتے ہو اور اگر تم ہمیشہ ذکر میں رہو۔ تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کریں۔ لیکن اے حنظلہ یہ کیفیت کبھی کبھی ہوتی ہے[1]۔ قرآن شریف میں بھی ذکر دائمی کا اشارہ موجود ہے۔ وہ لوگ جنکو نہ تو تجارت اور نہ بیع اللہ کی یاد۔ قیام نماز اور ادا زکوۃ سے غافل کرتی ہے۔ الخ[2]۔ سورہ آل عمران میں ہے بالتحقیق آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور دن اور رات کے یکے بعد دیگرے آنے میں نشانیاں ہیں۔ عقلمندوں کیلئے جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور پہلوؤں پہ یاد کرتے ہیں[3] اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں[4]۔ جو لوگ کمالات انسانی اور کیفیات اذکار سے ناواقف ہیں۔ وہ یہاں ذکر سے صرف نماز مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ ذکر اور نماز دو مختلف چیزیں ہیں جو قرآن میں بالتواتر استعمال کیگئی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ نماز میں جو ذکر اللہ آتا ہے۔ وہ ذکر مقید ہے۔ ذکر مطلق ہے ہر جگہ ذکر مقید مراد نہیں لیا جاسکتا۔ اس لئے یہاں بھی ذکر سے محض صلوۃ مکتوبہ مراد نہیں۔ آپ پر ذکر اور صلوۃ کا فرق آیات ذیل سے واضح ہوگا۔ اور جب نماز ادا ہو جائے تو تم زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کا فضل چاہو۔ اور اللہ کو بہت یاد کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ[5]۔ یہ جملہ مرکبہ دو

[1] صحیح مسلم جلد دوئم۔ ص ۳۴۲ باب دوام الذکر والفکر فی امور الآخرۃ والمراقبۃ۔ [2] رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ۔ نور ۲۴۔ ۳۷۔ منافقون ۶۳-۹۔ [3] الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم الخ۔ آل عمران ۱۹۰۔ [4] ان فی خلق السموٰت والارض واختلاف اللیل والنہار لآیت لاولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموٰت والارض الخ آل عمران ۳-۱۸۹ و ۱۹۰۔ [5] فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون جمعہ ۶۲-۱۰

جادو ن شرطیہ اور جزائیہ سے بنا ہے ۔ اور چونکہ علم بیان کے رو سے شرط اور جزا لازمی طور پر مختلف چیزیں ہوتی ہیں ۔ اس لئے نماز اور ذکر دو مختلف چیزیں ہوئیں ۔ کوئی یہ نہ کہیگا کہ جب نماز ادا ہو جائے تو نماز پڑھو یا جب روٹی کھا چکو تو روٹی کھاؤ ۔ دوسری جگہ قران میں ہے ۔ واقم الصلوٰۃ لذکری اب اسکا کوئی یہ ترجمہ نہ کریگا کہ ذکر میرے ذکر کیلئے قایم کرو ۔ یا نماز میری نماز کیلئے قایم کرو ۔ حدیثوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نماز اور ذکر دو مختلف چیزیں ہیں ۔ ذکر کے اجتماع کو حلق الذکر کہتے ہیں ۔ اور نماز کے اجتماع کو صفوف صلوٰۃ ۔ ترمذی میں ہے ۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغیچوں سے گذرو تو اس میں چرو چگو ۔ صحابہ نے عرض کی کہ جنت کے باغیچے کون ہیں ۔ فرمایا ۔ ذکر کے حلقے [1] یہ دوسری بات ہے ۔ نماز کے ادا کرلنے سے ذکر کا فرض حکم ادا ہو جاتا ہے ۔ مگر جہاں تک نوافل کا تعلق ہے نماز کی ادائیگی سے مطلق ذکر کا حکم ادا نہیں ہوتا ۔ سورہ جمعہ میں ہے اے مومنو ! جب جمعہ کے دن نماز کیلئے ندا دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑو [2] یہاں دنیاوی کاروبار اور تجارت چھوڑ کر اللہ کے ذکر کی طرف دوڑنے کا حکم ہے چونکہ نماز میں ایک حد تک ذکر اللہ موجود ہے ۔ اسلئے نماز کے ادا کرلنے سے اس حکم کی بجا آوری ہو جاتی ہے ۔ اور ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں ۔ کہ یہاں مطلق ذکر مقید ذکر کے ذریعہ سر انجام پایا [3] مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا ۔ کہ ذکر سے ہر حالت میں نماز ہی مراد ہے ۔ امام شافعی رح کی یہ رائے ہے کہ مطلق مقید پر محمول کیا جاتا ہے ۔ اگرچہ مطلق اور مقید دو مختلف حادثوں میں واقع ہوں ۔ مثلاً کفارہ قتل میں قید ایمان کی ہے

[1] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ ۔ حدیث میں الفاظ حلق الذکر آئے ہیں ۔ [2] یا ایہا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع جمعہ ۶۲ - ۹ [3] یہاں نماز جمعہ کا وقت قرینہ صارفہ ہے اس بات کے لئے کہ مطلق ذکر سے مقید ذکر مراد ہے ۔

جیسے کہ قران میں ہے ۔ ومن قتل مومنًا خطاءً فتحریر رقبۃ مومنۃ الآیۃ لیکن کفارہ ظہار اور یمین میں ایمان کی قید نہیں کیونکہ وہاں صرف فتحریر رقبۃ وارد ہوا ہے ۔ اس لئے امام شافعی رح تینوں صورتوں میں رقبۃ سے رقبۃ مومنہ مراد لیتے ہیں جو درست نہیں ۔ باقی آئمہ مطلق کو معنے مطلق پر اور مقید کو معنی مقید پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جہاں مطلق ہو وہاں مضمون اطلاق پر ہی مفہوم ہونا چاہیئے ۔ اور جہاں مقید ہو ۔ وہاں مفہوم بھی تقیید پر مبنی ہونا چاہیئے ۔ اور یہ بات بالکل صاف ہے [1] اور یہی درست طریق تعبیر ہے ۔ اس لئے اس آیت کے متعلق بھی جو اوپر مذکور ہوئی ۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کھڑے بیٹھے اور پہلوؤں پر ذکر سے مراد صرف نماز ہے ۔ بلکہ یہاں تو وہ مطلق ہوتی ہیں ۔ قیام ۔ قعود اور اضطجاع ۔ ان تینوں حالتوں میں ہر وقت وہی ذکر جاری رہ سکتا ہے ۔ جو دائمی ہو ۔ اور دائمی ذکر کے متعلق صحیح مسلم میں ایک جدا گانہ باب باندھا گیا ہے ۔ جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے ۔ کہ ایسا ذکر بھی ایک ہے جو ہر وقت ہر لمحہ جاری رہتا ہے ۔ اور وہ ذکر نفسی ۔ قلبی ۔ اور روحی کے سوا ادا کیا ہو سکتا ہے ۔ لُبّ [2] کی اصطلاح قران میں خواص کیلئے استعمال کی گئی ہے ۔ اور یہ دائمی ذکر بھی خواص کا ہی شیوہ ہے ۔ اس آیت میں اس دائمی ذکر کی تحریص کا اشارہ ہی حکم نہیں اور نہ دائمی ذکر کا حکم ہر کہ ومہ کیلئے دیا جا سکتا ہے ۔ ذکر اللہ کیساتھ حب اللہ اور حب اللہ کیساتھ ذکر اللہ لازم ملزوم کا حکم رکھتے ہیں ۔ مسند احمد کی حدیث قدسی ہے کہ بندہ صریح ایمان کا مستحق نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اللہ کیلئے محبت نہ کرے اور اللہ کیلئے بغض نہ رکھے ۔ اور جب اللہ کیلئے محبت کرتا ہے ۔ اور اللہ کیلئے بغض رکھتا ہے ۔ تو وہ اللہ کی دوستی کا سزاوار ہو جاتا ہے ۔ اور میرے بندوں میں سے

[1] قال الشافعی ان المطلق محمول علی المقید وان کانا فی حادثین ۔ وعندنا لا یحمل المطلق علی المقید الخ دیکھو حسامی ص ۲۵ و ۲۶ [2] لاولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیامًا الخ ۔

میرے دوست اور میری خلعنت میں سے میرے یار وہ ہیں جو مجھے یاد کرتے ہیں۔ اور میں انکو یاد کرتا ہوں [۱] ترمذی میں ہے کہ مفردون یعنی تفرید اختیار کرنے والے وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ کی یاد میں شیفتہ و فریفتہ ہوں [۲] مسلم کی روایت میں ہے کہ مُفردون وہ مرد اور عورتیں ہیں۔ جو اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں [۳] یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلعم ہر وقت اللہ کو یاد کیا کرتے تھے [۴] بہرحال جو اہمیت ذکر اللہ کو حب اللہ کے باب میں حاصل ہے۔ اسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کے دل کے اندر مختلف چیزوں کی محبت چھپی ہوتی ہے۔ مثلاً اُسکے دل میں عورتوں بچوں۔ دولت۔ متاع دنیا مویشی کھیتی وغیرہ کی محبت مرتکز ہوتی ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے۔ زینت دیگئی ہے لوگوں کیلئے خواہشات کی حُب کو متعلق عورتوں بیٹیوں سونے چاندی کے جمع کئے ہوئے ڈھیروں اچھے سدھے ہوئے گھوڑوں۔ مویشیوں۔ اور کھیتی کے۔ یہ دنیا کی زندگی کے سامان ہیں [۵] جب تک انسان کے دل کے اندر ان فانی چیزوں کی محبت موجود ہے۔ تب تک حق تعالی کی محبت اسکے دل کے اندر جاگزین نہیں ہو سکتی۔ اور جب سالک اللہ کا ذکر شروع کرتا ہے۔ تو پھر حق تعالی کی محبت اسکے دل میں پیدا ہونے لگتی ہے۔ اور جوں جوں ذکر دائمی ہوتا جاتا ہے۔ غیر اللہ کا خیال دل سے اترتا جاتا ہے۔ اور جب اللہ کا ذکر صحیح معنی میں دائمی ہو جاتا ہے۔ تو پھر اللہ کی محبت اِن فانی چیزوں کی محبت کو مٹا دیتی ہے۔ اور تمام خواہشات پر غالب آجاتی ہے۔ اس وقت اسے ذاکر کا کان آنکھ ہاتھ پاؤں دل زبان ہو جاتا ہے۔ اور غیریت کا پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ اس وقت سالک حق تعالی کا صحیح معنی میں مظہر بنتا۔ اور درجہ محبوبیت حاصل کرتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ کیفیت اللہ کی خاص مہربانی

[۱] منتخب جلد اول ص ۴۱ – فضل فی مجانۃ الایمان [۲] حصن حصین۔ ص۔ ۲۰ و ۲۱ افضل الذکر [۳] مشکوۃ باب ذکر اللہ [۴] کان یذکر اللہ علی کل احیانہ۔ مسلم ترمذی۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ منتخب جلد ۳ ص ۲۶۳ شمائل نبوی الذکر [۵] کان احب العمل الیہ ادوم علیہ صاحبہ بخاری ابن ماجہ منتخب جلد ۳ ص ۲۶۳ [۶] زین للناس حب الشہوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث۔ آل عمران

اور رسول کی دعا سوا پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہی کیفیت دوسرے لفظوں میں تزکیہ کہلاتی ہے۔ اور اسی پر کمالات روحانی کا دار و مدار ہے۔ اس سالک ذاکر پر ذکر کرتے کرتے اور منازل سلوک میں جادہ پیمائی کرتے کرتے ایک ایسا وقت آجاتا ہے۔ جبکہ اس کو رسول کی نظر رحمت سے جاذبہ یا دقہ الہی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے صوفیوں اور عارفوں کے نقطہ نظر سے روحانی یا طلسمانی مس [۱] کہتے ہیں۔ عین اس وقت رسول کا ہاتھ اسکی مدد کو بڑھتا ہے۔ اور رسول اللہ صلعم کی دعا و مدد اور نظر و توجہ سے سالک کے جسم و جان کے اندر روحانی بجلی دوڑ جاتی ہے۔ اور اس کا اندر باہر نور حق سے پر ہو جاتا ہے۔ اسی حقیقت کو حضرت حافظ یوں بیان کرتے ہیں ؎

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند | وندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند
بیخود از شعشعہ پرتو ذاتم کردند | بادہ از جام تجلی صفاتم دادند

یہ کیفیت سالک کو رسول کی دعا اور توجہ بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک اسے یہ کیفیت حاصل نہ ہو۔ وہ صحیح معنے میں پاک نہیں ہو سکتا۔ یہ کیفیت ہر سالک کو فرداً فرداً حاصل کرنا پڑتی ہے۔ اور اس لئے رسول اللہ صلعم کی روح اقدس کو ہر ایک سالک کی فرداً فرداً امداد کرنا ہوتی ہے۔ اور جب اس طرح سالک کی مدد روح نبوی سے ہوتی ہے۔ تو پھر وہ عروۂ کمال پر پہنچتا۔ اور پورے طور پاک ہو جاتا ہے۔ معاویہ کی روایت ہے۔ انہوں نے نبی صلعم کو یہ کہتے ہوا سنا کہ جس سے اللہ تعالی نیکی کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے تفقہ فی الدین کا مرتبہ عطا کرتا ہے۔ اور میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں۔ عطا کرنے والا اللہ ہے [۲] قاسم یعنی تقسیم کرنے والیکے ہاتھ میں سب کچھ ہوتا ہے

[۱] [illegible]

[۲] وانما انا قاسم واللہ یعطی۔ بخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلعم یتخولھم بالموعظۃ والعلم کی لاینفروا۔ مشکوۃ کتاب العلم صحیحین۔

معطی تو معطی ہے۔ لیکن جب تک تقسیم کرنے والا نہ دیوے تب تک کچھ بھی نہیں مل سکتا تقسیم کرنے والے کو ذیل کی باتوں کا لحاظ رکھنا ہوتا ہے۔

اول ۔ عطیہ رب کا کون کون مستحق ہے۔

دویم ۔ ہر ایک کو کس کس قدر عطیہ ملنا چاہیئے۔

سویم ۔ کس کس وقت ہر عطیہ ملنا چاہیئے۔

چہارم ۔ عطیہ کس کس قسم کا ہونا چاہیئے۔

پاکیزگی تمام عطیوں سے بڑا عطیہ ہے۔ اس کا تقسیم کرنا بھی رسول اللہ صلعم کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ قاسم علے الاطلاق آپ ہی ہیں۔ پس یہ بات ثابت ہے کہ پاکیزگی کا عطیہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے۔ رسول اللہ صلعم کی وساطت سے پہنچتا ہے۔ جو قاسم علے الاطلاق ہیں۔ اور اسی مضمون قاسمیت کیطرف ویزکیہم ویزکیہم میں اشارہ ہے یہ دائمی ذکر اور اسکے ساتھ فکر جس کا کہ اوپر ذکر ہوا۔ اللہ کی خاص عنایات سے ہے۔ جو نبی کے ذریعہ اور نبی کے بعد اسکے خلیفوں مجددوں اماموں ابدالوں۔ کے ذریعہ افراد امت کو پہنچتا ہے۔ یہی صورت حُب اللہ اور حُب رسول کی ہے۔ اور یہی چیزیں پاکیزگی کے وسائل ہیں۔ یہ چیزیں نبی کو تو براہ راست حق تعالیٰ سے عطا ہوتی ہیں۔ اور دیگر افراد کو نبی کے واسطہ سے پس سمجھ لینا چاہیے۔ کہ یہ چیزیں تزکیہ کے مضمون کے مطابق رسول اللہ صلعم کی خاص توجہ سے ملتی ہیں۔ نبی کی توجہ دو شکلوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ ایک دعا اور دوسرے نظر۔ نبی کی دعا اور نظر میں حیرت انگیز اور غیر معمولی اثر پنہاں ہوتا ہے۔ آپکی نظر اور آپکی دعائے سے سالک کے باطن کے اندر وہ وارفتگی پیدا ہوتی ہے۔ جو ہزاروں خموں کے لنڈھانے سے بھی پیدا نہیں ہو سکتی ہے

شاہ عشق آمد و شہر دل من ویران کرد
لیک صد گنج بہر زاویہ پنہا و کنوں
ساقی بزم خدائے درمے خانہ کشاد
صد ہزاراں خم از خمخانہ بمن داد کنوں

[21] ـــ یوم حُنَین کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک مٹھی کنکریوں کی اُٹھائی اور کفار کے منہ پر پھینکی۔ اور فرمایا! انکا منہ ہوا نتیجہ یہ کہ کفار کو شکست فاش ہوئی۔ یہ روایت صحیح مسلم کی ہے [22] بخاری میں ہے۔ کہ آپ نے مسلمہ بن اکوع کی پنڈلی پر جس میں زخم آیا تھا۔ تین پھونکیں دیں۔ اور وہ صحیح و سالم ہو گئی۔ یہ آپ کی دعا کا اثر تھا۔ جو پھونکوں کی شکل میں نمودار ہوا [23] یوم حدیبیہ کو جبکہ اسلامی لشکر میں پانی کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں ایک کوزہ پانی کا لایا گیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس کوزی میں ڈالا پانی آپکی انگلیوں سے مثل چشمہ پھوٹ پڑا۔ اور پندرہ سو کے قریب آدمی اس پانی سے سیراب ہوئے یہ بھی آپکی دعا کا اثر تھا [24] یوم خندق کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کے پاس کھانے کا سامان ختم ہو گیا تھا۔ جابر کے پاس ایک صاع گندم اور ایک بچہ بکری کا تھا۔ بچہ ذبح کیا گیا۔ اور روٹیاں پکائی گئیں آپ نے برکت کی دعا کی۔ تو یہ کھانا سارے لشکر کیلئے جو تین دن سے بھوکا تھا۔ کافی ہوا۔ یہ روایت صحیحین کی ہے [25] ایک بار امساک باراں ہوا۔ رسول اللہ صلعم سے عرض کی گئی۔ آپ نے دعا کی اور موسلا دھار بارش ہوئی [26] بخاری میں ہے۔ کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلعم سے امساک باراں اور قحط کی شکایت کی۔ اور دُعا کیلئے عرض کی آپکی دعا سے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک لگاتار بارش ہوتی رہی۔ پھر وہی شخص حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگا۔ کہ اب تو گھر بھی ڈھنڈار ہونے لگے۔ اور چار پائے مرنے لگے ہیں۔ آپ نے پھر دعا کی تو بارش تھمی [27] اسی طرح کی اور بھی حدیثیں باب استسقا میں مذکور ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک بھائی کی اپنے بھائی کیلئے پیٹھ پیچھے دعا قبول کی جاتی ہے۔ اس کے پاس ایک فرشتہ متعین ہوتا ہے۔ جب کوئی اپنے بھائی کیلئے دعا کرتا ہے۔ تو فرشتہ آمین کہتا ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے۔ کہ تجھے بھی ایسا ہی ملے [28] ترمذی اور ابو داؤد کی روایت بھی اس سے ملتی جلتی ہے [29]

[21] مشکوۃ باب المعجزات [22] مشکوۃ باب المعجزات [23] مشکوۃ باب المعجزات [24] مشکوۃ باب المعجزات [25] مشکوۃ باب الاستسقاء روایت ابو داود [26] بخاری باب الاستسقاء۔ [27] مشکوۃ کتاب الدعوات [28] ایضاً [29] ایضاً۔

ترمذی میں ہے کہ تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ افطار کے وقت صائم کی۔ امام عادل کی اور مظلوم کی الخ [۱] جب امام عادل کی دعا اکارت نہیں جاتی۔ تو پھر نبی کی دعا بھی اکارت نہیں جا سکتی۔ ہاں اگر نبی کافروں اور مشرکوں کیلئے دعا کریں۔ تو وہ قبول نہ ہوگی۔ قرآن پاک میں ہے۔ تو ان کیلئے بخشش مانگ یا نہ مانگ۔ اگر تو ان کیلئے ستر بار بھی بخشش مانگیگا جب بھی اللہ ان کو نہ بخشیگا۔ یہ اسلئے کہ وہ اللہ اور اُسکے رسول پر ایمان نہ لائے۔ اور اللہ حد سے بڑھنے والی قوم کو ہدایت نہیں کرتا [۲] دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تو ان کیلئے نماز جنازہ پڑھ۔ تحقیق تیری نماز جنازہ انکے لئے سکون کا باعث ہوتی ہے [۳] پس ظاہر ہے۔ کہ مومنوں کیلئے آپکی دعا سو بیماریوں کی ایک دوا ہے ؎

یارسول اللہ بحالِ عاصیاں کن یک نظر

تا شوند آں یک نظر کار فقیراں ساختہ

۲۳ — رسول اللہ صلعم کی آنکھ بھی دعا کا اثر رکھتی ہے۔ جس پر آپ غضب یا محبت کی نظر ڈالینگے۔ اُسے اثر ہوئے بغیر نہ رہیگا۔ کیونکہ نظر میں بھی دعا مضمر ہوتی ہے۔ آنکھ کی چار بڑی قسمیں ہیں۔ غیر تربیت یافتہ بُری آنکھ [۱] تربیت یافتہ بُری آنکھ [۲]۔ غیر تربیت یافتہ اچھی آنکھ [۳]۔ تربیت یافتہ اچھی آنکھ [۴]۔ ان میں سے ہر ایک کے مدارج جداگانہ ہیں۔ غیر تربیت یافتہ بری آنکھ تمام لوگوں میں سے کسی کسی کی ہوتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ آنکھ برحق ہے یعنی آنکھ کا اثر ضرور ہوتا ہے [۴] ابن ماجہ میں بھی اسی سے ملتی جُلتی حدیث موجود ہے [۵] نسائی میں ہے کہ تم اپنے بھائی کو کس لئے ہلاک کرتے ہو جب کوئی تم سے اپنے بھائی کی اچھی چیز دیکھے۔ تو اسکے لئے برکت کی دعا کرے [۶] مسند احمد میں

---

[۱] مشکوۃ کتاب الدعوات۔ [۲] استغفر لہم اولا تستغفر لہم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لہم۔ ذلک بانہم کفروا باللہ ورسولہ واللہ لا یہدی القوم الفسقین براۃ ۹-۱۰۰ [۳] وصل علیہم ان صلوتک سکن لہم۔ براۃ ۹-۱۰۳ [۴] منتخب جلد ۳ ص ۴۵ [۵] العین حق الاسم احمد منتخب جلد ۳ فصل العین ص ۴۵ [۶] منتخب جلد ۳ ص ۴۵

بھی اس سے ملتی جُلتی حدیث موجود ہے [۱] یہ معمولی بُری آنکھ کے بُرے اثرات ہیں۔ اگر یہی آنکھ تربیت یافتہ ہو۔ جیسی کہ ساحروں اور دوسری خبیث روحوں کی ہوا کرتی ہے تو پھر یہ اور بھی غضب ڈھائے دیتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جادو کوئی چیز نہیں حالانکہ نظام کائنات چاہتا ہے۔ کہ ہر روشنی کیساتھ ایک سیاہی ہو۔ ورنہ روشنی کو کوئی روشنی نہیں کہہ سکتا۔ ہر سفید علم یعنی نورانی علم کیساتھ کالا علم یعنی ظلماتی علم موجود ہے رسول اللہ صلعم کا سکھایا ہوا روحانی علم نورانی علم ہے۔ اور ساحروں اور خبیث روحوں کا سکھایا ہوا علم کالا علم۔ قرآن مجید میں ہے کہ سلیمان نے انکار نہیں کیا۔ انکار تو شیاطین نے کیا۔ جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے [۲] اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ سحر کفر کیساتھ الحاق رکھتا ہے۔ کہ یہ ایک علم ہے جو سکھایا جا سکتا ہے۔ اور کہ اسکے ذریعہ سے مرد عورت میں تفرقہ ڈالا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں مرد عورت کے مابین تفرقہ ڈالنے کا خاص طور ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اس لئے کہ ایمان کے تباہ ہونے۔ اور معاشرت و تمدن کے بگڑنے کا اصلی باعث عورتوں اور خاوندوں کے کشیدہ تعلقات ہوتے ہیں۔ جہاں خاوند زوجہ کی آپس میں بگڑی وہاں بد روشی۔ بد اندیشی۔ اختفادی ابتری اور خانہ بربادی کا دور دورہ شروع ہوا۔ اس سے ایمان کی جڑیں بھی کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ابلیس کا حملہ جو ایمان پر ہوتا ہے۔ وہ اسی راہ سے ہوتا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے۔ کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر نصب کرتا اور اپنی ذریات کو فتنہ پردازی پر مامور کر کے اطراف و اکناف میں بھیجتا ہے ان سب میں سے اسکو اپنا مقرب بناتا ہے جو خاوند اور زوجہ کے درمیان جدائی ڈالے [۳] پس ظاہر ہے کہ ساحروں جادوگروں اور خبیث روحوں کا کام دنیا میں تباہی پھیلانا ہے

---

[۱] منتخب جلد ۳ ص ۴۶۔ [۲] وما کفر سلیمان ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر وما انزل علی الملکین ببابل ہاروت وماروت وما یعلمن من احد حتی یقولا انما نحن فتنۃ فلا تکفر فیتعلمون منہما ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ الخ۔ بقرہ ۲-۱۰۲ سحر کا ذکر قرآن میں متعدد جگہ آیا ہے دیکھو سورہ آل عمران ۳-۲۳، ۲۷-۱، ۲-۳۶، ۲۵-۱، ۲۱-۳ [۳] مشکوۃ باب الوسوسہ۔ روایت مسلم۔

اور حقیقت میں کالے علم کا منتہائے مقصود یہی ہے۔ اسی لئے ساحر کی سزا موت ہے
ترمذی میں ہے کہ ساحر کی سزا یہ ہے کہ اس کا سر قلم کیا جائے[1] ساحروں اور کالے علم
والوں کی آنکھ اگر تربیت یافتہ ہو تو پھر وہ تو ستم کرئے دیتی ہے۔ غیر تربیت یافتہ اچھی آنکھ
عام مومنوں میں سے کسی کسی کی ہوتی ہے۔ اور تربیت یافتہ اچھی آنکھ نبیوں اور کامل
ولیوں کی ہوتی ہے۔ اور ایسی آنکھ کی روحانی قوت کے متعلق نظائر و شواہد موجود ہیں
اللہ کی آنکھ کا اثر جو ہوتا ہے وہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ حق تعالیٰ نے کوہ
طور پر اپنی ایک معمولی سی نظر ڈالی۔ تو وہ پہاڑ ریزے ریزے ہو گیا[2] یہ حق تعالیٰ کی تجلی
ذاتی تھی۔ جب حق تعالیٰ کے دید کی یہ حالت ہو تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ معمولی سی
دید سے ناقص سے ناقص انسان دوجہ کمال پر اپہنچ سکتا۔ اور چشم زدن میں عروج
کے تمام مراتب طے کر سکتا ہے۔ نبی اور کامل ولی کی آنکھ حق تعالیٰ کے نور سے معمور ہوتی
ہے اور اس میں بھی بلا کا اثر ہوتا ہے۔ مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے رسول اللہ صلعم نے
فرمایا کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں سے بہترین کون ہیں۔ عرض کی۔ فرمائیے۔ بولے
تم میں سے بہترین وہ ہیں جنہیں دیکھکر خدا یاد آئے[3] جب کامل مومنوں کی یہ کیفیت
ہو کہ کوئی اُن کے چہرے کو دیکھے۔ تو اُنکے اندر خدا کی یاد کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ تو اگر یہ
کامل لوگ کسی کو اپنی تربیت یافتہ آنکھ سے دیکھیں۔ تو پھر خدا ہی جانتا ہے۔ کہ وہ کیا
کیا کیفیت انسان کے باطن کے اندر پیدا کر سکتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے۔ کہ نیک
بندوں کے چہروں کو دیکھنا عبادت ہے۔ چنانچہ طبرانی اور حاکم میں ہے کہ علی کے چہرے
کو دیکھنا عبادت ہے یہ اصول کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت
کرتا ہے تو وہ اُسکا کان آنکھ ہاتھ پاؤں دل زبان ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بخاری اور مسند

[1] منتخب جلد ۳ ص ۵۴ فصل السحر۔ [2] فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکاً و خرّ موسیٰ صعقاً۔ اعراف ۷۔ ۱۴۳۔
[3] مشکوۃ باب الحب فی اللہ و من اللہ ۔ و باب حفظ اللسان ۔ ص ۳۵۴ و ۳۷۴۔

احمد کی روایت میں ہے[1] ایک ایسے بندے کا جسکی آنکھ خود خدا بن گیا ہو۔ دیکھنا وہ وہ
کیفیتیں پیدا کر سکتا ہے جو کسی کے انسان گمان میں بھی نہیں آسکتیں۔ ترمذی میں ہے
کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے[2] یہ حدیث بھی پہلی
حدیث کی تائید میں ہے۔ ان سے صاف ظاہر ہے کہ فانی فی اللہ یعنی جس مومن کے
جذبات و خواہشات اللہ کی محبت میں فنا ہو چکے ہوں۔ اور جو ہر کام کرتے وقت اللہ کے
ساتھ ہوتا [illegible] کے عطا کئے ہوئے نور کے بل بوتے پر دنیا میں کارفرما ہوتا ہو۔ ایسے
کامل مومن کا دیکھنا معمولی بات نہیں۔ اور پھر جو وہ پوری محبت سے دیکھے۔ تو اس
دیکھنے کا کیا کہنا۔ وہ تو دوسرے کے باطن کو نور سے معمور کر دینا اور اُسے پیالے دوارے
پہنچا ہی دیتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند — آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

حضرت صرفی کہتے ہیں ؎

چوں چشم ناز خویش بصد حیلہ وا کنند — سگ را ولی کنند و مگس را ہما کنند

حضرت حافظ کہتے ہیں ؎

سنگ و گل را کنند از یمن نظر لعل و عقیق — ہر کہ قدر نفس باد یمانی دانست

یہ تو کامل مومن کا دیکھنا ہوا۔ ایک نبی مرسل کا دیکھنا اور بھی زیادہ پر اثر اور فیض رساں
ہوتا ہے۔ جس ذات کی نسبت یہ کہا جائے۔ کہ اسکا پھینکنا اللہ کا پھینکنا ہے۔ اور
کہ اسکا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے[3] اس کا دعا کی نیت سے نظر بھر کر دیکھنا۔ بے حد کیف آور
اور حیرت افزا ہونا چاہیئے۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر نبی مرسل کسی شخص کو کمال محبت کی نظر
سے دیکھے اور اس کے باطن پر اپنا اثر ڈالے تو ضرور ہے۔ کہ وہ شخص چشم زدن میں پاک

[1] منتخب جلد اول ص ۱۲ اور ۱۳ مشکوۃ باب ذکر اللہ [2] منتخب جلد اول ص ۲۳ ۔ فراست [3] و ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ
انفال ۸ ۔ ۱۷ ۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیہم ۔ فتح ۴۸ ۔ ۱۰ ۔

ہو کر کمال ولایت کو پونہچ جائے ۔حضرت خاتم النبیین نے ایک نابینا کو نظر بھر کر دیکھا ۔اور اسکے لئے دعا کی ۔ وہ معًا بینا ہو گیا [1] حضرت عیسے علیہ السلام آنکھ سے دیکھ کر اور کچھ منہ سے یا دل سے کہہ کر مردے زندہ کیا کرتے تھے ۔ اللہ تعالی کی آنکھ ایسی نہیں ۔جیسی کہ انسان کی ہوتی ہے ۔حق تعالیٰ دیکھتا ہے تو کسی اور ہی آنکھ سے اسی طرح روح کا دیکھنا بھی کسی اور طرح کا دیکھنا ہے ۔ یہ آنکھ کی طاقت ہیولی اور مادہ کی طاقت نہیں ۔ بلکہ یہ تو روح کی طاقت ہے ۔ اور جب روح جسم سے جدا ہونے کے بعد بھی زندہ رہتی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہ قوت وید بھی اسکے ساتھ رہے بالخصوص اس صورت میں جبکہ دوسروں کو پاک کرنے کا منصب اُسکے سپرد ہو ۔

ششم ۔ دین حق کو سب دینوں پر غالب کرنا

۴۳ —— چھٹا منصب رسول اللہ صلعم کا یہ ہے کہ وہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دیں [2] یہاں قابل غور بات یہ ہے ۔ کہ معیار غلبہ کیا ہے ۔میرے خیال میں یہ کثرت افراد میں مرکوز ہے ۔ دین اسلام باقی ادیان پر اسوقت صحیح معنے میں غالب آسکتا ہے ۔جبکہ مسلمانوں کی تعداد باقی ہر ایک دین کے پیرؤں سے زیادہ ہو ۔یہی صورت غالبیت اور مغلوبیت کی ہے ۔ اس وقت بدھ مذہب اور عیسائیت کے نام لیوا بالانفراد مسلمانوں سے تعداد میں زیادہ ہیں ۔ اور اسلام ان پر اسوقت غالب آئیگا ۔جبکہ مسلمان کی تعداد ہر دوسرے دین کے ماننے والوں سے بالانفراد زیادہ ہو جائے ۔ مسند احمد میں ہے کہ روئے زمین پر کوئی خیمہ یا کوئی گھر نہ رہیگا ۔جس میں کلمہ اسلام داخل نہ ہوگا ۔تو اسوقت دین سب اللہ کیلئے ہوگا [3] یہ وقت ابھی اسلام پر نہیں آیا اور اب آنے کو ہے ۔بعض مفسر یہ وقت

[1] روایت ترمذی نسائی ۔ ابن ماجہ ۔ مستدرک حاکم حصن حصین ص ۲۰۳ ۔ [2] هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین كله ولو كره المشركون صف ۶۱ ۔ ۹ ۔ [3] مشکوٰۃ کتاب الایمان ۔

حضرت ابن مریم کے نزول کا بتاتے ہیں ۔میرے خیال میں یہ زمانہ اس وقت سے شروع ہوگا جبکہ امام مہدی ظاہر ہونگے ۔جیساکہ حدیثوں میں ہے ۔ ابوداؤد میں ہے ۔رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مہدی مجھسے ہوگا ۔ وہ کشادہ پیشانی اور استادہ بینی والا ہوگا ۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیگا جب کہ وہ اس سے پہلے ظلم وستم سے بھری ہوگی ۔ اور وہ سات سال تک حکومت کریگا [4] ترمذی میں بھی یہی الفاظ ہیں یعنی کہ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیگا ۔جب کہ وہ ظلم وستم سے بھری ہوگی [5] ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے کہ اسکے وقت میں اسلام کو تمکن اور قرار حاصل ہوگا ۔ اور شام کے ابدال اور اہل عراق کے خیار اسکے ہاتھ پر بیعت کرینگے [6] بہر حال کوئی وقت بھی ہو وہ وقت ابھی اسلام پر نہیں آیا ۔ اور جب آئیگا تو حضور علیہ الصلوٰۃ کی روحانی توجہ کی بدولت آئیگا ۔ اگر خاتم النبیین اپنی روحانی طاقت سے آئندہ کام نہ لینگے تو اسلام پر یہ عروج وصعود کا وقت کبھی نہ آئے گا ۔گویا اسلام کا یہ غلبہ بھی آپکی روح مقدس کی خاص توجہ کا رہین منت ہے ۔ اور یہ کام بھی آپ کا ہی ہے ۔کیونکہ آپ آخری نبی ہیں جنکے بعد اور کوئی نیا نبی مبعوث نہ ہوگا ۔ اسلئے ظاہر ہے کہ یہ منصب آپ کا ابھی صحیح معنی میں سر انجام پذیر نہیں ہوا [7] و جب سر انجام پذیر ہوگا ۔تو آپکی روح عظمیٰ کی توجہ سے ہوگا ۔ جواب عالم برزخ میں مشاہدہ ربی میں مستغرق ہے ۔

۴۴ —— اب اس مرحلہ پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے ۔ کہ کیا اس امر کیلئے شواہد موجود ہیں ۔ کہ جو غیر معمولی طاقتیں روح نبوی کو زندگی میں حاصل تھیں ۔ وہ وفات کے بعد بھی حاصل رہیں ۔متعدد شواہد حیات کے اور بعد حیات کے جو ہم پونہچ سکے ہیں ۔یہاں درج کئے دیتا ہوں

[4] مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ ۔ [5] مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ [6] ایضاً ۔ [7] اسکے متعلق صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے کہ یہ بات یعنی غلبہ دین ابھی اللہ کی مرضی سے ہونے والا ہے ۔مشکوٰۃ باب قرب الساعۃ ۔ص ۴۱ ۔ قرب الساعۃ کے باب سے ہی اس بات کا اشارہ ملتا ہے ۔ کہ یہ غلبہ قرب قیامت سے کچھ پہلے ہوگا ۔ اور حدیث میں بھی ۔ الفاظ ہیں کہ اسکے بعد دیندار لوگ وفات پا جائینگے جو باقی رہینگے ۔ اپنے آبائی دین کیطرف لوٹ جائینگے ۔ ۱۲ ۔

اول ۔حضور کی باطنی آنکھ زندگی میں کھلی تھی ۔ اور باطنی کان بھی کھلے تھے ۔ دیگر جوارح باطنی بھی کھلے تھے ۔ اسکے متعلق کچھ نصوص اوپر درج ہو چکی ہیں ۔ وفات کے بعد کے شواہد پیش کرنے بہت مشکل ہیں ۔ کیونکہ آپ اسوقت دوسری دنیا میں ہیں ۔ جہاں کے حالات پر سے پردہ اٹھانا محال ہے ۔ پھر بھی کوشش کر کے متعدد شواہد بہم پہنچائے گئے ہیں ۔ پہلے زندگی کے شواہد پیش کرتا ہوں ۔ اسکے بعد وفات کے بعد کے شواہد پیش کرونگا ۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں ۔ کہ ایک مرتبہ نبی صلعم ممبر کے زینہ پر چڑھے اور فرمایا آمین ۔ عرض کیا گیا کہ حضرت آپ کس بات پر آمین کہہ رہے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرائیل آئے اور کہنے لگے کہ اس شخص کی ناک خاک میں رگڑ دی جائے جسے رمضان کا مہینہ ہاتھ آئے اور اسکے گناہ نہ بخشے جائیں ۔ آپ بھی آمین کہئے اسلئے میں نے بھی آمین کہی [۲۹] ۔ بجیرہ والد بجیر بیان کرتے ہیں کہ میں اس لشکر میں تھا جسے رسول اللہ صلعم نے خالد بن ولید کے ہمراہ بادشاہ دومۃ الجندل کے پاس بھیجا ۔ آپ نے فرمایا کہ تم اکیلا کو اس حال میں پاؤ گے ۔ کہ وہ چاندنی رات میں گائے کا شکار کھیل رہا ہوگا ۔ پس اکیلا اسی حال میں پایا گیا [۳۰] ۔ ایک بار نبی صلعم بنی معاویہ میں صلح کرانے کیلئے تشریف لے گئے ۔ آپ نے یکایک ایک قبر کیطرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تو نے کچھ نہ معلوم کیا ۔ ایک صحابی نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ۔ ہم آپ کے قریب کسی شخص کو نہیں دیکھتے ۔ آپنے فرمایا کہ میرا گذر اس قبر پر ہوا ۔ اس میت سے اس وقت میری بابت سوال کیا جا رہا تھا ۔ اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا ۔ اس پر میں نے کہا تو نے کچھ نہ معلوم کیا [۳۱] ۔ اسد الغابہ میں درج ہے کہ جناب کبھی فتح مکہ کے دن ایمان لائے ۔ انہوں نے رسول اللہ صلعم سے روایت کی ہے کہ آپ نے ایک میانہ

[۲۹] اسد الغابہ ۔ تذکرہ انس بن مالک ۔ [۳۰] اسد الغابہ ۔ تذکرہ بجیر بن ابن بجیر [۳۱] تذکرہ بشیر بن اکال ۔ اسد الغابہ ۔

قد آدمی سے فرمایا کہ جبرائیل میرے دائیں جانب ہیں اور میکائیل میری بائیں جانب اور فرشتوں نے میرے لشکر پر سایہ کیا ہے ۔ تم کچھ شعر اپنے سناؤ ۔ اس شخص نے تھوڑی دیر سر جھکایا اور پھر کچھ اشعار آپکی تعریف میں کہے [۳۲] ۔ ایک بار حارث بن ابی ضرار اپنی لڑکی کا فدیہ دینے کیلئے گھر سے نکلے ۔ اور مقام عقیق میں پہنچے ۔ ان کے ساتھ کچھ اونٹ فدیہ کے تھے ۔ ان میں دو اونٹ بہت خوشنما تھے ۔ جو آپکو بہت پسند خاطر تھے ۔ اس لئے انہوں نے انکو وادی عقیق کے درہ میں چھپا دیا ۔ پھر آپ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں آئے ۔ اور کہنے لگے ۔ کہ اے محمد آپ لوگوں نے میری لڑکی کو گرفتار کر لیا ہے ۔ یہ اسکا فدیہ ہے ۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ وہ دو اونٹ کہاں ہیں ۔ جو تم نے مقام عقیق کے فلاں درے میں چھپائے ہیں ۔ حارث بول اٹھے ۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد انک رسول اللہ ۔ میری اس بات سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہ تھا ۔ اس پر انکے دونو بیٹے اور اسکی قوم کے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے ۔ یہ حارث حضرت جویریہ زوجہ نبی صلعم کے والد بزرگوار تھے [۳۳] ۔ عبداللہ ابن الحارث جویریہ بنت حارث کے بھائی تھے ۔ نبی صلعم کی خدمت میں وفد بن کر آئے راستہ میں ایک توشہ دان اور ایک سیاہ فام لونڈی گم ہو گئی ۔ جب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں پہنچے ۔ تو آپ نے سب قیدیوں کو دیکھ بھال کر فرمایا کہ تم کیا چیز لائے ہو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ میں تو کچھ نہیں لایا ۔ آپ نے فرمایا ۔ توشہ دان اور سیاہ فام لونڈی کہاں ہے ۔ اس پر عبداللہ نے اسلام قبول کیا ۔ اور عرض کیا کہ کوئی مجھے سبقت کر کے آپکی خدمت میں حاضر نہیں ہوا [۳۴] ۔ حضرت ابوبکر بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلعم کے مبعوث ہونے سے پہلے ایک دفعہ یمن گیا ۔ اور وہاں ایک شیخ کے

[۳۲] تذکرہ جناب ۔ کلبی اسد الغابہ ۔ [۳۳] اسد الغابہ ۔ حارث بن ابی ضرار ۔ [۳۴] اسد الغابہ ۔ حارث بن الحارث ۔

یہاں مہمان ہوا۔ وہ شیخ آسمانی کتابوں کا عالم تھا۔ اور اسکے علاوہ اور علوم کا بھی ماہر تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا کہ مجھے خیال ہے کہ تم حرم کے رہنے والے ہو۔ میں نے کہا ہاں پھر وہ بولا کہ میں تمکو قریشی سمجھتا ہوں۔ میں نے کہا ہاں میں قریشی ہوں۔ اسی طرح اس نے چند ایک باتیں اور پوچھیں۔ اسکے بعد وہ بولا کہ ایک نبی حرم میں مبعوث ہونگے۔ انکے کام میں ایک جوان اور ایک بوڑھا مدد دینگے۔ اس نے جوان اور بوڑھے (ادھیڑ) دونوں کا حلیہ بتایا۔ پھر اس نے میری بائیں ران دیکھکر کہا کہ وہ ادھیڑ تم ہو۔ پھر اس نے کچھ اشعار اپنے بنائے ہوئے رسول کی شان میں پڑھے۔ جب حضرت ابوبکر واپس مکہ آئے تو اس وقت رسول اللہ صلعم مبعوث ہوچکے تھے۔ حضرت ابوبکر اُن سے ملے۔ اور پوچھا کہ آپکے نبی ہونے کی دلیل کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا وہ شیخ جس سے تم نے یمن میں ملاقات کی۔ حضرت ابوبکر بولے کہ یمن میں تو بہت سے شیخ ہیں۔ حضرت نے فرمایا وہ شیخ جس نے تمکو اشعار سنائے تھے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ ایمان لے آئے [۲] عبداللہ بن عمرو انصاری کی شہادت پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ روؤ نہ۔ ان پر فرشتے اپنا سایہ کئے ہوئے ہیں [۳] عبداللہ ابن غُسیل کے والد اُحد کے دن شہید ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ اس روز سے حنظلہ کے بیٹے کو ابن غسیل کہتے ہیں [۴] جناب رسالتمآب صلعم نے حضرت عثمان سے ایک دفعہ فرمایا کہ تم مظلومیت کی حالت میں قتل کئے جاؤگے اور تمہارے خون کا قطرہ فسیکفیکھم اللہ پر گریگا۔ چنانچہ انکی شہادت اسی طور ہوئی [۵] آپنے عشرہ مبشرہ کو جنت کی خوشخبری پہلے سے دیدی تھی۔ ایک دفعہ آپ حضرت ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کوہ احد پر تھے۔ پہاڑ ہلنے لگا۔ آپ نے فرمایا اُحد ٹھہر تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں [۶] ایک روز آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ کیا تم بھی سنتے ہو۔ جو میں

[۱] اسد الغابہ۔ حارث بن الحارث۔ [۲] اسد الغابہ تذکرۃ حضرت ابوبکر۔ [۳] اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن عمرو انصاری [۴] تذکرہ عبداللہ بن غسیل اسد الغابہ [۵] ذکرہ حضرت عثمان اسد الغابہ۔ [۶] ایضاً

سنتا ہوں صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کیا سنتے ہیں۔ فرمایا آسمان سے چرچراہٹ کی آواز آرہی ہے۔ اور آنا بھی چاہئے۔ کیونکہ آسمان پر تل دھرنے کو بھی جگہ نہیں۔ اور کوئی مقام ایسا نہیں جہاں کوئی فرشتہ قیام رکوع یا سجود میں نہ ہو۔ پھر آپنے یہ آیت پڑھی۔ وانا لنحن الصافون وانا لنحن المسبحون [۱] اسکے علاوہ اور بہت سے ایسے مواقع صحابہ کو پیش آئے۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ کے باطنی جوارح سب اپنے کمال کو پونچے ہوئے تھے۔ یہ باطنی جوارح جو آپکی زندگی میں کمال ارتقاء کو پونچ چکے تھے۔ وفات کے بعد بھی اسی حالت میں رہے۔ جس روز حضرت علی رضؓ شہید ہوئے ام کلثوم رضؓ پردہ کے اندر سے رونے لگیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ چپ رہو۔ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔ اگر تم دیکھتیں تو نہ روتیں۔ انہوں نے عرض کی۔ آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا یہ ملائکہ آئے ہوئے ہیں۔ اور یہ انبیاء ہیں۔ اور یہ حضرت محمد صلعم فرمارہے ہیں۔ اے علی خوش ہو۔ کیونکہ تم جس حالت کیطرف لوٹ رہے ہو۔ وہ اس حالت سے بہتر ہے جسمیں تم اسوقت ہو۔ یہ ام کلثوم حضرت علی کی صاحبزادی اور حضرت عمر بن الخطاب کی زوجہ تھیں [۲] اس سے ذیل کی باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اول حضرت علیؓ کی باطنی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اور اُن کے باطنی کان بھی کھلے ہوئے تھے۔

دوئم۔ حضرت علیؓ کی وفات پر ملائکہ کیساتھ انبیاء اور خاتم النبیین کا پونچنا ثبوت اس امر کا ہے۔ کہ روحیں طے مکان اور طے زمان پر قادر ہوتی ہیں۔ اور دم کے دم میں کہیں سے کہیں جا پونچتی ہیں۔ نبیوں اور کامل ولیوں کی روحیں طے مکان اور طے زمان کے باب میں ملائکہ سے کسی طرح کم نہیں۔

سوئم۔ نبیوں اور کامل مومنوں کی روحیں باطنی جوارح سے بولتی۔ سنتی اور دیکھتی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جناب خاتم النبیین کی روح اقدس کو جو طاقتیں حیات کے وقت

[۱] اسد الغابہ۔ تذکرہ علاء بن سعد ساعدی۔ [۲] اسد الغابہ تذکرہ حضرت علیؓ

حاصل تھیں۔ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر وفات کے بعد حاصل ہوئیں۔

سلمیٰ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ام سلمہ کو دیکھا کہ وہ رو رہی تھیں۔ میں نے پوچھا آپ کیوں رو رہی ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا آپکے سر اور داڑھی پر غبار تھا۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ۔ یہ کیا حالت ہے۔ آپ نے فرمایا میں ابھی حسینؓ کی شہادت دیکھ رہا تھا۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دوپہر کو خواب میں رسول اللہ صلعم کو دیکھا۔ آپ کھڑے تھے۔ اور آپکے چہرے پر غبار زدہ پراگندگی کے آثار تھے۔ آپکے ہاتھ میں خون کی ایک شیشی تھی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ خون کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ حسینؓ کا خون ہے۔ اسے آج صبح سے اُٹھا رہا ہوں۔ حساب لگایا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ اسی دن شہید ہوئے تھے[1] اس سے ذیل کی باتیں اخذ ہوتی ہیں۔

اول۔ شہادت کربلا میں واقع ہوئی۔ اور آپ مدینہ پاکر بلا میں شہادت کا واقعہ دیکھ رہے تھے۔ پس ظاہر ہے کہ آپکی باطنی آنکھ کھلی تھی

دوئم۔ آپکی روح کو یہ طاقت حاصل ہے۔ کہ وہ جسوقت جس سے چاہے مل سکتی ہے۔ اگر آپکی روح بیداری میں بھی متجلی ہو۔ جیسا کہ اولیاء کاملین پر متجلی ہوتی ہے۔ تو یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ امام حسینؓ کو اپنی شہادت کا حال پہلے سے معلوم تھا۔ جب آپ عراق کیطرف روانہ ہونے لگے۔ تو صحابہ نے آپکو روکا۔ مگر آپ نے نہ مانا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے۔ وہ میں ضرور کرونگا۔ چنانچہ آپ عراق کیطرف روانہ ہو گئے[2] اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت رسالتمآب کی روح کو بڑی قوتیں حاصل ہیں۔ وہ وفات کے بعد بھی احکام جاری کر سکتی ہے۔ اگرچہ وہ احکام شریعت سے تعلق نہیں رکھتے۔ حضرت بلالؓ رسول اللہ صلعم

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت حسین رضؓ [2] تذکرہ امام حسین رضؓ

کے انتقال کے بعد شام کیطرف چلے گئے تھے۔ وہ رسول صلعم کی جدائی کیوجہ سے مدینہ میں نہ ٹھیر سکے تھے۔ اور بانگ نہ دے سکتے تھے۔ درحالیکہ رسول اللہ کا وجود باوجود زیر خاک پنہاں تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد شام میں ہی حضرت بلال نے ایک رات رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا اے بلال۔ کیا وہ وقت نہیں آیا۔ کہ تم ہماری زیارت کیلئے آؤ۔ صبح کو حضرت بلال نہایت رنج کی حالت میں بیدار ہوئے۔ اور مدینہ کیطرف چلدیئے جب نبی صلعم کی قبر اقدس پر حاضر ہوئے۔ تو قبر پر منہ رکھ کر رونے لگے اتنے میں حضرت حسنؓ اور حسینؓ آگئے۔ حضرت بلال نے ان کو گلے لپٹا لیا۔ اور انہیں پیار کرنے لگے حضرت حسنین نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں۔ کہ آپ آج صبح کی اذان دیں۔ چنانچہ حضرت بلال مسجد کی چھت پر چڑھے جب انہوں نے اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ کہا تو سارا مدینہ ہل گیا۔ جب انہوں نے اشہد ان لا الہ الا اللہ کہا تو اور زیادہ جنبش ہوئی۔ پھر جب انھوں نے اشہد ان محمد رسول اللہ کہا تو عورتیں اپنے پردوں سے باہر آگئیں۔ اس دن سے زیادہ رونے والے مرد اور عورتیں نہ دیکھے گئے[1] اس سے ذیل کی باتیں مستنبط ہوتی ہیں۔

(۱) خاتم النبیینؐ کی روح کو یہ طاقت حاصل ہے۔ کہ وہ اسقدر فاصلہ دم کے دم میں طے کر کے حضرت بلال کی روح سے ملے۔ اور اُسے مدینہ آنے کا حکم دے۔

(۲) روح نبوی نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ ہماری زیارت کرو۔ گویا قبر نبوی کی زیارت خود آپکی زیارت ہوئی۔ اور یہ عین حدیث من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی کے مطابق ہے[2] آپکی قبر کی زیارت آنکھ والوں کیلئے عین رسول صلعم کی زیارت ہے کیونکہ آپکی روح کی آمد رفت قبر اقدس میں جاری ہے۔ اور تاقیامت جاری رہیگی۔

(۳) قبر نبوی کے دیکھنے کیلئے زیارت کا لفظ استعمال کرنا جائز ہے۔

(۴) قبر اقدس پر صحابہ حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت حسنینؓ بھی وہاں حاضر ہوتے تھے۔

---

[1] تذکرہ حضرت بلال اسد الغابہ [2] روایت سنن بیہقی صاحب المدینہ فصل دوئم در زیارت قبر نبوی منتخب جلد ۲۔ ص ۲۰۲

(۵) حضرت بلالؓ قبر پر ٹھہر رہے اور وہاں رسالتمآب کے حضور میں فرط محبت سے روتے رہے۔ ہم نے کسی دوسرے مقام پر یہ ظاہر کر دیا ہے۔ کہ روح نبوی تو درکنار ہر صالح بندے کی روح کی طاقتیں وفات کے بعد کم و بیش بڑھ جاتی ہیں۔ حضرت ثابت بن قیس مشہور صحابی تھے۔ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ شہادت سے پہلے ان کے جسم پر ایک قیمتی زرہ تھی۔ ایک مسلمان کا گذر قتل گاہ سے ہوا۔ اور اس نے انکی زرہ دیکھکر اتار لی۔ ایک شخص نے حضرت ثابت کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے وصیت کی کہ خبردار اس کو خواب و خیال سمجھ کر ٹال دینا۔ جب میں کل شہید ہوا تو فلاں مسلمان نے میری زرہ اتار کر فلاں جگہ میں چھپادی۔ اور اس پر ایک دیگ اور دیگ پر ایک کجاوا رکھ دیا اس شخص کی قیامگاہ سب کے پیچھے ہے۔ اسکے خیمہ کے پاس ایک گھوڑا اتری لمبی رسی میں بندھا ہوا ہے۔ تم خالد کے پاس جاؤ۔ اور انکو کہو کہ وہ زرہ منگوالیں۔ اور جب تم مدینہ جاؤ تو خلیفہ رسول ؐ سے میری طرف سے عرض کرنا۔ کہ میرے اوپر اسقدر قرض ہے اور میرا فلاں فلاں غلام آزاد ہے۔ جب وہ شخص بیدار ہوا۔ تو حضرت خالد کے پاس آیا۔ اور سارا ماجرہ بیان کیا۔ انہوں نے وہ زرہ اسی طرح حاصل کی۔ جسطرح کہ خواب میں دکھائی گئی تھی۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ سے بھی یہ صورت حال بیان کی۔ انہوں نے آپکی وصیت کو جائز رکھا۔ [۱]

اس سے ذیل کی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) صالح مومن کی قوت ادراک وفات کے بعد بڑھ جاتی ہے۔ اور اس کا علم بھی بڑھ جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسکے باطنی جوارح وفات کے بعد زیادہ قوت حاصل کر لیتے ہیں۔

(۲) وصیت کا جائز رکھنا اور اسکو جاری کرنا ثبوت اس امر کا ہے۔

[۱] ثابت بن قیس اسد الغابہ۔

کہ صالح مومن وفات کے بعد جو کچھ کہے۔ سننے اور جاننے اسے عبث اور بے معنی سمجھنا چاہیے۔ بلکہ اس پر اُسیطرح عمل کرنا چاہیئے جسطرح کو زندہ کی بات پر کیا جاتا ہے۔ اس بات کی اہمیت کو کامل لوگ ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت عثمان میں ہے۔ کہ حضرت عثمان نے شہادت کے دن کی پہلی رات کو رسول اللہ صلعم اور شیخین کو خواب میں دیکھا حضرت نے فرمایا کہ صبر کرو۔ کیونکہ شام کو تم ہمارے پاس افطار کرو گے۔ چنانچہ اسی دن آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح نبوی اور کامل مومنوں کی روحوں کو وفات کے بعد بڑی بڑی طاقتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور کہ انکی زندگی کی روحانی طاقتیں بھی بحال رہتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کامل کے چھوٹے سے جرم کے اندر تمام کائنات کی قوتوں کا خلاصہ موجود ہے۔ یہی صحیح معنی میں وہ عالم صغیر ہے جسمیں فرش، عرش اور عالم کبیر تمام کا تمام گم ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیا خوب فرماتے ہیں ؎

داؤك فيك وما تشعر — دواؤك فيك وما تبصر
وتزعم انك جرم صغير — وفيك انطوى العالم الاكبر
وانت الكتاب المبين الذی — باحرفه يظهر المضمر
فلا حاجة لك من خارج — وفكرك فيك وما تفكر [۱]

حضرت مُبتی کہتے ہیں ؎

یا غمم اندر جہان و یا جہاں اندر من است — خرمن اندر دانہ و یا دانہ اندر خرمن است
چارۂ ایں کار پیش اہل دل آ ای جان من — مُردن اندر زیستن ہم زیستن در مُردن است

پس اہل عشق کی زندگی کچھ اور ہے۔ ع

آرے اہل عشق را موت و حیات دیگر است

[۱] تیری اپنی بیماری تیرے اندر ہے۔ اور تجھے خبر نہیں۔ تیری دوا تیرے پاس ہے۔ اور تجھے پتہ نہیں تو خیال کرتا ہے کہ تو چھوٹا سا جسم ہے۔ حالانکہ یہ عالم کبیر تجھ میں گم ہے۔ تو وہ کتاب ہے جسکے حرفوں سے پوشیدہ حقائق ظاہر ہوتی ہیں۔ بس تجھ کو کسی بیرونی شی کی ضرورت نہیں۔ تیرا فکر تیرے اندر ہے۔ اور تو نہیں سوچتا

۵ نمبر ۱ ــــ دوئم حضور علیہ الصلوٰۃ زندگی میں بھی مستجاب الدعوات تھے۔ اور وفات کے بعد بھی قیامت تک مستجاب الدعوات رہینگے۔ میری رائے میری کیا محققین کی یہ رائے ہے۔ کہ آپکی قوت ارادی جس سے اجابت دعا وابستہ ہے۔ اور آپکی قوت دعا اور آپکا تصرف بعد حیات بہت زیادہ ہوچکا ہوا ہے۔ زندگی کے شواہد پہلے درج کئے دیتا ہوں۔ پھر وفات کے بعد کے شواہد پیش کرونگا۔ حضرت ارقم نخعی صحابی تھے وہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ حضرت نے ان کو ایک تحریر لکھدی۔ اور انہیں دعا بھی دی۔ انکے بھائی ارطاۃ بن کعب بن شراجیل بھی اسلام لائے۔ انکے لئے بھی آپنے دعا فرمائی [2] اسلم حبشی اسود ایک یہودی کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ وہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام لائے۔ اور عرض کی کہ میں ان بکریوں کا چرواہا ہوں جو ایک یہودی کی ہیں۔ آپنے فرمایا کہ انکے منہ پر ایک مٹھی مٹی کی پھینکو۔ اسلم نے ایسا ہی کیا اور کہا کہ اے بکریو اپنے مالک کے پاس لوٹ جاؤ۔ پس وہ بکریاں لوٹ گئیں معلوم ہوتا تھا۔ کہ کوئی انکو ہانک رہا ہے۔ حتیٰ کہ وہ قلعہ میں داخل ہوگئیں [3] جناب رسالتمآب صلعم نے اسمر بن ساعد کے والد کیلیئے دعا کی [4] اسکے علاوہ مختلف اوقات پر آپنے صحابہ وغیرہ کیلیئے دعائیں مانگی ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں [5] (۱) اسود ابن سلیمہ کا بیٹا۔ (۲) اصرم شفری (۳) اعرس ابن عمرو یشکری (۴) آپ دعا فتح فقراء مہاجرین سے منگوایا کرتے تھے۔ (۵) تذکرہ امیہ بن خالد اموی (۵) انس بن فضالہ۔ (۶) انس بن مالک خادم رسول اللہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کی دس برس خدمت کی۔ آپنے انکو دعا دی۔ جسکا اثر یہ ہوا کہ انکے باغ کے پھلوں سے مشک کی سی خوشبو آتی تھی۔ اور باغ سال میں دو بار پھلتا تھا ان کو رسول اللہ صلعم نے کثرت مال و اولاد کی بھی دعا دی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی پشت

[1] تذکرہ ارقم بن نخعی بن اوس بن جہیش بن یزید نخعی۔ اسد الغابہ۔ [2] اسلم اسد الغابہ [3] اسد الغابہ تذکرہ اسمر ابن مساعد بن حارث مازنی۔ [4] ان کے تذکروں میں دعاؤں کا حال پڑہئے۔ اسد الغابہ

سے اسی بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ جب انکی وفات ہوئی۔ تو انکے بیٹے اور پوتے ایکسو بیس (۱۲۰) تھے (۷) اوس مُرائی۔ (۸) بدیل بن عمرو خطمی۔ (۹) قلب بن ثعلبہ۔ یہ نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور استغفار کیلیئے عرض کی آپ نے انکے لئے استغفار کی۔ (۱۰) ثمامہ ابن ابی ثمامہ (۱۱) جحدم ابن فضالہ۔ (۱۲) جریر ابن عبداللہ بن جابر۔ حضرت نے ان کیلیئے اور انکے قبیلہ کے مردوں اور گھوڑوں کیلیئے دعا فرمائی تھی۔ (۱۳) جُعَیل بن زیاد اشجعی۔ انکے گھوڑے کیلیئے آپ نے دعا فرمائی۔ ان کا گھوڑا چلنے میں بہت سست تھا۔ پھر بہت تیز رو ہوگیا۔ (۱۴) جُلَیبِیب انصاری۔ انکے بیوی کیلیئے آپنے دعا برکت کی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے یہاں دھن برسنے لگا۔ (۱۵) حارث ابن ربیع۔ (۱۶) حارثہ ابن عدی۔ (۱۷) جابر بن عبداللہ انکے لئے رسول اللہ صلعم نے ایک رات میں پچیس (۲۵) بار دعاء استغفار مانگی۔ (۱۸) ثابت ابن یزید انکے پاؤں میں کچھ نقص تھا۔ اور وہ زمین تک نہ پہنچتا تھا۔ حضرت کی دعا سے وہ پاؤں درست ہوکر پورا ہوگیا۔ (۱۹) حضور علیہ الصلوٰۃ حُدیبیہ میں اُترے وہاں کا چشمہ بالکل خشک ہوگیا ہوا تھا حضرت نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور دعا مانگی۔ معًا پانی اُبلنے لگا۔ تذکرہ جندب ابن ناجیہ (۲۰) حبیش ابن خالد۔ آپکی بیوی ام معبد تھی جب رسول اللہ صلعم اور ابوبکر رض مکہ سے ہجرت کرکے نکلے۔ تو اُن کا گذر ام معبد خزاعیہ کے خیموں پر ہوا۔ وہاں قحط پڑا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے خیمہ کے باہر ایک بکری دیکھی اور ام معبد سے پوچھا کہ اسکے دودھ ہے۔ ام معبد بولی کہ یہ بہت کمزور ہے۔ اسکے دودھ کہاں! حضرت نے فرمایا کہ تم اجازت دیتی ہو۔ کہ میں اسکا دودھ دوہ لوں۔ ام معبد نے اجازت دی۔ پس آپ نے بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا۔ اور اسمہ کا نام لیکر دعا کی معًا اسکے تھنوں میں دودھ اُتر آیا۔ اور آپ نے برتن منگواکر دودھ دُوہیا۔ آپ اور آپکے ساتھی اس دودھ سے سیر شکم ہوئے۔ دوسری بار آپنے دُوہیا اور ام معبد کا برتن بھر دیا۔ اور آپ تشریف لے گئے۔ جب ام معبد کا خاوند حبیش آیا۔ تو اس نے پیالہ

ماجرا اپنی بیوی سے سنا۔ دیکھو تذکرہ حبیش ابن خالد خزاعی کعبی۔ (۲۱) حبیب بن خدیک کا والد۔ یہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوے۔ انکی بینائی جاتی رہی تھی۔ وجہ یہ کہ ان کا پاؤں سانپ کے انڈوں پر پڑ گیا تھا۔ رسالت پناہ نے کچھ پڑھکر انکی آنکھوں پر دم کیا۔ تو انکی آنکھوں میں روشنی آگئی۔ حبیب کا بیان ہے۔ کہ اسی برس کی عمر میں بھی وہ سوئی میں دھاگا ڈال لیتے تھے۔ (۲۲) خدیم ابن حنیفہ بن خدیم صحابی تھے۔ انکی کنیت ابو حنظلہ تھی۔ رسول اللہ صلعم نے انکے بیٹے کیلئے برکت کی دعا کی۔ تذکرہ خدیم بن حنیفہ (۲۳) حربلہ ابن زید انصاری (۲۴) حرنبب ابن عمرو۔ انکے بیٹے عمرو کیلئے حضرت نے دعا کی۔ (۲۵) حصین بن اوس (۲۶) حصین بن ربیعہ بن عامر سرور کونین نے قبیلہ احمس کے گھوڑوں اور سواروں کیلئے دعا برکت فرمائی۔ (۲۷) قبیلہ اسلم کا ایک شخص بیمار ہوا رسول اللہ صلعم نے اس پر کچھ پڑھکر دم کیا۔ تذکرہ حکم کنیت ابو شبث (۲۸) ایک دن کچھ صحابہ نبی صلعم کے ہمراہ تھے۔ کہ حکم بن العاص اموی پاس سے گذرے۔ یہی شخص مروان کا باپ ہے۔ رسول اللہ صلعم نے اسے دیکھکر فرمایا کہ اس شخص کی نسل سے میری امت کی خرابی ہوگی۔ اس کو رسول اللہ صلعم نے طائف کیطرف نکال دیا تھا۔ یہ نبی صلعم کی رفتار اور حرکات کی نقل کرتا تھا۔ یہ نبی صلعم ٹھہر ٹھہر کر چلتے تھے۔ ایک روز آپنے پیچھے پھر کر دیکھا تو یہ بھی اپنی رفتار میں اسی طرح جھک جھک کے چل رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم ایسے ہی ہو جاؤ۔ چنانچہ انکو اس وقت سے رعشہ ہوگیا۔ عبد الرحمن بن ثابت نے عبد الرحمن بن حکم کی ہجو میں اسکا ذکر کیا ہے ؎

ان اللعین ابوک فارم عظامہ ان نوم ترم فعلجًا مجنونا

یمسی خمیص البطن من عمل التقی ویظل من عمل الخبیث بطینا

ترجمہ۔ تیرا باپ لعین ہے۔ سو تو اسکی ہڈیوں کو پھینکدے۔ اگر تو پھینکیگا۔ تو ایک لنگڑے مجنون کو پھینکیگا۔ وہ پرہیزگاری کے کام سے ہمیشہ خالی پیٹ رہتا ہے۔ اور برے

عمل سے اسکا پیٹ بھرا رہتا ہے ؎۔ (۲۹) جلیس ابن زید بن صفوان نبی صلعم نے انکے منہ پر ہاتھ پھیرا اور انکے لئے دعا کی۔ (۳۰) حیادہ ابن مخرم تیمی۔ انکے لئے نبی صلعم نے دعا خیر کی (۳۱) خالد ابن ولید۔ حنین کے دن خالد زخمی ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے اُن کی زخم پر کچھ پڑھکر پھونکا۔ تو وہ اچھے ہو گئے۔ (۳۲) خبیب ابن اساف۔ بدر کے دن انکے چوٹ لگ گئی تھی۔ اور اُن کا ایک پہلو جھک گیا تھا۔ نبی صلعم نے اپنا لعاب دہن اُس پر ڈالا۔ ہاتھ پھیرا اور اسکو اونچا کر دیا۔ تو آپ درست ہو گئے (۳۳) خزیمہ ابن عاصم نبی صلعم نے ان کے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ چنانچہ اسکی برکت سے وہ مرتے وقت تک نوجوان رہے۔ (۳۴) خلاد ابن رافع۔ یہ بدر کے دن رسول اللہ صلعم کے ہمراہ تھے۔ ان کا اونٹ بہت دبلا تھا اور پیچھے رہتا تھا۔ مقام بریدہ میں روحاء کے اس طرف ان کا اونٹ بالکل بیٹھ ہی گیا۔ اسی حال میں تھے کہ آپ سے ماجرا اونٹ کا عرض کیا گیا۔ آپ اپنے اونٹ سے اترے۔ اور وضو کر کے غسالہ وضو میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ پھر وہ غسالہ کچھ اونٹ کے منہ میں ڈالا۔ کچھ اسکے سر پر ڈالا۔ کچھ اسکی گردن۔ شانے۔ کوہان۔ سرین اور دم پر ڈالا۔ اور فرمایا۔ اے اللہ رافع اور خلاد کو لے چل۔ یہ کہکر آپ چلدیئے۔ اونٹ اس قدر تیز ہو گیا۔ کہ اُس نے رسول اللہ صلعم کو آدھی دور میں جا لیا۔ اور سارے قافلہ کے آگے آگے رہتا تھا۔ (۳۵) ذویب بن شعث عنبری۔ انکے کچھ رشتہ دار تھے۔ انکے سروں پر رسول اللہ صلعم نے ہاتھ پھیرا اور انکے لئے برکت کی دعا کی۔ (۳۶) زبیر بن عوام حواری رسول اللہ صلعم۔ انکو ایک مرتبہ شبہ ہوا کہ رسول اللہ صلعم کو کافروں نے گرفتار کر لیا ہے۔ حضور رسالتمآب مکہ کی بلندی پر تھے۔ حضرت زبیر نے تلوار سونت لی۔ اور مجمع کو چیرتے ہوئے رسول اللہ صلعم تک جا پہنچے۔ آپنے پوچھا زبیر یہ کیا حال ہے۔ انہوں نے سارا ماجرا عرض کیا۔ حضرت نے اُن پر صلوٰۃ (اللھم صل علی محمد) پڑھی اور اُنکے لئے اور انکی تلوار کیلئے دعا کی۔ (۳۷) رضی

؎ تذکرہ الحکم بن ابی العاص ۔ اسد الغابہ

تمیمی عنبری۔ انکے لئے اور انکے رشتہ داروں کیلئے حضرت نے دعا کی۔ (۳۸) زرارہ ابن قیس
انہوں نے اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ صلعم نے انکو تحریر لکھدی۔ اور انکے حق میں دعا خیر کی۔
(۳۹) زرین بن عبداللہ فقیمی۔ بنی صلعم نے انکے اور انکی اولاد کیواسطے دعا کی۔ جبکہ یہ بنی
تیم کی ایک جماعت کیساتھ حاضر ہو کر اسلام لائے۔ (۴۰) زیاد بن عذرہ۔ بنی صلعم کے
ہاتھ پر اسلام لائے۔ آپنے انکو دعا دی۔ (۴۱) سالم ابن خربلہ عدوی۔ یہ ایک دفعہ
میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلعم نے انکو دعا دی۔ (۴۲) سالم
عدوی۔ (۴۳) سائب ابن عبدالرحمٰن۔ (۴۴) سائب ابن یزید۔ انکی خالہ انکو نبی
صلعم کی خدمت میں لے گئی۔ اور عرض کرنے لگی کہ میرے بھانجے کے درد ہے حضرت
نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور دعا دی۔ (۴۵) سباع ابن زید یا ابن یزید۔ رسول اللہ
صلعم کی خدمت میں مہاجرین اولین کے نو آدمی آئے۔ اُن میں سباع بن یزید بھی تھے
انہوں نے اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ نے انکو دعا دی۔ (۴۶) سعد ابن بُجَیر۔ اُنکی والدہ
انکو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لائیں۔ یہ اُن دنوں چھوٹے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے
انکے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور انکے لئے برکت کی دعا کی (۴۷) سعد ابن لبادہ۔ رسول اللہ صلعم
نے یہ دعا کی اے اللہ اپنی بخشش اور رحمت سعد بن لبادہ کی اولاد پر نازل کر۔ (۴۸) سلمہ
بن عرادہ۔ ان کا رسول اللہ صلعم کے وضو سے بچے ہوئے پانی پر عیینہ بن حصن ضراری
سے جھگڑا ہوا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ لڑکے کو وضو کر لینے دو۔ انہوں نے وضو کیا۔ اور
جو پانی بچ رہا۔ وہ پی گئے۔ رسول اللہ صلعم نے اسکے چہرے اور سر پر ہاتھ پھیرا۔ (۴۹) سلمہ
ہشام۔ انہوں نے خدا کی راہ میں بہت مصیبتیں جھیلیں اُن کیلئے اور کمزور مسلمانوں کی
لئے حضرت دعا کیا کرتے تھے۔ (۵۰) سلمہ ابن یزید۔ (۵۱) سمعان ابن خالد کلان۔ (۵۲)
سوا وابن حارث بجاری۔ (۵۳) سوار ابن عزیہ۔ رسول اللہ صلعم بدر کے دن صفیں
برابر کر رہے تھے۔ یہ صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ حضرت کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔

آپ نے انکی پیٹھ پر ماری۔ اور فرمایا سواد برابر ہو جاؤ۔ سواد نے عرض کی کہ آپنے مجھے ایذا
دی ہے۔ اور چونکہ خدا نے حق کیساتھ آپ کو مبعوث کیا ہے۔ اسلئے مجھے بدلہ دیجئے۔
آپ نے اپنا شکم مبارک کھولدیا۔ اور فرمایا بدلہ لے لو۔ وہ آپکی گردن میں لپٹ گئے
اور آپکے شکم مبارک کو بوسہ دیا۔ حضرت نے پوچھا سواد تم نے ایسا کیوں کیا۔ اُس نے
عرض کی۔ یا رسول اللہ جو چیز درپیش ہے۔ اسے آپ جانتے ہیں۔ میں قتل سے بےخوف
نہیں ہوں۔ اسلئے دوست رکھتا تھا کہ میری آخری ملاقات آپ سے ہو۔ اور میرا
بدن آپکے بدن سے چھوئے۔ رسول اللہ صلعم نے ان کو دعا خیر دی۔ صحابہ کا رسول صلعم
سے عشق اور انکی جانثاری دیکھئے کہ کس درجہ بڑھے ہوئے تھے۔ (۵۴) شرجیل جعفی
آپ نے سر پھٹنے کی شکایت رسول صلعم سے کی۔ آپ نے دم کیا اور دست مبارک سر
پر رکھا تو کوئی شکایت نہ رہی۔ (۵۵) سعد بن ابی وقاص۔ یہی سعد ابن مالک ہیں۔
یہ مستجاب الدعوات تھے۔ رسول اللہ صلعم نے انکے حق میں دعا کی۔ کہ اے اللہ جب سعد
تجھسے دعا کرے۔ تو اسے قبول کر۔ اسلئے جب یہ دعا کرتے تھے۔ تو قبول ہوتی تھی۔
(۵۶) طفیل ابن عمرو۔ جب یہ اسلام لائے۔ تو انہوں نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں
عرض کی کہ یا رسول اللہ میں اپنی قوم میں بہتر مانا جاتا ہوں۔ میں لوٹ کر اپنی قوم کو ترغیب
اسلام کی دونگا۔ آپ اللہ سے دعا کیجئے۔ کہ وہ میرے لئے سچائی کی نشانی مقرر کر دے
جس سے مجھے ان کو دین کیطرف بلانے میں مدد ملے۔ آپ نے فرمایا اے اللہ طفیل کیلئے
کوئی نشانی بنا دے۔ پھر یہ اپنی قوم کیطرف لوٹے۔ اور ایسے مقام پر پہنچے۔ جہاں سے
سب لوگ اُن کو دیکھتے تھے۔ اسی وقت انکی آنکھوں کے درمیان روشنی مثل چراغ
کے پیدا ہو گئی۔ اسوقت انہوں نے دعا کی۔ کہ اے اللہ اس نور کو کسی اور جگہ کر دے۔ لوگ
اسے ایک قسم کا مسخ سمجھینگے۔ پس دعا کرتے ہی وہ نور فوراً انکے کوڑے کی نوک میں اُتر
آیا۔ تمام لوگوں کو اس کوڑے میں ایک قندیل لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ (۵۷) طلحہ

انصاری۔ (۵۸) طفہ ابن زبیر جہنی۔ انکے قبیلے کیلئے رسول اللہ صلعم نے دعا کی
(۵۹) ظہیر ابن سنان اسدی۔ (۶۰) عامر ابن سنان۔ رسول اللہ صلعم نے خیبر کے
سفر میں ان سے کہا کہ ہم کو اشعار سناؤ۔ عامر نے یہ اشعار آپکی شان میں بطور رجز کہے

واللہ لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا
ان الکفار قد بغوا علینا وان ارادوا فتنۃ ابینا

ترجمہ۔ اللہ کی قسم اگر آپ نہ ہوتے۔ تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ ہم زکوٰۃ دیتے۔ نہ ہم
نماز پڑھتے۔ بس اے اللہ ہم پر صبر اُتار اور مقابلہ کیوقت ہم کو ثابت قدم رکھ۔
بے شک کافروں نے ہم پر خروج کیا ہے۔ جب وہ فتنہ کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو
ہم نہیں مانتے۔ اس رسول اللہ صلعم نے انکے لئے رحمت کی دعا کی۔ (۶۱) عامر ابن
عبداللہ بن ابی ربیعہ۔ آپ نے انکو برکت کی دعا دی۔ (۶۲) عامر ابن سنقیط جب
یہ اپنے قبیلہ کے اسلام کی خوشخبری لیکر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے
تو آپنے برکت کی دعا دی۔ (۶۳) عامر ابن مرقش۔ (۶۴) عباد ابن بشر۔ (۶۵) عباس
ابن مرداس۔ رسول خدا صلعم نے عرفہ کی رات کو اپنی امت کیلئے مغفرت اور رحمت
کی دعا مانگی۔ اور رحمت مانگی۔ چنانچہ عزوجل کیطرف سے ندا آئی۔ کہ میں نے تمہاری
درخواست منظور کی۔ مفصل حالات کیلئے دیکھو تذکرہ مذکور اسد الغابہ۔ (۶۶)
عبداللہ ابن الاسود۔ (۶۷) عبداللہ ابن بسر۔ (۶۸) عبداللہ ابن الحارث۔ (۶۹)
عبداللہ ابن رواحہ۔ (۷۰) عبداللہ ابن زبیر۔ (۷۱) عبداللہ ابن عامر۔ (۷۲) عبداللہ
ابن عباس ہاشمی۔ یہ عالم وقت تھے۔ انکو بحر۔ اور خیر الامۃ کہتے تھے۔ آپ نے
لعاب دہن انکے منہ میں ڈالا۔ جبکہ یہ پیدا ہوئے۔ آپ نے انکے لئے دعا بھی کی تھی
(۷۳) عبداللہ ابن عتبہ (۷۴) عبداللہ ابن سرجس۔ رسول اللہ صلعم نے ان کیلئے

دعا استغفار کی۔ (۷۵) عبداللہ ابن عامر قریشی۔ یہ بچپن میں رسول اللہ صلعم کی
خدمت میں لائے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لڑکا ہم سے مشابہت رکھتا ہے۔
آپ نے کچھ پڑھکر اس پر پھونکا۔ اس نے رسول اللہ صلعم کا لعاب دہن نگل لیا۔
آپ نے فرمایا کہ اس لڑکے کو پانی بہت ملیگا۔ چنانچہ جب یہ زمین کھودتے تو پانی نکل
آتا۔ آپکی دعا سے بڑے بزرگ اور بابرکت ہوئے۔ (۷۶) عبداللہ بن عتیک
انکی پنڈلی ٹوٹ گئی تھی۔ کیونکہ یہ رافع کو قتل کرکے ضعف بینائی کیوجہ سے گر پڑے
تھے۔ رسول اللہ صلعم نے انکی پنڈلی پر ہاتھ پھیرا۔ تو پنڈلی بالکل صحیح سالم تھی۔
(۷۷) عبداللہ ابن عمرو۔ یہ بچپن میں بیمار ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلعم کی حضور میں لائے گئے۔
آپ نے پانی کی لگن میں کلی ڈال کر دعا پڑھی۔ اور پانی اسکی والدہ کو دیدیا۔ اس لڑکے نے پانی
پیا۔ تو صحت یاب ہوا۔ (۷۸) عبداللہ ابن قبرہ۔ (۷۹) عبداللہ ابن قیس (۸۰) عبداللہ ابن
مسعود۔ بکری کے تھنوں میں رسول اللہ صلعم کی دعا سے دودھ اُتر آیا۔ عبداللہ ابن مسعود اس
دن بکریاں چرایا کرتے تھے۔ (۸۱) عبداللہ ابن ہشام۔ (۸۲) عبدالرحمٰن کو ان کا نسب بیان نہیں
کیا گیا ہے۔ (۸۵) حضرت عثمان رض یاسر کی اولاد کیلئے آپ نے دعا مغفرت مانگی۔ (۸۶)
قشیری۔ (۸۷) عقفان ابن شثم۔ (۸۸) عبدالرحمٰن ابن ابی عمرہ۔ حضرت معاویہ کیلئے رسول
اللہ صلعم نے دعا مانگی۔ (۸۹) عکاشہ ابن محص۔ یہ جنگ بدر میں شریک تھے۔ اُس دن
انکی تلوار ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ صلعم نے ایک لکڑی انکے ہاتھ میں دیدی۔ یہ لکڑی تلوار ہو
کی بن گئی۔ یہ آپکی نظر اور دعا کا اثر تھا۔ (۹۰) عمرو ابن اخطب [۱] شواہد بالا سے استجابت
مقصود نہیں۔ کیونکہ تمام دعائیں جمع کرنی ناممکن ہیں۔ بہر حال ان دعاؤں سے ظاہر ہوتا
ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم اپنی امت کے افراد کیلئے اپنی زندگی میں دعائیں مانگا کرتے تھے۔ انہوں
نے نوکہار صحابہ کیلئے بھی دعائیں مانگی ہیں۔ حضرت علی حضرات حسنین کیلئے بھی آپ نے دعائیں

[۱] ان دعاؤں کیلئے دیکھو علاوہ اسد الغابہ کے منتخب کنز استعمال جلد ۵ صفحہ ۲۰۲ [illegible]

مانگی ہیں ۔ اماں میں کیلئے تو آپکی یہ دعا تھی کہ اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں ۔ تو بھی ان سے محبت کر[۱] جنگ خیبر میں حضرت علی کی آنکھیں دکھنے آئی تھیں ۔ حضرت نے آپکو علم دیا ۔ اور آنکھوں کی تکلیف کیلئے دعا کی ۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر کبھی آپکو تکلیف آنکھ کی نہ ہوئی [۲] حضرت سعد کیلئے آپنے دعا کی اے اللہ جب سعد تجھسے دعا کرے ۔ تو تو اسکی دعا قبول کیا کر [۳] انصار اور اولاد انصار کیلئے مجموعی طور آپنے کئی بار دعا کی [۴] ایسے ہی آپ مہاجرین کیلئے دعائیں کیا کرتے تھے [۵] حسان کیلئے آپ نے کئی بار دعا کی اور یہ بھی کی کہ اے اللہ حسان کی روح القدس سے تائید کر [۶] حضرت نے خود اپنے عم بزرگوار عباس کیلئے یہ دعا کی ۔ اے اللہ عباس اور اسکے بیٹے کیلئے ظاہری اور باطنی مغفرت بھیج [۷] جیسے کہ آپکی یہ دعائیں بار آور ہوتی تھیں ۔ ایسی ہی کامل مومنوں کی دعائیں بھی اثر کئے بغیر نہیں رہتیں علا ابن حارثہ صحابی تھے ۔ آپ بڑے مستجاب الدعوات تھے ایک مرتبہ دعا پڑھکر دریا میں کود پڑے ۔ اور صحیح سلامت کنارہ پر جا لگے [۸] علاثہ ابن مخار سلیطی کے دم کرنے سے ایک پاگل صحتیاب ہوا تھا [۹] سعد ابن وقاص بھی مستجاب الدعوات تھے ۔ یہ بھی جب دعا کرتے تھے ۔ تو قبول ہوتی تھی ۔ انکی دعا کی مقبولیت کیلئے خود رسول اللہ صلعم نے دعا کی تھی [۱۰] حبیب ابن مسلمہ [۱۱] اور حجر ابن عدی بھی مستجاب الدعوات تھے [۱۲] اسکے علاوہ اور بھی کبار صحابہ مستجاب الدعوات تھے ۔ جسکی تفصیل کیلئے حدیث کی کتابوں اور تذکروں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے ۔ حدیث میں ہے ۔ کہ تقدیر کو دعا سوا کوئی شے نہیں لوٹا سکتی [۱۳] پس ظاہر ہے کہ نبیوں اور ولیوں کی دعاؤں سے لوگوں کے سروں سے بلائیں ٹلتی ہیں ۔ یہ اس لئے کہ یہ دعائیں ان کی اس دل سے نکلی ہوتی ہیں ۔ جو معبود حقیقی کے عشق میں

[۱] بخاری مسلم احمد و ابن ماجہ و ترمذی دیکھو تذکرہ امامین منتخب جلد ۵ ص ۲-۱ تا ۱۰۵ [۲] منتخب جلد ۵ ص ۴۳ [۳] منتخب جلد ۵ ص [۴] منتخب جلد [illegible] منتخب جلد ۵ ص ۸۹ [۵] منتخب جلد ۵ ص ۱۷۵ [۶] بروایت صحیحین ۔ ابوداؤد و مسند احمد و نسائی [۷] منتخب جلد ۵ ص ۲۰۷ ترمذی [۸] اسد الغابہ تذکرہ علاء ابن حارثہ [۹] و [۱۰] و [۱۱] و [۱۲] ۔ دیکھو تذکرات علاثہ ۔ سعد ابن مالک غیرہ وغیرہ منتخب جلد ۵ تذکرات متعلقہ ۔ [۱۳] لا یرد القضاء الا الدعا ۔ ترمذی و ابن ماجہ

جلے ہوتے ہیں ۔ حضرت حافظ کہتے ہیں ؎

دلا بسوز کہ سوز تو کارہا بکند ۔۔۔ دعائے نیم شبی دفع صد بلا بکند

ان لوگوں کی دعائیں کیا ان کے ہر کام میں اعجاز ہوتا ہے ۔ یہ وہ مردان راہ ہیں ۔ جنہوں نے سب کچھ حتے کہ اپنی جانیں بھی حق تعالیٰ کے عشق میں نثار کر دی ہوتی ہیں ۔ ان کا کوئی وقت بھی خدا کی یاد سے خالی نہیں ہوتا ۔ انکے خیالات ۔ انکے جذبات ۔ انکی فکریں ۔ اسی ایک کی یاد میں فنا ہوئی ہوتی ہیں ۔ انکی آنکھوں ۔ ان کے دلوں میں وہی ایک سمایا ہوتا ہے ۔ اور وہی ایک انکی ساری ہستی پر چھایا ہوتا ہے ۔ حضرت جُبّی کی ژرف نگاہی کی داد دیجئے ۔ کہ وہ ان کامل لوگوں کی کس طرح ترجمانی کرتے ہیں ۔ آپ فرماتے ہیں ؎

کار مرداں بکن و کار زناں چیزے نیست ۔۔۔ جاں خود باز کہ ایں جاں جہاں چیزے نیست

گر یقینت شود و یک سخن ہمیگویم ۔۔۔ کہ جز آں دوست دگر کون و مکاں چیزے نیست

یار خود یاد بکن خواہ عیاں خواہ نہاں ۔۔۔ کہ جز آں فکر دل و ذکر زباں چیزے نیست

۳۷ ۔ چونکہ نیک لوگوں کی دعائیں تاثیر ہوتی ہے ۔ اس لئے اُن سے دعا کی استدعا کی جاتی ہے ۔ خود رسول اللہ صلعم نے اپنے صحابہ کو فرمایا تھا ۔ کہ اوس قرنی رض سے اپنے لئے دعا استغفار کرانا حضرت عمر بن الخطاب حضرت اویس رض سے ملے ۔ اور اُن سے دعا استغفار کرائی ۔ اوروں نے بھی اُن سے دعا استغفار کرائی [۱] قاسب بن ثعلب نے دعا استغفار کی استدعا کی ۔ رسول اللہ صلعم نے ان کیلئے دعا استغفار کی ۔ ثعلبہ ابن حاطب ۔ جابر ابن الرذاق اور جناوہ ابن زید نے بھی آپ سے دعا کی استدعا کی ۔ حارثہ بن سراقہ نے آپ سے شہادت کی دعا کی استدعا کی ۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم نے ان کیلئے شہادت کی دعا کی ۔ اور وہ بدر کے دن شہید ہوئے ۔ اسکے علاوہ ذیل کے صحابہ نے بھی آپ سے دعا کی استدعائیں کیں [۲]

الغابہ ۔ اویس بن عامر قرنی ۔ منتخب جلد تذکرہ اویس [۲] اسد الغابہ تذکرات متعلقہ ۔

(۱) حسان ابن شداد (۲) حنظلہ ابن خدیم ۔ (۳) خالد ابن غلاب (۴) حکم ابن قرن کلفی ۔ (۵) زارع ابن عامر ۔ (۶) زرعہ شقری ۔ (۷) سہل ابن ارفع (۸) حُرَد ابن عبد اللہ (۹) عبد اللہ یربوعی کی دختر ۔ (۱۰) عبد اللہ ابن عبد بن ہلال ۔ (۱۱) خمرو ابن ثعلبہ ۔ انہوں نے رسول اللہ صلعم سے دعا استغفار کی استدعا کی ۔ (۱۲) طفیل ابن عمرو ۔ (۱۳) عائذ ابن سعید ۔ (۱۴) عبد اللہ ابن عبد ہلال ۔ (۱۵) عبد ہلال ۔ (۱۶) بجیدۃ ابن صیغی جُھنی ۔ آپ نے انکی استدعاؤں کے مطابق دعائیں کیں ۔ جن کا تفصیلی حال تذکروں [۱] میں موجود ہے ۔ تذکروں کے ملاحظہ سے اور بھی ایسے شواہد مل سکتے ہیں ۔

۳۷ — جو کچھ اوپر مذکور ہوا ۔ اس سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ رسول اللہ صلعم اور کامل مومنوں سے دعا کی استدعا ہو سکتی ہے ۔ اور کہ انکی دعائیں اکثر حالات میں قبول کی جاتی ہیں ۔ یہ شواہد دعا کی استدعا کے زندگی کے متعلق ہیں ۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا وفات کے بعد بھی ایسی مقدس ہستیوں سے استدعا دعا کی ہو سکتی ہے ۔ اور ہوتی ہے ۔ اسکے متعلق اگر آپ تفصیلی حالات مطالعہ کرنا چاہتے ہیں ۔ تو اولیا کرام اور صوفیا عظام کے حالات پڑھیے ۔ وہاں آپکو سینکڑوں مثالیں ایسی ملینگی ۔ ایک دو شواہد میں بھی پیش کیئے دیتا ہوں امام محمد جزری مولف حصن حصین نے اپنی کتاب میں لکھا ہے ۔ کہ انکو دشمنوں نے آگھیرا ۔ چنانچہ اُنہوں نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں استدعا دعا کی پیش کی ۔ حضرت نے دعا کی تو دشمن کا مکر دفع ہوا [۲] امام قسطلانی نے بھی مواہب لدنیہ میں ایک دو شواہد ایسے پیش کیئے ہیں ۔ آپ تحریر کرتے ہیں ۔ کہ جو توسل جناب رسول اللہ صلعم سے موت کے بعد برزخ میں کیا جاتا ہے ۔ اسکے شواہد شمار سے باہر ہیں ۔ اور ان کا استقصا نہیں ہو سکتا ۔ امام قسطلانی کا بیان ہے ۔ کہ مجھے ایک دفعہ ایک عارضہ ہوا ۔ طبیبوں نے بہتیرے جتن کیئے ۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا ۔ میں سالہا سال اسی عارضہ میں مبتلا رہا ۔ آخرش

[۱] دیکھو اسد الغابہ اور دیگر تذکرات ۔ [۲] حصن حصین کی ابتدائی عبارت دیکھیے ۔

مجھے یہ بات سوجھی کہ حضرت رسالتمآب سے دعا کی التجا کروں ۔ چنانچہ میں نے یہ التجا پیش کی میں سویا ہوا تھا ۔ کہ ایک شخص میرے پاس آیا ۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جسمیں لکھا تھا ۔ کہ احمد بن قسطلانی کی بیماری کی دوا جناب رسول اللہ صلعم کیطرف سے یہ ہے ۔ جب میں جاگا ۔ تو میری سب بیماری کافور تھی [۱] اسی طرح امام موصوف ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں [۲] قصیدہ بردہ ایک مشہور قصیدہ ہے ۔ اسکی وجہ تصنیف خود مصنف نے یہ بیان کی ہے ۔ کہ میرا نچلا حصہ بدن کا فالج سے بے حس حرکت ہو گیا تھا ۔ اور میں بالکل ہل نہ سکتا تھا ۔ آخر میرے دل میں القا ہوا کہ میں نبی صلعم کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھوں ۔ تاکہ اسکے ذریعہ سے اللہ سے شفا مانگوں ۔ میں نے یہ قصیدہ لکھا ۔ اور اس کے بعد جب میں سویا ۔ تو نبی صلعم کی زیارت سے مشرف ہوا ۔ آپ نے میرے جسم پر اپنا دست مبارک پھیرا ۔ میں اسی وقت راضی ہو گیا ۔ جب میں صبح گھر سے باہر نکلا ۔ تو مجھے ایک فقیر ملے ۔ اور کہنے لگے ۔ کہ میں وہ قصیدہ سننا چاہتا ہوں جس میں آپ نے رسول اللہ صلعم کی مدح کی ہے ۔ میری اُن کی اس بات سے کچھ عجب حالت ہوئی ۔ میں نے کہا کہ کون سا قصیدہ آپ سننا چاہتے ہیں ۔ کیونکہ میں نے بہت سے مدحیہ قصیدے کہے ہیں ۔ وہ بولے کہ وہ قصیدہ جسکی ابتدا اس مصرع سے ہوتی ہے ۔ امن تذکر جیران بذی سلم میں اسکی اس بات سے سخت حیران ہوا کیونکہ میں نے اسکی اطلاع کسی کو نہ دی تھی ۔ وہ بولے ۔ واللہ میں نے یہ قصیدہ اس وقت سنا ہے ۔ جبکہ یہ ممدوح یعنی رسول اللہ صلعم کے سامنے پڑھا گیا ۔ اور وہ فقیر جھوم رہے تھے ۔ پس میں نے انہیں قصیدہ دیا اور وہ چلدیئے [۳] اس قسم کے بیشمار شواہد تلاش کرنے سے مل سکتے ہیں ۔ ان سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ رسول اللہ صلعم کی دعایں جو قبولیت کا اثر زندگی میں موجود تھا ۔ وہ اب بھی موجود ہے ۔ بلکہ انکی دعا کا اثر وفات کے بعد

[۱] مواھب اللدینہ ۔ جلد ۲ ۔ ص ۳۹۲ و ۳۹۳ ۔ [۲] زیارت قبر ۔ [۳] عبارت افتتاحی قصیدہ مذکور دیکھیے ۔

سے قوی تر ہوگیا ہے۔ اور کیوں نہ ہو درحالیکہ آپ ہمیشہ مشاہدہ ربی میں مستغرق رہتے ہیں۔ اور آپ اپنے اصل کیساتھ ملاقی ہو چکے ہیں۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

امام قسطلانی کیا ہی اچھا کہتے ہیں۔ جبکہ وہ کہتے ہیں۔ کہ زائر کیلئے چاہیئے کہ وہ رسول اللہ صلعم کیساتھ توسل۔ تشفع استغاثہ۔ تضرع اور دعا میں کثرت کرے۔ اور جس سے شفاعت طلب کی جائے۔ اسکے لئے سزاوار ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے پاس شفاعت کرے۔ معلوم رہے کہ استغاثہ طلب غوث ہے۔ سو متغیث مستغاث بہ سے اس امر کا متلاشی ہے کہ اسکو اس سے مدد ملے۔ اسے خواہ استغاثہ کے لفظ سے تعبیر کیا جائے یا توسل یا تشفع یا توجہ کے لفظ سے یعنی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کیونکہ تجوہ اور توجہ وجاہت سے ماخوذ ہیں۔ معنی اسکا علو قدر اور منزلت ہے۔ اور صاحب جاہ اس سے توسل کرتا ہے۔ جو اس سے اعلیٰ ہو۔ پھر نبی صلعم کیساتھ استغاثہ توسل تشفع اور توجہ میں سے ہر ایک ہر حال میں واقع ہوتا ہے۔ پہلے آپکی پیدائش کے بعد پیدائش کے دنیا میں اور بعد وفات کے برزخ میں اور بعد حشر کے عرصہ قیامت میں"[1] کیوں نہ ہو۔ آپ تمام جہاں کیلئے مصدر خیر و برکت اور تمام کائنات کے لئے منبع فیوض و برکات ہیں ؎

صفائے خلوت خاطر ازاں شمع چگل جویم | فروغ چشم و نور دل ازاں ماہ ختن دارم
شراب خوشگوارم ہست و یار مہرباں ساقی | ندارد ہیچکس یارے چنیں یارے کہ من دارم

۳۸ ـــــ سویم۔ رسول اللہ صلعم کی آنکھ تو سوتی ہے۔ مگر دل نہیں سوتا۔ جیساکہ بخاری کی روایت میں ہے[2] اسی طرح کامل مومنوں کا دل بھی جاگتا رہتا ہے۔ اگرچہ انکی آنکھ سوتی ہے۔ زندگی میں تو آنکھ سوتی ہے۔ مگر بعد وفات آنکھ کا سونا بے معنے ہے۔ برزخ میں روح عین بیداری میں ہوتی ہے۔ اسے خواب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا

[1] مواہب اللدنیہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۹۲۔ فصل زیارت قبر نبوی۔ [2] بخاری ص ۵۰۷ باب ماکان النبی صلعم ینام عینہ ولا ینام قلبہ۔ باب قیام النبی صلعم فی رمضان وغیرہ۔

اسلئے قلب کی بیداری سے جو روحانی طاقتیں متعلق ہوتی ہیں۔ سب کی سب بعد وفات پوری قوت میں آجاتی ہیں۔ اسکے شواہد پیش کرتا ہوں۔ ابو داؤد کی حدیث میں ہے۔ کہ جب کوئی مسلم مجھ پر سلام بھیجتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس کرتا ہے۔ تا آنکہ میں اسکا جواب دیتا ہوں۔ یعنی دن میں کروڑوں اربوں بار آپ پر درود و سلام بھیجی جاتی ہے۔ آپکی روح میں اسقدر طاقت ہے۔ کہ وہ سلام و درود کا جواب دیتی ہے۔ خواہ سلام کرنے والا کہیں بھی ہو۔ اسکے علاوہ سلام درود پہنچانے والے فرشتے الگ مقرر ہیں۔ اُن کا کام ہے کہ جو لوگ رسول اللہ صلعم پر سلام و درود بھیجیں۔ اُن کا درود و سلام پہنچائیں۔ اس کام پر بھی ہزاروں فرشتے متعین ہونگے ان سب کیساتھ آپکی روح کا تعلق موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپکی روح کو اسقدر طاقت حاصل ہے۔ کہ وہ اسقدر فرشتوں کیساتھ بیک وقت مکالمہ میں معروف رہتی ہے۔ جبھی تو ظاہر ہے۔ کہ وفات کے بعد آپکی روح کی طاقت زندگی سے بہت زیادہ ہو چکی ہوتی ہے۔ یہاں غور طلب دو باتیں ہیں۔ ابو داؤد کی حدیث میں ردّ علی روحی کے الفاظ وارد ہیں۔ ان الفاظ سے مراد یہ ہے۔ کہ روح مشاہدہ سے باہر آتی ہے۔ اور سلام کا جواب دیتی ہے۔ یہ طاقت آپکی روح کو زندگی میں حاصل نہ ہو گی۔ کیونکہ کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ کہ آپ اپنی زندگی میں بھی سلام کا جواب دیتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ طاقت جواب کی آپکی روح کو وفات کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ جیساکہ اس حدیث کا منشا ہے۔ پس یہ بھی ثبوت اس امر کا ہے۔ کہ آپکی روحانی طاقت وفات کے بعد سے بہت زیادہ ہو چکی ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ اس امر کی نسبت بھی کوئی نص صریح موجود نہیں۔ کہ زندگی میں بھی فرشتے آپکو آپکی امت کا سلام و درود پہنچاتے رہتے

تھے۔ سلام و درود کا پونچانا بھی وفات کے بعد کے وقت سے تعلق رکھتا ہے جیسا
کہ حدیث بالا سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے۔ اس بات پر کہ
آپکی روح کی طاقت وفات کے بعد سے بہت زیادہ ہوگئی ہوئی ہے۔ وفات کے بعد
سے آپکی روح عین فراست۔ عین نور۔ عین عقل ہے۔ جنکی قوتوں کا اندازہ لگانا بہت
مشکل ہے یہ بات بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں۔ کہ آپکی روح اقدس کی طاقت ہر ایک
ملک مقرب کی طاقت سے بہت ہی بڑھ کر ہے۔ چنانچہ امام قسطلانی رح کہتے ہیں کہ رسول
اللہ صلعم کا برزخ میں حال ملائکہ کے حال سے افضل واکمل ہے [۱] اسوقت آپکی روح مقدس
کے وظائف میں ذیل کی باتیں بھی داخل ہیں۔

(۱) مشاہدہ ربی میں مستغرق رہنا اور حق تعالی سے مکالمات راز و نیاز میں مشغول ہونا۔ وحی
کے اُترنے کے وقت اور زندگی کے دوسرے وقتوں میں یہ استغراق آپ کو ہوتا تھا۔ باب
دوئم فقرہ ۱۶ بھی دیکھو۔

(۲) امت کے کروڑوں افراد کے اربوں درود وسلام کو بیک وقت سننا اور اُن کا جواب
دینا۔ جیساکہ اوپر مذکور ہوا۔ باب دوئم فقرہ ۱۶ بھی دیکھو۔

(۳) قبری نبوی کی زیارت کرنے والوں کے درود وسلام وغیرہ کا سننا اور جواب دینا۔ جیساکہ
اوپر بیان ہوا۔ باب دوئم فقرہ ۱۶ دیکھو

(۴) اعمال امت پیش ہونے پر اُن کا دیکھنا بھالنا۔ دیکھو باب دوئم فقرہ ۲۲۔

(۵) ایک ایک رات دن میں ہزاروں بندگان خدا سے ملنا تفصیل اوپر بیان ہوچکی۔

(۶) آپکی طرف رجوع کرنے والوں کی استدعائیں سننا اور انکے متعلق مناسب تجویز کرنا۔ اوپر بھی
کچھ بیان ہوچکا ہے تفصیل اس مسئلہ کی ابواب دوئم سوئم میں درج ہے۔

(۷) جوافراد امت پاک ہونے کے قابل ہوں۔ اُن کو پاک کرنے کا انصرام وانتظام کرنا۔ اور انکو

[۱] مواہب اللدنیہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۰۹

اپنی دعا توجہ اور نظر سے کمال عرفان کو پونچانا۔ اس پر اوپر مکمل بحث ہوچکی ہے فقرات ۱۱ تا ۲۲ باب ہذا

(۸) دین اسلام کے غالب کرنے کے وسائل سوچنا اور اُن پر عملدرآمد کرانا۔ اوپر ذکر ہوچکا ہے۔
فقرہ ۳۳ باب ہذا۔

(۹) اپنے مقرب امتیوں کی وفات پر تشریف لانا۔ اور نزع کیوقت انکی مدد کرنا۔ جیساکہ اوپر کچھ
بیان کیا گیا ہے۔

(۱۰) روحانی سیاست وتصرف کے تمام مراحل طے کرانا باب ہذا کا فقرہ ۳۹ دیکھو۔

(۱۱) تمام موجودات اور تمام کائنات کے متعلق قاسم علی الاطلاق [۱] نے فرائض بجالانا۔ اور مظاہر
ہدایت کو اپنی نسب کو شامل کرنا۔ دیکھو فقرات ۳۰ و ۳۹۔ باب ہذا۔

(۱۲) اسلام اور اسلامیوں کی آخر حال اور مال میں خبرگیری کرنا۔ اور ان کے متعلق حق نبوت
وولایت ادا کرنا۔ تفصیل باب ہذا اور ابواب دوئم وسوئم میں موجود ہے۔

(۱۳) دنیا جہاں کے قیام کو اقطابوں۔ ابدالوں۔ اوتادوں وغیرہ کے ذریعہ سے زیر نظر
رکھنا۔ فقرہ ۳۹ باب ہذا۔

روشن از پرتو رویت نظرے نیست کہ نیست
مشت خاک درت بر بصرے نیست کہ نیست

ناظر روئے تو صاحب نظر آنند ولے
سر گیسوئے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

بجز این نکتہ کہ حافظ ز تو ناخوشنود است
در سراپائے وجودت ہنرے نیست کہ نیست

۳۹ — چہارم۔ رسول اللہ صلعم حق تعالی کے خلیفہ اعظم اور نائب مناب علی الاطلاق
ہیں۔ کائنات کے متعلق جو جو روحانی اور ظاہری انتظامات ہیں۔ وہ آپکی خلافت عظمی اور
رسالت کبرای کے رہین منت ہیں۔ یہ منصب صرف آپکی روح اقدس کے متعلق ہے۔ مبعوث
ہونے کے پہلے اور زندگی میں بھی آپکی روح کے متعلق تھا۔ اور وفات کے بعد بھی آپکی روح کے
متعلق ہے۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں۔ کہ میں اسوقت نبی تھا جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھے

[۱] صحیح بخاری کی مشہور حدیث ہے۔ انما انا قاسم واللہ یعطی۔ بخاری

صحیحین کی مشہور حدیث ہے۔ انما انا قاسم واللہ یعطی [1] یعنی میں تقسیم کرنے والا ہوں
اللہ عطا کرنے والا ہے۔ اسلئے صاف ظاہر ہے کہ جو عطیہ اللہ کیطرف سے دنیا جہان والوں
کو ملتا رہتا ہے۔ اسکے بانٹنے والے رسول اللہ صلعم ہیں۔ چنانچہ اسی حقیقت کیطرف الا
ان اغنٰھم اللہ ورسولہ من فضلہ الآیہ میں اشارہ ہے [2] عطیہ ربی کی مختلف صورتیں
ہیں۔ اور یہ صورتیں حق تعالیٰ کے اسماء ذیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ رحمٰن ۔ رحیم ۔
عزیز ۔ خالق ۔ باری ۔ مصور ۔ غفار ۔ وہاب ۔ رزاق ۔ فتاح ۔ علیم
باسط ۔ رافع ۔ معز ۔ لطیف ۔ غفور ۔ مجیب ۔ حکیم ۔ ودود
باعث ۔ ولی ۔ محی ۔ واجد ۔ ماجد ۔ عفو ۔ رؤف ۔ مقسط
غنی ۔ مغنی ۔ نافع ۔ نور ۔ ہادی ۔ باقی ۔ صبور وغیرہ وغیرہ
حضور علیہ الصلوٰۃ کی یہ صفت قاسمیت ہر ایک اسم سے ایک نہ ایک صورت میں
متعلق ہے۔ میں صرف ایک صورت پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ کائنات میں ایک
روحانی نظام حکومت قائم ہے۔ یہ روحانی حکومت مجددوں۔ قطبوں۔ اخیاروں۔ ابدالوں
اور اوتادوں کی وساطت سے چلتی ہے۔ مسند احمد میں حضرت علیؓ کی روایت سے ہے کہ
ابدال شام میں ہوتے ہیں۔ اور وہ چالیس تن ہیں جب کوئی ان میں سے فوت ہوتا ہے
تو دوسرا اسکی جگہ لے لیتا ہے۔ انہی کے ذریعہ بادل برستے ہیں۔ انہی کیوجہ سے دشمنوں
پر فتح حاصل کی جاتی ہے۔ اور انہی کیوجہ سے شام والوں سے عذاب دور ہوتا ہے [3]
ایک دفعہ قبیلہ ہمدان کا ایک وفد جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔
اس وفد میں حمزہ بن مالک بن ذی معشار بھی تھے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ہمدان
کیا اچھا قبیلہ ہے۔ کس قدر جلد وہ دین کی مدد پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اور انکا لیف پر

[1] بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب ما کان النبی یتخولھم بالموعظۃ والعلم کے لا ینفروا۔ مشکوۃ۔
کتاب العلم۔ [2] سورہ براۃ۔ ۹-۷۔ [3] منتخب جلد ۵۔ ص ۳۳۲۔

نہیں کیا صبر آگیا ہے۔ ان میں ابدال ہیں۔ اور اسلام کے اوتاد ہیں۔ پھر یہ سب لوگ
مسلمان ہوگئے [1] مسند احمد میں عبادہ بن صامت کی روایت ہے۔ کہ ابدال اس
امت میں تیس تن ہیں۔ انکے دل ابراہیم خلیل الرحمان کے دل پر ہیں۔ ان میں سے
جب کوئی فوت ہوتا ہے۔ تو دوسرا اسکی جگہ لے لیتا ہے [2] ابدال کی اصطلاح بدل سے
ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بدلتے رہتے اور ایک دوسرے کی جگہ لیتے رہتے ہیں
گویا کائنات کا یہ روحانی نظام ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ اور ابدال کی اصطلاح میں اسی
کیطرف صریح اشارہ ہے۔ طبرانی میں ان ابدالوں کا ذکر اسطرح پر ہے۔ کہ وہ تعداد
میں تیس ہیں۔ انہیں سے زمین قائم ہے۔ انہیں کیوجہ سے بارش ہوتی ہے۔ اور انہیں
کیوجہ سے مدد حاصل ہوتی ہے [3] تاریخ ابن حبان میں ہے کہ زمین ان تیس شخصوں سے
کبھی خالی نہیں رہتی [4] کامل ابی عدی میں ہے کہ ابدال چالیس تن ہیں۔ بائیس شام
میں اور اٹھارہ عراق میں ہوتے ہیں۔ جب کوئی ان میں سے فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ
اسکی جگہ دوسرا رکھدیتا ہے۔ جب قیامت آئیگی۔ تو سب کے سب فوت ہو جائینگے [5]
دیگر کتب احادیث ابن عساکر۔ حلیۃ الاولیاء۔ فردوس دیلمی اور شعب الایمان بیہقی میں بھی
ان سے ملتی جلتی حدیثیں موجود ہیں۔ دیکھو منتخب کنز العمال جلد ۵۔ ص ۳۳۲ و ۳۳۳ [6]
دوسری حدیثوں سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے۔ کہ شام اور عراق میں بہترین لوگ امت
کے موجود رہتے ہیں۔ سنن ابوداؤد اور مسند احمد میں ہے کہ یہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائیگا
کہ جنود مجندہ سے ایک جماعت تو شام میں ہوگی۔ اور ایک جماعت یمن میں اور ایک
عراق میں۔ تم شام کو لازم پکڑنا۔ کیونکہ وہ اللہ کی زمین سے بہترین جگہ ہے۔ اور اسی کیطرف
اسکے بہترین بندے چلے جاتے ہیں [7] صحیح مسلم میں ہے۔ کہ اہل غرب قیامت کے قائم

[1] اسد الغابہ تذکرہ حمزہ مذکور [2] منتخب جلد ۵ ص ۳۳۲ [3] [4] [5] و [6] جلد ۵ ص ۳۳۳ و ۳۳۲ لحوق فی القلب
والابدال باب ساہم فی فضائل جہوۃ الامۃ۔ [7] منتخب جلد ۵ ص ۳۶۲ –

ہونے تک حق پر غالب رہینگے [۱] طبرانی اور مستدرک حاکم میں ہے کہ شام اللہ کی منتخب
جگہ ہے۔ اسی کیطرف اسکے منتخب بندے چلے جاتے ہیں [۲] اسی لئے فرشتے شام پر سایہ
کئے رہتے ہیں۔ جیساکہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ترمذی۔ مسند احمد اور مستدرک
حاکم میں ہے کہ شام کیلئے خوشخبری ہے کیونکہ رحمان کے فرشتے اس پر پر پھیلائے رہتے
ہیں [۳] ترمذی میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ عنقریب فتنے ہونگے۔ صحابہ نے
عرض کی کہ آپ کس بات کا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا شام کو لازم پکڑنا [۴] ابو داود کی روایت
کے رو سے عراق میں عصائب یعنی اخیار امت موجود رہتے ہیں [۵] ابو داؤد میں ہے اللہ
تعالیٰ اس امت کیلئے ہر صدی کے سر پر ایک ایسے شخص کو مبعوث کرتا ہے۔ جو اس کیلئے
دین کی تجدید کرتا ہے [۶] یہ مجدد اپنے وقت میں رسول اللہ صلعم کا خلیفہ اور نائب
جناب ہوتا ہے۔ اس روحانی نظام سے کائنات کی صلاح و خیر کا سوال وابستہ ہے
اور یہ صلاح و خیر کا مسئلہ قاسم کی قاسمیت سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔ جو کچھ
بھی دنیا والوں کو حق تعالیٰ کیطرف سے عطا ہوتا ہے۔ ہدایت۔ نور۔ پاکیزگی۔ غنی قلب
عزت۔ ولایت۔ حب اللہ۔ حکمت۔ فقاہت۔ لطف۔ رفعت۔ بسط۔ علم۔ فتوح۔
مغفرت۔ رحمت وغیرہ۔ سب رسمی منصب قاسمیت کے تحت عطا ہوتے ہیں
ان عطیات میں رسول اللہ کائنات کیلئے واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ اور یہ وسیلہ ذات
کا ہے۔ جس سے شیخ ابن تیمیہ اور انکے ہم چشموں کو انکار ہے۔ اور ایسا انکار عدم واقفیت
اور عدم تفکر پر مبنی ہے۔ جس بات کی قابلیت کسی میں ہوتی ہے۔ اسی کے مطابق
تقسیم کرنے والا حق تعالیٰ کے عطیات بانٹتا ہے۔ کسی کو پاک کرتا ہے۔ کسی کو نور سے معمور
کرتا ہے۔ کسی کو ہدایت سے سرفراز کرتا ہے۔ کسی کو رزق۔ کسی کو غناء قلب۔ کسی کو روحانی زندگی

[۱] منتخب جلد ۵ - ص ۳۲۳ - [۲] منتخب جلد ۵ - ص ۳۶۳ - [۳] منتخب جلد ۵ ص ۳۶۳ - [۴] منتخب جلد ۵ ص ۳۶۵ - [۵] مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ - [۶] مشکوٰۃ کتاب العلم منتخب جلد ۵ - ص ۳۴۲ -

کسی کو ولایت۔ کسی کو حکمت۔ کسی کو عزت۔ کسی کو علم و فتوح۔ کسی کو مغفوریت و
مرحومیت کسی کو کچھ کسی کو کچھ غرضیکہ اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق کوئی بھی آپکی صفت
قاسمیت کے فیض سے خالی نہیں رہتا۔ حتی کہ ابلیس لعین اور اسکی ذریات اور ارواح
خبیثہ بھی آپکے فیوض سے خواہ وہ کسی نہج پر ہو۔ محروم نہیں رہ سکتے۔ اور اسی مضمون کی
طرف حدیث نبوی ما خلق اللہ نوری ثم خلق الخلائق من نوری [۱] میں اشارہ ہے
اسی کمال قاسمیت کیطرف نصوص ذیل میں اشارہ ہے اور اسی قابلیت کے اصول
پر آپکی صفات ذیل کا دار مدار ہے۔
(۱) رحمۃ للعالمین - آپکی رحمت اسی قاسمیت کی شکل میں ہویدا ہوتی ہے۔
(۲) حیاتی خیر لکم - ومماتی خیر لکم - یہ قول بھی آپکی طرف منسوب ہے [۲] چونکہ آپکی صفت
قاسمیت ہر حال اور ہر شان میں موجود ہے۔ اسلئے آپکی حیات اور آپکی ممات میں کوئی
فرق نہیں۔ اس قول کا رحمۃ للعالمین سے جگری تعلق ہے۔
(۳) انا رفعنا لک ذکرک الآیۃ رسول کا ذکر قریبا ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کیساتھ
ہوتا ہے۔ اور آپکا ذکر ہر مجلس میں بلند ہے۔ خواہ وہ دنیا کی مجلس ہو خواہ آسمان کی
(۴) انا سید ولد آدم مشہور حدیث ہے [۳] آپکی یہ سیادت اسی قاسمیت کا ایک
کرشمہ ہے۔
(۵) انا اول شافع واول مشفع [۴] یہ شافعیت اور مشفوعیت بھی اس قاسمیت
سے وابستہ ہے۔
(۶) آپ کا مقام محمود اور وسیلہ وفضیلہ جسکے لئے امت محمدی کی طرف سے بھی دعا
ہوتی رہتی ہے [۵] اسی قاسمیت سے متعلق ہے۔ جب تک آپ قاسم علی الاطلاق

[۱] یہ حدیث خواہ ضعیف ہی ہو جیسا کہ بعض کا خیال ہے لیکن جو اصول اسمیں مندرج ہے - وہ درست معلوم ہوتا ہے
مصنف [۲] شفا قاضی عیاض فصل اول - [۳] مشکوٰۃ باب فضائل سید مرسلین - [۴] مشکوٰۃ باب سند
[۵] مشکوٰۃ باب فضل الاذان

نہ ہوں ۔ آپکو مقام محمود نہیں مل سکتا ۔

(۷) رسول اللہ صلعم کے اسمائے ذیل صفاتی ہیں۔ نور ۔ سراج ۔ منیر ۔ نذیر ۔ بشیر
شاھد ۔ شہید ۔ حق مبین ۔ خاتم النبیین ۔ رؤف ۔ رحیم ۔ امین
رحمۃ للعالمین ۔ نعمۃ اللہ ۔ عروۃ وثقیٰ ۔ صراط مستقیم ۔ کریم
نبی امی ۔ مصطفٰے ۔ مجتبیٰ ۔ حبیب ۔ رسول رب العالمین ۔
شفیع ۔ مشفع ۔ متقی ۔ معلم ۔ طاھر ۔ مھدی ۔ صادق ۔
مصدوق ۔ ھادی ۔ سید ولد آدم ۔ سید المرسلین ۔ امام المتقین
قائد غر المحجلین ۔ خلیل الرحمان ۔ صاحب الوحی ۔ قائد انبیاء
خطیب انبیاء وغیرہ ان سب کا تعلق ایک نہ ایک طرح آپکی صفت قاسمیت
سے ہے ۔

(۸) صفت قاسمیت کیوجہ سے آپ خاتم النبیین ہیں ۔ جب کائنات کیلئے
قاسم علے الاطلاق ایک دفعہ دنیا میں آگیا ۔ تو پھر اب دوسرے نبی کے
آنے کی ضرورت مفقود ہوئی ۔ اگر آپکے بعد کوئی دوسرا نبی آئے ۔ تو اس سے
یہ لازم آتا ہے ۔ کہ کوئی اور آپ سے بڑھکر قاسمیت کی صفت رکھنے والا موجود
ہے ۔ چونکہ آپ قاسم علے الاطلاق ہیں ۔ اسلئے خاتم النبیین بھی علی الاطلاق
ہیں ۔

(۹) قاسمیت کی صفت کیوجہ سے آپ کا مرتبہ باقی نبیوں سے اونچا ہے ۔ اسی
وجہ سے آپ کے کچھ خصائص بھی ہیں ۔ آپ خود فرماتے ہیں ۔ کہ مجھے پانچ چیزیں
ملیں ہیں ۔ جو میرے پہلے کسی کو نہیں ملیں ۔ مجھے ایک ماہ کے فاصلہ پر رعب
سے تقویت دیگئی ۔ ساری زمین میرے لئے مسجد اور طہور بنائی گئی ۔ میرے لئے

غنیمتیں جائز کیگئی ۔ جو میرے پہلے کسی کیلئے جائز نہ تھیں ۔ مجھے شفاعت کا مرتبہ دیا گیا ۔ ہر
ایک نبی ایک خاص امت کیطرف بھیجا جاتا رہا ۔ اور میں تمام لوگوں کیطرف بھیجا گیا ہوں[1]

(۱۰) اسی صفت قاسمیت کیوجہ سے آپکو جوامع الکلم سے سرفراز کیا گیا ۔ اور آپکے ہاتھ میں
تمام خزائن دنیا کی کنجیاں دیدی گئیں[2] یہ خزانے سارے کے سارے قاسم کے ہاتھ میں
دیدے گئے ہیں ۔ یہ صحیحین کی مشہور حدیث ہے ۔

(۱۱) قیامت کے دن جو لواء الحمد آپکے دست مبارک میں ہوگا ۔[3] وہ اسی قاسمیت
کیوجہ سے ہوگا ۔ اگر آپ قاسم علے الاطلاق نہ ہوتے ۔ تو کبھی لواء الحمد آپکے ہاتھ
میں نہ دیا جاتا ۔ بلکہ اسکے ہاتھ میں دیا جاتا جو قاسم مطلق ہوتا ۔

(۱۲) رسول کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے ۔ من یطیع الرسول فقد اطاع
اللہ ۔ چونکہ آپ قاسم علی الاطلاق ہیں ۔ اور ہدایت کا بانٹنا بھی آپکے ہاتھ میں ہے اس
لئے آپکی اطاعت کرنے والا ہدایت یافتہ ہے ۔ اور جو ہدایت یافتہ ہے ۔ وہ اللہ کی
اطاعت کرنے والا ہے ۔ یہ تمام کام آپکی روح اطہر کے متعلق ہیں ۔

امیر خسرؒ کیا خوب کہتے ہیں ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ۔۔۔ خط سبز و لب لعل و زرخ زیبا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری ۔۔۔ شیوۂ شکل و شمائل حرکات و سکنات

(۴) ــــ جو کچھ اوپر مذکور ہوا ۔ اس سے علاوہ اور باتوں کے ذیل کی باتیں پایۂ
ثبوت کو پہونچتی ہیں ۔

۱ ۔ انسانی روح ربانی روح کا ایک کرشمہ ہے ۔ فقرہ ۔ ۱۱
۲ ۔ انسانی روح جب منتہائے کمال کو پہونچتی ہے ۔ تو اس میں غیر معمولی طاقتیں

[1] مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین ۔ [2] مشکوۃ باب فضائل سید مرسلین بخاری و مسلم ۔ [3] مشکوۃ
فضائل سید المرسلین ۔ ترمذی و دارمی ۔

آجاتی ہیں۔ ایسے کامل انسان کی قوت سمع۔ بصر۔ ادراک اور علم وغیرہ غیر معمولی ہو جاتے۔ اور اُن کا دائرہ عمل بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ فقرات ۱۱ تا ۱۷۔

۳۔ ایسے کامل انسان سے قسم قسم کے خوارق ظہور پذیر ہونے لگتے ہیں۔ فقرات ۱۱ تا ۱۵۔

۴۔ جب روح ہیولانی غلبہ اور مادی قیود سے آزادی حاصل کر لے۔ اور جسمانیت حصول کمال میں اسکے سدراہ نہ ہو۔ تو پھر کہا جائیگا۔ کہ یہ انسان پاک ہو چکا ہے۔ اور کہ اسکا تزکیہ کمال ارتقا کو پونہچ چکا ہے۔ فقرہ ۱۱۔

۵۔ ہر زمانہ کے رسول کا یہ فرض ہے کہ جس قدر افراد پاک کر سکے پاک کرے۔ اور جسقدر اشخاص وہ کمال ارتقا کو پونچا سکے۔ پہنچائے۔ فقرات ۱۸ و ۱۹۔

۶۔ خاتم النبیین کا یہ منصب تزکیہ رہتی دنیا تک قائم رہیگا۔ یہ منصب آپ اپنی حیات میں بھی ادا کرتے رہے۔ اور اب بعد وفات بھی ادا کرتے ہیں۔ فقرات ۱۹ تا ۲۴۔ و ۱ تا ۴۔

۷۔ دین اسلام کو غالب کرنے کا کام ابھی پورے طور سرانجام پذیر نہیں ہوا اور یہ بھی آپکی روح اطہر کے ذریعہ سرانجام پائیگا۔ فقرہ ۳۳۔

۸۔ روح انسانی نے جو کمالات جسم کے اندر رہ کر پیدا کئے ہوں۔ وہ عالم برزخ میں کیا۔ اور دوسرے عالم میں کیا۔ اس کے ساتھ ہی رہینگے۔ اور کبھی سلب نہ ہونگے کیونکہ وہی کمالات انسان کے اس صعود کے پس پشت کام کرتے ہیں۔ جسکے بل پر وہ جنت میں داخل ہوگا۔ فقرہ۔ ۱۷۔

۹۔ اگر وفات کے بعد روح کے وہ کمالات جو اس نے جسم کے اندر رہ کر پیدا کئے ہوں۔ سلب ہو جائیں۔ تو مقصد حیات ہی فوت ہو جاتا ہے۔ فقرہ۔ ۱۷۔

۱۰۔ خاتم النبیین کے روحانی کمالات اگر دنیا سے رخصت ہونے پر معاذ اللہ سلب ہو چکے ہیں۔ تو پھر آپ منصب نبوت سے جسکے ادا کرنے میں یہ کمالات لازم ملزوم کا حکم رکھتے ہیں۔ عیاذ باللہ معطل ہیں۔ حالانکہ آپ قیامت تک کارفرما بھی رہینگے۔ فقرات ۱۹ تا ۲۱۔

۱۱۔ آپ نے زندگی میں بھی اپنے صحابہ کیلئے دعائیں مانگی ہیں۔ اور بعد وفات بھی دعائیں مانگتے رہے ہیں۔ فقرات ۳۴ تا ۳۹۔

۱۲۔ زندگی میں آپ سے دعا کی استدعائیں ہوتی۔ ہیں۔ اور اب بعد وفات بھی ہوتی رہتی ہیں۔ فقرات ۳۴ تا ۳۹۔

۱۳۔ جو طاقتیں اور قوتیں آپکی روح اطہر کو زندگی میں حاصل تھیں۔ وہ بعد وفات قائم رہیں۔ بلکہ وفات کے بعد سے وہ قوتیں اور طاقتیں اور بھی بڑھ گئی ہیں۔ فقرہ۔ ۳۴ سے

ہر کہ آمد بہ جہاں نقش خرابی دارد
در خرابات نپرسید کہ ہشیار کجاست
آنکس ست اہل بشارت کہ اشارت داند
نکتہا ہست بسے محرم اسرار کجاست

[illegible]

دوسرا باب

نبیوں اور نیکیوں کی ذات اور دعا سے انکی وفات کے بعد توسّل

یار مرداں خدا باش کہ در کشتئ نوح — ہست خاکے کہ بآبے نخرد طوفان را

پہلے ہم یہاں یہ دیکھتے ہیں۔ کہ دائرہ اسلام کے اندر دعا کی کیا اہمیت ہے۔ جس طرح نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ وغیرہ کا حکم قران میں موجود ہے۔ اسطرح دعا کا حکم بھی موجود ہے۔ سورہ مومن میں ہے تم مجھے بلاؤ۔ میں تمہیں جواب دونگا[1] دعا عین عبادت مانی گئی ہے۔ مسند احمد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ہے کہ دعا عبادت ہی تو ہے[2] دوسری حدیث میں ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے[3] ترمذی اور ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے کہ تقدیر کو کوئی چیز نہیں لوٹاتی مگر دعا اور عمر کو کوئی چیز نہیں بڑھاتی۔ مگر نیکی[4] دعا کی اہمیت کے متعلق ذیل کی حدیثیں بھی دیکھ لیجئے۔

(۱) تقدیر سے ڈرنا کچھ مفید نہیں لیکن دعا نازل ہونے والی اور نہ نازل ہونے والی باتوں میں مفید ہے۔ سوائے خدا کے بندو دعا کو اپنے اوپر لازم جانو[5]

(۲) جب بندے پر دعا کا دروازہ کھل جائے۔ تو چاہے کہ وہ اپنے پروردگار کو بلائے کیونکہ وہ جواب دیتا ہے[6]

---

[1] قال ربکم ادعونی استجب لکم۔ ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین مومن ۴۰-۶۰
[2] منتخب جلد ۲ ص ۶۳ باب فضل الدعا [3] منتخب جلد ۲ ص ۶۳۔ روایت ترمذی۔ [4] حصن حصین ص ۱۱ فضل الدعا [5] منتخب جلد ۲ ص ۶۳ باب فی الدعا مسند احمد [6] منتخب جلد ۲۔ باب فی الدعا ص ۶۳ –

(۳) اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی شئے دعا سے زیادہ قدر والی نہیں[1]

(۴) اللہ تعالیٰ حی کریم ہے۔ جب کوئی اسکی طرف ہاتھ بڑھائے۔ تو اُسے حیا آتی ہے۔ کہ وہ اُسکو خالی ناکام پھیرے[2]

(۵) جو اللہ سے سوال نہ کرے اس پر اللہ ناراض ہوتا ہے[3]

(۶) جسے یہ بات پسند ہو کہ اللہ اسے مصائب اور تکالیف کے وقت جواب دے۔ تو وہ فراخی کی حالت میں زیادہ دعا کرے[4] یہاں یہ خیال قدرتی ہے کہ کچھ دعائیں شرف قبولیت کو نہیں پہنچتیں۔ اور جب صورت یہ ہے تو پھر کس طرح یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو بلاتا ہے۔ تو وہ جواب دیتا ہے۔ جیسا کہ آیت مذکور بالا میں ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جب دعا کی تمام شرطیں اور آداب جمع ہو جائیں۔ تو پھر قبولیت میں کوئی درنگ نہیں ہو سکتا۔

۲ ــــ دعا ماثورہ کے آداب یہ ہیں۔ جیسے کہ حصن حصین میں بھی مذکور ہیں۔

(۱) حرام خورد و نوش۔ لباس اور حرام روزی سے پرہیز کرنا (ترمذی۔ مسلم)

(۲) دعا کے پہلے نیکی کرنا اور اسے مصیبت کے وقت یاد کرنا (مسلم۔ ترمذی۔ ابوداود) اسے اطاعت کا وسیلہ کہتے ہیں۔

(۳) پاکیزہ اور ستھرا رہنا۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ اور ابوداود)

(۴) وضو کرنا۔ (صحاح ستہ)

(۵) قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ (صحاح ستہ)

(۶) نماز پڑھنا۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابوداود۔ و ابن ماجہ)

(۷) اللہ تعالیٰ کی پہلے اور پیچھے ثنا کرنا (صحاح ستہ)۔

[1] ترمذی۔ احمد ابن ماجہ حصن حصین ص ۱۱ فضل الدعا۔ [2] منتخب جلد ۲ ص ۶۴۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ احمد ابوداود حاکم باب فی الدعا [3] ترمذی حصن حصین ص ۱۱ [4] ترمذی۔ حصن حصین۔ ص ۱۱۔

(۸) رسول اللہ صلعم پر پہلے اور پیچھے درود بھیجنا[1] (ترمذی۔ ابوداود و نسائی)۔

(۹) دونوں ہاتھوں کا کشادہ رکھنا۔ (ترمذی)

(۱۰) دونوں ہاتھوں کا اُٹھانا۔ (صحاح ستہ)

(۱۱) دونوں ہاتھوں کا مونڈھوں کے برابر رکھنا۔ (احمد۔ ابوداود)[2]

(۱۲) مؤدب ہونا۔ (مسلم ابوداود۔ ترمذی و نسائی)

(۱۳) مسکینی اور فروتنی اختیار کرنا۔ (ترمذی)

(۱۴) آسمان کیطرف آنکھ نہ اُٹھانا۔ (مسلم و نسائی)۔

(۱۵) سجع اور تکلف سے بچنا۔ (بخاری)

(۱۶) اللہ تعالیٰ کی طرف نبیوں اور نیک بندوں کا وسیلہ لانا (بخاری)

(۱۷) آواز کا پست رکھنا۔ (صحاح ستہ)

(۱۸) گناہ کا اقرار کرنا۔ (صحاح ستہ)

(۱۹) ادعیہ ماثورہ کا اختیار کرنا۔ (ابوداود و نسائی)

(۲۰) جامع ادعیہ کا اختیار کرنا (ابوداود)

(۲۱) اپنے نفس سے ابتدا کرنا اور اپنے والدین اور مومن بھائیوں کو بھی دعا میں شامل کرنا۔ (مسلم)

(۲۲) اپنے نفس کو دعا کیساتھ خاص نہ کرنا جبکہ دعا کرنے والا امام ہو۔ (ابوداود ترمذی اور ابن ماجہ)

(۲۳) قصد کے ساتھ سوال کرنا۔ (صحاح ستہ)[3]

(۲۴) دعائیں تکرار کرنا۔ (بخاری)

[1] منتخب جلد ۲۔ آداب دعا۔ [2] منتخب جلد ۲ ص ۶۸۔ آداب دُعا۔ [3] منتخب جلد ۲۔ آداب دُعا۔

(۲۵) گناہ یا قطع رحم کیلئے دعا نہ کرنا۔ (مسلم و ترمذی)

(۲۶) دعا میں حد سے تجاوز نہ کرنا۔ تاکہ امر محال اور مثیل امر محال کے لئے دعا نہ ہو (بخاری)

(۲۷) رحمت حق کو محدود و مسدود نہ کرنا۔ (بخاری۔ابوداؤد و نسائی ابن ماجہ)

(۲۸) داعی اور سامع دونوں کا آمین کہنا۔ (بخاری مسلم۔ ابوداؤد۔نسائی)

(۲۹) دعا سے فارغ ہونے کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا۔ (ابوداؤد۔ترمذی۔ ابن ماجہ)

(۳۰) جلدی نہ کرنا۔ تاآنکہ قبولیت میں دیر سمجھے یا یہ کہے کہ میں نے دعا کی تھی۔ مگر قبول نہ ہوئی۔ (بخاری۔ابوداؤد۔نسائی۔ ابن ماجہ) [1]

(۳۱) اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت میں عفو اور عافیت مانگنا۔ (ترمذی ابن ماجہ۔ مسند احمد)

(۳۲) اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت میں بہتری چاہنا اور آتش دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگنا۔ (مسند احمد۔مسلم۔ ترمذی۔نسائی) [2]

۳ — آداب دعا کی طرح اجابت کے اوقات بھی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) شب قدر۔ (ابن ماجہ)

(۲) عُرفہ کا دن۔ (ترمذی)

(۳) رمضان کا مہینہ اور جمعہ کی رات۔ (ترمذی)

(۴) جمعہ کا دن۔ (ابوداؤد۔نسائی اور ابن ماجہ)

(۵) رات کا آخری نصف حصہ۔ (احمد)

(۶) رات کا آخری حصہ یا تیسرا حصہ یا درمیانی حصہ۔ (ابوداؤد۔ترمذی نسائی۔)

[1] منتخب جلد ۲۔ آداب دعا۔

[2] منتخب جلد ۲۔ ص ۲۹۔ آداب دعا۔

(۷) سحر کا وقت۔ (صحاح ستہ)

(۸) جمعہ کی وہ ساعت جو خطبہ سے لے کر ادائے نماز تک ہوتی ہے۔ (مسلم ابوداؤد)

(۹) نماز کے قائم ہونے سے ختم ہونے تک کا وقت۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

(۱۰) داعی کے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا وقت (بخاری مسلم۔نسائی۔ابن ماجہ)

(۱۱) عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت۔ (ترمذی)

(۱۲) یوم جمعہ کی آخری ساعت۔ (ابوداؤد۔نسائی۔ ترمذی) [1]

۴ — احوال اجابت بھی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) ندائے نماز کے وقت۔ (ابوداؤد)

(۲) اذان اور اقامت کے درمیان۔ (ابوداؤد۔ ترمذی۔نسائی)

(۳) لڑائی میں حملے کے وقت۔ (ابوداؤد)

(۴) پنجگانہ نماز کے بعد۔ (ترمذی۔نسائی)

(۵) سجدہ میں۔ مسلم۔ ابوداؤد۔نسائی)

(۶) تلاوت قرآن کے بعد۔ (ترمذی)

(۷) قاری کے قرآن ختم کرنے کے وقت (ترمذی)

(۸) میت کے پاس حاضر ہونے کے وقت (مسلم۔نسائی۔ترمذی۔ابوداؤد۔ابن ماجہ)

(۹) مرغ کے بانگ دینے کے وقت۔ (بخاری مسلم۔ترمذی۔نسائی)

(۱۰) اجتماع مسلمین کے موقعہ پر۔ (صحاح ستہ)

(۱۱) ذکر کی مجلسوں میں۔ (بخاری مسلم۔ترمذی)

(۱۲) امام کے ولاالضالین کہنے کے وقت۔ (ابوداؤد۔ابن ماجہ۔نسائی)

(۱۳) میت کی آنکھ بند کرنے کے وقت۔ (مسلم۔ابوداؤد۔نسائی۔ابن ماجہ)

[1] منتخب جلد ۲۔ ص ۲۴۷۔ حصن حصین ص ۲۸۔ ۱۳۰ اوقات اجابت۔

(۱۴) بارش کے وقت - (ابوداؤد) [سلہ]

۵ ـــــ وہ لوگ جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں - یہ ہیں -

(۱) مضطر یعنی بے چین - (مسلم - ابوداؤد -)

(۲) مظلوم - (صحاح ستہ)

(۳) باپ - (ابوداؤد - نسائی - ابن ماجہ)

(۴) امام عادل - (ترمذی - ابن ماجہ - احمد)

(۵) - مرد صالح - (بخاری - مسلم - ابن ماجہ -)

(۶) بیٹا جو اپنے والدین سے نیک سلوک کرے - (مسلم)

(۷) مسافر - ابوداؤد - ابن ماجہ)

(۸) صائم جبکہ افطار کرے - (ترمذی - ابن ماجہ - احمد -)

(۹) مسلم جبکہ وہ اپنے بھائی کیلئے اس کی پیٹھ پیچھے دعا کرے - (ابوداؤد - مسلم ابن ماجہ - احمد) [سلہ]

۶ ـــــ اگر کوئی شخص ان آداب - احوال - اوقات وغیرہ کا لحاظ رکھ کر دعا کرے - تو پھر ضرور ہے - کہ اسکی دعا یہاں ہی قبول ہو - لیکن اگر یہاں کسی خاص وجہ سے قبولیت کو نہ پہنچے - تو پھر وہ آخرت پر موقوف رہیگی - چنانچہ اسکے متعلق حدیث نبوی موجود ہے - کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو دعا کرے - اور اسکی دعا قبول نہ ہو - اسکی دعا یا تو یہاں ہی جلد قبول کر لی جاتی ہے - یا آخرت پر موقوف رہتی ہے - یا اسکے گناہ بقدر اسکی دعا کے مٹا دئے جاتے ہیں - بشرطیکہ وہ دعا گناہ یا قطع رحم کی نہ ہو - یا وہ جلد بازی کرکے نہ بول اٹھے کہ میں نے اپنے پروردگار سے

[سلہ] منتخب جلد ۲ - ص ۴۷ و ۵۷ - حصن حصین احوال اجابت ص ۳۰ تا ۳۲ - [سلہ] منتخب جلد ۲ - ص ۴۷ - حصن حصین ص ۴۳ + الذین یستجاب دعاء ھم -

دعا کی تھی مگر اس نے قبول نہ کی [سلہ]

۷ ـــــ تقریر بالا سے ذیل کی باتیں پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں -

اول - دعا اصل میں عبادت ہے - بلکہ عبادت کا مغز ہے - اسی لئے قرآن میں اور احادیث میں دعا کا حکم ہوا ہے - عبادت لسانی - ذکر - حمد و تسبیح - اور دعا میں مرکوز ہے - اور مقصد ذکر و حمد کا یہی ہے - کہ عابد و حامد کی حالت ظاہری و باطنی اچھی ہو - اور اسے دین و دنیا کی بہتری سے سرخروئی حاصل ہو - پس دعا کی فضیلت سے کسی طرح بھی انکار نہیں ہو سکتا - دعا میں ایک اور خوبی یہ ہے - کہ دعا کرنے والا کبھی بھی صحیح معنے میں دعا نہیں کرسکتا - جب تک کہ وہ اللہ تعالٰے کی ہستی اور اسکی صفات پر اعتماد نہ رکھتا ہو - پس دعا سے ضمنی اقرار الوہیت اور صفات الوہیت کا ہے -

دوئم - دعا سے حصول مقصد ایک نہ ایک طرح سے ہوتا ہے -

سوئم - دعا میں اپنے دینی بھائیوں کو بھی شامل کرنا ضروری ہے -

چہارم - دعا میں آداب کا لحاظ اشد ضروری ہے -

پنجم - دعا میں اوقات کا لحاظ بھی ضروری ہے -

ششم - دعا میں احوال کا لحاظ بھی مناسب ہے -

ہفتم - دعا کرنے والے کی ذات پر بھی دعا کا بہت کچھ انحصار ہے - ایک عامی کی دعا کو ایک نبی کی دعا سے کوئی نسبت نہیں ؎

اولیا را ہست قدرت از الٰہ — تیر جستہ باز گرداند ز راہ !

من نمیگویم نبیؐ فرمودہ است — باز ماند از دعاہا این قضا

ـــــ ؟ ـــــ

[سلہ] منتخب جلد ۲ ص ۶۳ و ۶۴ باب دعا - روایت ترمذی

۸ — اب سوال یہ ہے۔ کہ دعا کا اثر دعا کرنے والے کی حیات میں کیا ہوتا ہے۔ اور بعد وفات کیا۔ اور کیا کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد بھی اپنے دینی بھائیوں کے لئے دعا کر سکتا ہے۔ بنی آدم کی پیدائش کی غلت غائی عبادت ہے۔ اور نہیں پیدا کیا میں نے جن اور انس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں [۱] عبادت کرنے والے کا نصب العین حق الیقین ہے۔ یعنی عابد چاہتا ہے۔ کہ اُسے معبود کی ذات کا پورا پورا یقین ہو جائے۔ اور وہ اس سے ہر ممکن طریقہ سے قرب و حُب پیدا کرلے۔ اسی لئے قرآن پاک میں ہے۔ کہ مومنوں کو زیادہ محبت اللہ سے ہوتی ہے [۲] اس حُب کی وجہ سے محبت کرنے والے کو محبوب کے دیکھنے کا بے حد شوق دامنگیر ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال اَرِنِی اسی شوق کی وجہ سے تھا۔ رسول اللہ صلعم کا معراج اور مازاغ البصر وما طغیٰ بھی اسی جوش محبت اور شوق وصال کا نتیجہ تھا۔ یقین کی بھی تین قسمیں ہیں۔ علم الیقین [۳] عین الیقین [۴] حق الیقین [۵]۔ علم الیقین تقلیدی اور استدلالی ہوتا ہے۔ اور جو ایمان اس یقین پر مبنی ہو۔ وہ بھی تقلیدی اور استدلالی ہوتا ہے۔ جو کسی وقت زائل بھی ہو سکتا ہے۔ عین الیقین اور حق الیقین تحقیقی اور کشفی ہوتا ہے۔ اور جو ایمان اس یقین پر مبنی ہو۔ وہ بھی تحقیقی اور کشفی ہوتا ہے۔ عینیت اور حقیقت تحقیق اور کشف کے دو اعتبارات ہیں۔ عین کا درجہ حق سے اُتر کر ہے۔ حق ہر حال ہر صورت میں حق ہے۔ اُسکی ہیئت و حقیقت میں کبھی بھی کوئی فرق نہیں آسکتا۔ عین بھی حق ہے مگر عین میں مغالطہ کا احتمال موجود ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عین (آنکھ) غلطی کر جائے۔ اور اس طرح اسکا علم مغالطہ

[۱] وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۔ ذاریات ۔ ۵۱ - ۵۶ - [۲] والذین آمنوا اشد حبا للہ [۳] کلا لو تعلمون علم الیقین ۔ تکاثر ۱۰۲ - ۵ [۴] ثم لترونها عین الیقین ۔ تکاثر ۔ [۵] ان ھذا لھو حق الیقین ۔ واقعہ ۵۶ - ۹۵ ۔ حاقہ ۔ ۶۹ - ۵۱

سے مل جائے۔ لیکن پھر بھی سننے اور دیکھنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور حدیث میں بھی آیا ہے۔ لیس الخبر کالمعاینہ [۱] شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ مومنوں کا کمال اسی میں مرکوز ہے کہ وہ علم کے مقام سے نکل کر عین اور حق کے مقام تک پہنچ جائیں اور اُن کا اللہ تعالیٰ پر ایمان عینی اور حقیقی یعنی تحقیقی اور کشفی ہو جائے۔ جب تک ایمان میں یہ کیفیت پیدا نہ ہو۔ ایمان ناقص رہتا ہے۔ اور جسقدر ایمان ناقص رہتا ہے۔ اسی قدر حب اللہ ناقص ہوتی ہے۔ اور جسقدر حُب ناقص ہوتی ہے۔ اسی قدر محب محبوب سے دور رہتا ہے۔ حالانکہ اصولاً اور تحقیقاً محبوب ہم سے ہماری رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہے [۲] پس عبادت کا مقصود یہ ہے۔ کہ ایمان باللہ تحقیقی و کشفی ہو جائے۔ اور حُب اللہ غایت درجہ پیدا ہو۔ حُب اللہ کے اشتداد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ محب محبوب سے اعتباری وصال و اتحاد پیدا کرتا۔ اور اس کی ہمکلامی کا فخر حاصل کرتا ہے جب مُحب اور محبوب میں اتحاد و وصال اعتباری پیدا ہو جاتا ہے۔ تو پھر مُحب میں محبوب کی صفات کا عکس پختہ ہوتا۔ اور محب عروج کمال کو پہنچتا ہے ۔

من چو مرآت دیدم حسن از جمالش بردہ ام — جز جمال او نہ بینم مثال خویشتن
آئینہ مغرور حسن خویشتن ہرگز نشد — بلکہ مے بیند جمالے در جمالے خویشتن

جب سالک عروج کمال پر پہنچتا ہے۔ تو پھر اسکی روح میں جس پر انسانی زندگی اور کمال کا دار و مدار ہے۔ وہ تمام قوتیں اور طاقتیں کم و بیش آجاتی ہیں۔ جن کا ذکر ابتدا کتاب میں کیا گیا ہے۔ جب یہ قوتیں اور طاقتیں ایک دفعہ روح میں پیدا ہو جائیں تو پھر یہ اُس سے کبھی بھی زائل نہیں ہو سکتیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے باب میں بیان کر دیا ہے۔ روح بدن سے جدا ہو جانے کے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔ اور تا ابد زندہ رہیگی وفات کے بعد بھی روح کے یہ تمام کمالات اسکا ساتھ دیتے ہیں۔ اگر وفات کے

[۱] مشکوۃ باب بدء الخلق وذکر الانبیاء ۔ روایت احمد [۲] ونحن اقرب الیہ من حبل الورید ۔ ق ۔ ۵۰ - ۱۶

بعد رہ جائے گے وہ تمام کمالات جو اسنے اپنی ذاتی جدوجہد اور تزکیہ کے ذریعہ اکتساب
کئے ہیں۔ زائل ہو جائیں۔ تو پھر ایک نبی۔ ایک صدیق۔ ایک ولی۔ ایک صالح مومن
ایک کافر اور ایک مشرک میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ نبوّت۔ صدیقیّت۔ ولایت
شرک وکفر میں ایمان کے بعد مایہ الامتیاز یہی روحانی کمالات ہیں۔ جس کے ایمان
پر یہ روحانی کمالات بدرجہ اتم مرتب ہونگے۔ وہ نبی ہوگا۔ یا صدیق۔ جسے ان کمالات
سے اور کی نسبت بھی نہ ہوگی۔ وہ کافر ہوگا یا مشرک۔ اگر مرنے کے بعد یہ کمالات
زائل یا مسلوب ہو جائیں۔ تو پھر نبی۔ صدیق۔ کافر اور مشرک برابر ہو جائینگے۔ اور
جب صورت یہ ہے۔ تو پھر ان کمالات کے حاصل کرنے سے مطلب کیا؟ ان
کمالات روحانی کیوجہ سے ہی نبی اور مومن جنت میں مختلف مدارج پائیں گے۔ اور
جب روحانی کمالات کے زائل ہو جانے سے سب ایک جیسے ہو جائیں گے۔
تو پھر جنت میں حفظ مراتب اور اختلاف مدارج بے معنی ہوگا۔ پس لازم ہے۔ کہ
ایمان کے اثرات ولوازم یعنی کمالات روحانی وفات کے بعد بھی روح کیساتھ رہیں
عذاب یا ثواب جو ان کمالات یا عدم کمالات پر مرتب ہوتا ہے۔ وفات کے بعد
سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ نیک بندے برزخ میں بھی عبادت میں مشغول
رہتے ہیں۔ اور اس سے اُن کی روحیں اطمینان وسکون پاتی ہیں۔ بُرے بندوں کو
برزخ میں ہی عذاب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جسے عذاب قبر سے موسوم کرتے ہیں
رسول اللہ صلعم نے برزخ کے کوائف پر بھی ایک حد تک روشنی ڈالی ہے۔
اگر ہم احادیث کا پورا پورا مطالعہ کریں۔ تو ہمیں برزخ کے حالات کا کچھ نہ کچھ
پتہ چل جائے گا صحیح مسلم میں معراج کی ایک حدیث موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپکو نبیوں کی ایک جماعت
میں پایا۔ پھر کیا دیکھتا ہوں۔ کہ موسیٰ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ پھر ناگاہ ایک

دُبلے پتلے شخص کو دیکھتا ہوں۔ جو گویا کہ قبیلہ شنوءہ سے ہیں۔ اور دیکھتا ہوں۔ کہ
عیسٰے کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اُن سے زیادہ مشابہت رکھنے والے عروہ بن
مسعود ثقفی ہیں۔
پھر کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ابراہیم کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اُن سے زیادہ مشابہت
رکھنے والا میں ہوں۔ پھر نماز تیار ہوئی۔ اور میں نے امامت کی۔[1] ترمذی میں ہے
کہ کسی صحابی نے ایک قبر پر خیمہ نصب کیا۔ اُن کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے۔ پس وہ
کیا دیکھتے ہیں۔ کہ اسکے اندر ایک انسان سورہ ملک پڑھ رہا ہے۔ اور اسنے وہ
سورۃ پڑھ کر ختم کی۔ پس وہ صحابی رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور
یہ سارا ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سورۃ عذاب قبر سے بچاتی ہے۔[2] پس ظاہر
ہے۔ کہ وفات پائے ہوئے نبی اور مومن عالم برزخ میں بھی نماز اور قرآن پڑھتے
ہیں۔ یہ نماز گو کہ فرض نہیں لیکن چونکہ انکی روحوں کو نماز اور عبادت سے شغف تام حاصل
ہوا ہوتا ہے۔ اسلئے وہ اس شغل وشغف کو قائم رکھتے ہیں۔ اور
اس کے قایم رکھنے میں اُنکو فائدہ ہے۔ اور وہ یہ کہ انکی روحوں کو تسکین
ہوتی ہے اور اس طرح انکے مراتب بلند ہوتے ہیں۔ اس عالم برزخ میں حج وزکوٰۃ ادا کرنے
کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اصل عبادت یعنی نماز جو مومنوں سے کسی حالت
میں بھی جدا نہیں ہو سکتی۔ اُن کے شامل حال رہتی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ اس
عبادت کو عالم برزخ میں بھی نہیں چھوڑتے۔ جب عبادت کی یہ حالت ہے۔ کہ وہ
اُن سے کبھی بھی زائل نہیں ہوتی۔ تو پھر وہ روحانی کمالات جن کے حاصل کرنے میں انہوں
نے بڑی بڑی ریاضتیں کھینچیں اور جو خود اس عبادت کے نتائج واثرات ہیں۔ کس طرح

[1] مشکوۃ باب معراج۔ [2] روایت ترمذی وغیرہ بشرح الصدور السیوطی۔ ص ۷۹۔ باب احوال الموتی
فی قبور ہم الخ مشکوۃ کتاب فضائل القرآن۔ ص ۱۵۷۔

اُن سے زایل ہو سکتے ہیں۔ پس نبیوں اور کامل مومنوں کی روحانی حالت حیات اور ممات میں ایک جیسی رہتی ہے۔ بلکہ جو حالت روحانی انکی بعد ممات ہوتی ہے۔ وہ اس حالت سے بھی قوی تر ہوتی ہے۔ جو انکی زندگی میں ہوتی ہے۔ زندگی میں انکو اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں انکی ایمانی کیفیت سلب نہ ہو جائے۔ اور وہ دنیا میں ذاتی ذمہ داری کیوجہ سے پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں۔ لیکن جب وہ آگے کو سدھارتے ہیں۔ تو پھر ان ذمہ داریوں کا بوجھ اُن کے کندھوں سے اُتر جاتا۔ اور انکی روحیں آزاد ہو جاتی اور جنتوں میں جہاں چاہتیں ہیں پھرتی ہیں۔ ابن ماجہ میں ہے کہ مومن کی روح جنت میں جہاں چاہتی ہے پھرتی ہے[۱] صحیح مسلم میں ہے کہ شہیدوں کی روحیں پرندوں کی شکل میں [illegible] جہاں چاہتی ہیں پھرتی ہیں۔[۲] [illegible] مومنین [illegible] وفات کے بعد عنایات [illegible] روحانی [illegible] جنت کا [illegible] جاتا ہے۔ [illegible] جنت کا [illegible] جاتا ہے [illegible] قبروں میں جنت کی طرف سے دریچے کھول دیے جاتے ہیں۔ انکو جنت کی ہوا اور خوشبو پہنچتی ہے۔ اور جہاں تک انکی آنکھ کام کرتی ہے۔ جنت انکے سامنے کر دی جاتی ہے[۳] یہ عنایات اُن روحانی عنایات کے علاوہ ہوتی ہیں۔ جو اُن پر دنیا میں ہی ہوتی ہیں۔

۹ ــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کیا وہ لوگ جنہوں نے بُرے کام کئے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم انکو کر دینگے اُن کی طرح جو ایمان لائے۔ اور جنہوں نے نیک کام کئے۔ کہ انکی حیات اور ممات ایک جیسی ہے[۴] یعنی کافروں کی حیات و ممات مومنوں کی حیات وممات جیسی نہ ہوگی۔ کافر یہاں بھی باطنی طور مردہ ہونگے۔ اور وہاں بھی۔ مومن یہاں

[۱] شرح الکبیب السیوطی ص ۱۱۰ و ۱۱۱ [۲] مشکوۃ کتاب جہاد۔ فصل اول منتخب جلد ۲۔ ص ۲۷۸ روایت ترمذی [۳] مشکوۃ باب عذاب قبر۔ روایت ابوداؤد و احمد [۴] ام حسب الذین اجترحوا السیات ان نجعلھم کالذین آمنوا وعملوا الصلحت سواءً محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون۔ جاثیہ۔ ۲۵-۲۱

بھی زندہ ہونگے اور وہاں بھی۔ جو جو کمالات روحانی مومنوں کو یہاں حاصل ہو گئے۔ وہی انکو وہاں حاصل ہو نگے۔ اسطرح مومنوں کی حیات اور ممات ایک جیسی ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ کہ جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے ان کو مردے نہ سمجھو۔ بلکہ وہ تو زندہ ہے۔ انکو اپنے پروردگار کے یہاں سے رزق دیا جاتا ہے۔ وہ اس سے خوش ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے انکو اپنے فضل سے دیا ہے۔ اور وہ اُن کی وجہ سے خوشی حاصل کرتے ہیں۔ جو ابھی اُن سے نہیں ملے۔ اُن کو نہ تو کوئی خوف ہے۔ اور نہ وہ غم کھاتے ہیں۔ وہ اللہ کی نعمت اور فضل سے خوش ہوتے ہیں۔ اور تحقیق اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا[۱]

۱۰ ــــ ان آیات سے شہیدوں کیلئے ذیل کی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

اول۔ وہ زندہ ہیں۔

دوئم۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے رزق ملتا ہے۔

سوئم۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عطیات کیوجہ سے خوش و خورم ہیں۔

چہارم۔ وہ اُن مومنوں کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں۔ جو ابھی تک اُن سے نہیں ملے اور دنیا میں موجود ہیں۔

پنجم۔ ان کو کوئی خوف ہوتا ہے۔ نہ کوئی غم۔

ششم۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل سے شاد کام ہیں۔

ہفتم۔ اُن کا اجر اکارت نہیں جاتا۔

۱۱ ــــ شہیدوں کا مرتبہ نبیوں اور صدیقوں سے فروتر ہے۔ سورہ نساء میں ہے جو اللہ اور رسول کی تابعداری کرتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کیساتھ ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے

[۱] ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا۔ بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما آتٰھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون یستبشرون بنعمۃ من اللہ وفضل وان اللہ لا یضیع اجر المومنین۔ آل عمران ۱۶۸ تا ۱۷۰

مہربانیاں ہیں نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیک بندوں میں سے اور وہ اچھے ساتھی ہیں۔
یہاں اسلوب کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں مختلف افراد اُمت کے حفظِ مراتب کا لحاظ رکھا
گیا ہے سب سے پہلے نبی ہیں اور سب سے آخر عامہ مومنین۔ نبیوں سے اُتر کر صدیق ہیں صدیقوں سے اُتر کر
شہید اور شہیدوں سے اُتر کر عامہ مومنین۔ گو کہ یہاں مرتبہ کے لحاظ سے ترتیب پیشِ نظر رکھی گئی ہے۔ لیکن
قرآن مجید میں ہر مقام پر ایسی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی۔ بنی آدم اللہ تعالیٰ کے یہاں
مکرم ہیں ۔[۲] وفضلناھم علی کثیر الخ میں کثیر سے کل مراد ہے۔ جیسا کہ آیت یُلقون السمع
واکثرھم کاذبون میں اکثر سے کل مراد ہے۔ حدیث میں بھی ہے۔ کہ مومن اللہ تعالیٰ کے
نزدیک فرشتوں سے زیادہ مکرم ہیں۔ انسان جنوں اور فرشتوں سے افضل ہیں
عامہ مومنین عامہ ملائکہ سے اور خواص مومنین خواص ملائکہ سے افضل ہیں۔ قرآن
میں ہے۔ وَمَا خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ اس آیت میں، جن انسان
پر مقدم ہے۔ حالانکہ جن رتبے میں انسان سے فروتر ہے۔ صدیق کا لفظ کبھی نبی کے
ساتھ بھی استعمال کیا جاتا ہے[۳] جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ صدیق نبی سے اُتر کر ہے
اور یہ مانی ہوئی بات ہے۔ کہ ولی کامل جسے صدیق کہتے ہیں۔ شہید سے افضل ہوتا
ہے[۴] اگر ہم آیت بالا کے متعلق یہ سمجھ لیں۔ کہ یہ زندگی صرف شہیدوں کیلئے ہے۔
تو اس سے لازم آتا ہے۔ کہ شہید صدیق اور نبی دونوں سے افضل ہیں۔ حالانکہ صورت
اسکے برعکس ہے۔ یہاں معترض یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ حیات شہیدوں کیلئے فضیلت
جزئی ہے۔ جسکا فضیلت کلی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اسلئے ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے۔ کہ

[۱] ومن یُطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین
والشھداء والصلحین وحسن اولٰئک رفیقا۔ نساء۔ ۴۔ ۶۹ [۲] ولقد کرمنا بنی آدم وحملنٰھم
فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت وفضلنٰھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔ بنی اسرائیل۔ ۱۷۔ ۷۰ [۳] واذکر
فی الکتٰب ابراھیم انہ کان صدیقا نبیا۔ مریم۔ ۱۹۔ ۴۱۔ و ۵۶ [۴] بی بی مریم کی نسبت ہے وامہ صدیقۃ۔ مائدہ ۵۔ ۷۵ حضرت مریم
مسلمہ طور پر شہید سے بڑھ کر ہے۔

شہید تو زندہ ہیں۔ اور نبی اور صدیق مردہ۔ لیکن ایسا خیال ابن ماجہ کی اس حدیث کے
متضاد بھی ہے۔ جس میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ فنبی اللہ حی یُرزق[۱] یہ زندگی اور
یہ عنایت جس کا ذکر ان آیات میں ہے۔ فضیلت جزئی نہیں بلکہ فضیلت کلی ہے۔
بقول معترض شہید زندہ ہے۔ اور نبی مردہ۔ گویا اب نبیوں کو کوئی احساس اللہ تعالیٰ
کی نعمتوں اور مہربانیوں کا نہیں۔ یعنی کم از کم عالم برزخ میں نبیوں پر اللہ کی کوئی مہربانی
یا عنایت نہیں۔ شہیدوں کو رزق عطا ہوتا ہے۔ نبیوں کو نہیں اس کا اثر بھی دور
جا پہنچتا ہے۔ شہید اللہ کی مہربانیوں اور عنایتوں پر پھولے نہیں سماتے۔ نبیوں کو
اس مسرت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ گویا نبی عالم برزخ میں حق تعالیٰ کی تمام مہربانیوں
اور عنایتوں سے محروم ہیں۔ اسلئے یہ صورت بھی فضیلت کلی کا حکم رکھتی ہے۔ شہیدوں
کو کوئی غم ہے نہ کوئی خوف۔ مگر نبیوں کو اس کا احساس نہیں۔ کیونکہ وہ زندہ ہیں۔ یہ بھی
فضیلت کلی ہے۔ جزئی نہیں اللہ تعالیٰ شہیدوں کو زندہ رکھکر اُن کا اجر ضائع نہیں
ہونے دیتا۔ یہ بھی فضیلت کلی میں داخل ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اگر شہید زندہ ہیں
تو نبی اور صدیق بطریق اولیٰ زندہ ہیں۔ روحانی کمالات جو ایک کامل مومن۔ ایک صدیق
ایک نبی دنیا میں رہ کر حاصل کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عنایتوں سے ہیں
اور جب اس آیت کے رُو سے اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کی بارش مومن پر ہوتی رہتی ہے
تو پھر کوئی وجہ نہیں۔ کہ جو مہربانیاں اس پر اس سے پہلے دنیا میں ہو چکی ہیں۔ اب وہ
چھین لی جائیں۔ یہ عنایات تو خاص الخاص لوگوں کے لئے ہیں۔ اللہ تو عامہ مومنین
کا اجر بھی ضائع نہیں ہونے دیتا۔ اگر روح کی غیر معمولی دید۔ شنید۔ اور ادراک و علم
وغیرہ کی طاقتیں عالم برزخ میں اس سے سلب کر لی جائیں۔ تو پھر روح کی یہ زندگی
جو اسکے لئے آیات بالا کے رو سے ثابت ہے بے معنی ہو گی۔ حیات کی روحانی لذت

[۱] مشکوٰۃ باب الجمعۃ۔ یعنی نبی زندہ ہوتا ہے، اسکو رزق ملتا ہے۔

اسی قدر زیادہ ہوگی جسقدر کہ روحانی قوتیں اور طاقتیں بڑھی ہونگی۔ جب روح
کی قوتیں اور طاقتیں مسلوب ہونگی تو پھر سمجھ لو کہ اسکی حیات برزخی بے مزہ وبے
مصرف ہوگی۔ جب سالک دنیا کے اندر ہی چاہتا ہے کہ اس سے تمام ظاہری
نعمتیں سلب کرلی جائیں۔ مگر اسکے روح کی لذتیں جو اسکو اسقدر پریشانیوں اور
جانکاہیوں کے بعد حاصل ہوئی ہیں۔ اور جن سے ظاہری لذتوں کو دور کا لگاؤ
بھی نہیں۔ نہ چھنیں۔ تو پھر روح کسطرح چاہیگی کہ اُسے رزق تو عطا ہو۔ مگر وہ
روحانی قوتیں جو اسکی روحانی لذت کا باعث ہیں۔ اس سے چھین لی جائیں۔ اُسے
اور نعمتیں تو ملیں۔ مگر وہ روحانی نعمتیں جو اُسے پہلے حاصل تھیں اب لے لی جائیں
اس پر اللہ کا فضل تو ہو۔ مگر جو روحانی فضل اس پر اس سے پہلے ہوا تھا۔ وہ واپس
لے لیا جائے۔ اسے کوئی خوف ہو۔ نہ کوئی غم۔ مگر وہ کمالات جسکے بل پر وہ بے خوف
وبے غم ہوگا اور ہے۔ اس سے سلب کرلئے جائیں۔ مومن کی محنت تو ضائع نہ ہو
مگر اسنے جو اپنی کاوشوں پریشانیوں ریاضتوں کا اجر وہ ان روحانی کمالات کی شکل میں
بھر پایا تھا وہ واپس لے لیا جائے۔ پس نص قرآنی اس بات کا تقاضا کرتی ہے۔ کہ جو
جو عنایتیں۔ حق تعالیٰ نے نبیوں اور صدیقوں پر دنیا میں کی ہوتی ہیں۔ ان کا اثر
روحانی کمالات کی شکل میں ہر وقت اُن کیساتھ رہے۔ ان روحانی ابتہاجات اور
کمالات کے لحاظ سے وہ اس دنیا سے گذر جانے کے بعد بھی اپنے آپکو اسی حالت میں
پاتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بہت بہتر حالت میں پاتے ہیں۔ انکی روحانی آنکھ عالم برزخ
میں بھی وہ کچھ دیکھتی ہے۔ جو اور نہیں دیکھ سکتے۔ انکے روحانی کان وہ وہ کچھ سنتے
ہیں۔ جو اور نہیں سن سکتے۔ انکی روح سے نکلی ہوئی دعا وہ اثر رکھتی ہے۔ جو اور کسی
کی دعا نہیں رکھتی۔ انکی روحانی آنکھ میں ایصال فیض کا وہ طلسماتی اثر ہوتا ہے جو کسی
اور کی آنکھ میں نہیں ہوتا۔ انکے دیگر روحانی کمالات وہ ہوتے ہیں۔ جو اوروں کے

وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتے۔ انکی جان جاں جہاں سے اتحاد وحال حاصل کئے ہوتی ہے
انکی روح حق تعالیٰ کی روح عظمیٰ میں محو ہوتی ہے ؎

این منم یارب کہ اندر نورِ حق فانی شدم — مطلع انوار فیض ذات سبحانی شدم
من چناں بیروں شدم از ظلمت ہستی خویش — تا ز نور ہستی او آنکہ ہیدانی شدم

۱۲ — عالم برزخ کے حالات پر ایک ایسا پردہ پڑا ہوا ہے۔ جو اٹھایا نہیں
جاسکتا۔ اسلئے وہاں کے حالات عامہ مومنین کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ کامل
مومن ان حالات کو اپنی باطنی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔ بلکہ وہ تو اللہ تعالےٰ کی مہربانی
سے کائینات کے رموز واسرار کا معائنہ بھی کرسکتے ہیں[1] اور جو خاص الخاص لوگ ان
حالات کا معائنہ کرتے ہیں۔ وہ اس کیفیت کو دوسروں پر جو اسکے اہل نہیں ہوتے
ظاہر نہیں کرتے۔ اور جو اہل ہوتے ہیں اُن پر یہ کیفیت خود بخود ظاہر ہوجاتی ہے
اسلئے حالات برزخ پر خفا کا پردہ پڑا ہے۔ آپ کامل ولیوں اور صوفیوں کے
حالات پڑھیے۔ آپکو ان کیفیات کا کچھ نہ کچھ پتہ چل جائیگا حصن حصین ادعیہ ماثورہ
کی ایک مشہور کتاب ہے۔ اسکے مؤلف امام محمد جزری نے ابتدا میں سبب تالیف
بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ اُن پر اور مسلمانوں کی ایک جماعت پر ایک دشمن
نے غلبہ کیا۔ اور وہ دشمن مولف موصوف کے پیچھے پڑا۔ مگر مولف وہاں سے بھاگ
نکلے اور انہوں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا۔ اور دعا کیلئے عرض کی۔ جناب
رسالتمآب صلعم نے دعا کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن بھاگ گیا۔ اور امام موصوف
اور عامہ مسلمین اسکے شر سے بچ گئے[2] یہ سب کچھ جناب رسول اللہ کی دعا کی برکت
سے تھا جوکہ آپ نے عالم برزخ میں کی ہے۔ جب آپکی دعا اب تک مستجاب ہے۔

---

[1] کذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض۔ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ
لیلًا الخ۔ بنی اسرائیل۔ ۱۷-۱۔ [2] حصن حصین۔ ص۔ ۴ تا ۶۔

اوراس میں اب بھی وہی تاثیر موجود ہے۔ تم بہر سمجھ لو کہ آپکی تمام روحانی طاقتیں اور قوتیں اب بھی اسی طرح موجود ہیں۔ جسطرح کہ دنیا میں تھیں۔ اور آپ سے اب بھی دعا کی استدعا کی جا سکتی ہے۔ جیساکہ آپ سے آپکی زندگی میں ہوتی تھی۔

۱۳ ـــــ ہم آپ پر قرآنی نکات سے ایک نکتہ ظاہر کئے دیتے ہیں۔ نہ اسلئے کہ اس کیلئے قرآن میں کچھ نہ کچھ سند موجود ہے۔ اورجس شئی کیلئے سند موجود ہو۔ اسکا ظاہر کرنا راز کا افشا کر دینا نہیں ہوتا۔ راز وہ ہوتا ہے جسکا کچھ ذکر بھی نصوص میں موجود نہیں۔ جیساکہ ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے دو طرح کا علم حاصل کیا ہے۔ ایک تو میں نے تم میں پھیلا دیا ہے۔ اور دوسرا اگر میں اسے ظاہر کروں۔ تو میری گردن ماری جائے[1] یہاں علم ثانی سے اسرار و معارف کا علم مراد ہے۔ جسکے ظاہر کر دینے میں بڑا خلل واقع ہونیکا احتمال ہے۔ بعضوں نے اس علم کو اخبار فتن سے تعبیر کیا ہے۔ بہرحال جو علم ظاہر کرنے کے قابل نہ ہو۔ وہ تو ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔ اور ایسا علم علم رموز و اسرار ہو سکتا ہے۔ اور شاید علم فتن بھی۔ قرآن میں ہے۔ کہ کوئی شئے بھی ایسی نہیں جو اللہ کی حمد میں تسبیح نہ پڑھتی ہو[2]۔ شئی کیساتھ من تبعیضی مضمون پیدا کرتا ہے یعنی کوئی بھی شئی خواہ وہ کچھ بھی ہو اللہ کی حمد و تسبیح میں منہمک ہے۔ لیکن انکی تسبیح کو عامۃ الناس نہیں سمجھ سکتے۔ شئی میں ذرات بھی داخل ہیں۔ انسان کے بدن کے ذرات اسکے بال اور اسکے جسم کے ریزے بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ ایک طرح کی تسبیح تو انسان خود پڑھتا ہے۔ اور ایک طرح کی تسبیح اسکے بدن کے تمام اجزاء جو شئی کے مفہوم کے تحت آجاتے ہیں۔ پڑھتے ہیں۔ گو کہ عام انسانوں کو اس تسبیح کا شعور نہیں۔ مگر

[1] مشکوٰۃ باب العلم۔ روایت بخاری [2] تسبح له السموٰت السبع والارض ومن فیهن وان من شئ الا یسبح بحمده ولکن لا یفقهون۔ بنی اسرائیل ۱۷-۴۴۔

کامل مومن اور نبی جنکی روحیں اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہر آن مشغول رہتی ہیں۔ اس تسبیح سے بے خبر نہیں رہتے۔ لا تفقهون میں عامۃ الناس کیطرف اشارہ ہے خواص الخاص کیطرف نہیں۔ کیونکہ وہ تو سوتے بھی جاگتے ہوتے ہیں۔ اور ان کا جسم و جان ہاتھ پاؤں۔ آنکھ کان وغیرہ خود خدا بن گیا ہوتا ہے[1]۔ جن لوگوں کا کان آنکھ دل زبان۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ خود خدا بن جائے۔ وہ اشیاء کی تسبیح نہ سمجھیں تو پھر کون سمجھے۔ کیونکہ ان کا دیکھنا خدا کا ہی دیکھنا۔ ان کا سننا خدا کا ہی سننا ہے۔ اور ان کا تسبیح کو سمجھنا اللہ کے نور کے بل پر ہوتا ہے[2]۔

مشکل حکایتے است کہ تقریر میکنند
گویند رمز عشق مگوئید و مشنوید

ایسی روحوں کیلئے جسموں میں رہنا اور جسموں سے جدا ہونا کوئی فرق نہیں رکھتا۔ وہ یہاں بھی زندہ ہیں۔ اور فوت ہونے کے بعد بھی زندہ ہیں۔ اور جب وہ ہر حالت میں زندہ ہیں تو پھر انکی طاقتیں اور قوتیں کم از کم اسی قدر تو بحال رہنی چاہیں جسقدر کہ انکو زندگی میں حاصل تھیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ فوت ہونے کے بعد انکی روح کی طاقت زندگی سے بہت بڑھ جاتی ہے۔ اب آپ خود غور کر لیں۔ کہ ایسی پاک اور خدا سے قرب حاصل کی ہوئی روحوں سے دعا کی طاقت کسطرح سلب ہو سکتی ہے۔ اور انکی مانگی ہوئی دعا کو کسطرح شرف قبولیت حاصل نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص جبکہ انکی حیات و ممات میں قرآنی نص کے رو سے کوئی فرق نہیں ہے

صلاح کار کجا و من خراب کجا
ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

۱۴ ـــــ حصن حصین میں آداب دعا سے ہے۔ کہ دعا کرنے والا نبیوں اور نیک ...

اس کا ثبوت قرآن میں موجود ہے۔ مثلاً قرآن میں ہے۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ ۲-۱۵۴۔ یہاں عدم شعور عامۃ الناس کیطرف منسوب ہے۔ خواص مومنین یعنی نبی اولیاء کو شعور ہوتا ہے۔ [1] جیساکہ بخاری کی روایت میں ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب ذکر اللہ [2] وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی الآیہ۔ ید اللہ فوق ایدیهم۔ الآیہ

بندوں کا وسیلہ ہے۔ اصل عبارت یہ ہے۔ وان یتوسل الی اللہ تعالیٰ بانبیاء والصالحین من عبادہ[1] انبیاء کی اضافت اللہ کی طرف ہے اس لئے یہاں تمام انبیاء اگلے پچھلے مراد ہیں۔ اور اسی طرح عبادہ سے اسکے تمام نیک بندے مراد ہیں۔ ان نبیوں اور صالحوں میں زندہ بھی شامل ہیں۔ اور وفات پائے ہوئے بھی۔ پس ظاہر ہے کہ امام جزری کی رائے کے مطابق جو انہوں نے استسقا والی حدیث پر مبنی کی ہے۔ فوت شدہ نبی یا مومن سے بھی وسیلہ لیا جا سکتا ہے۔ اور جب فوت شدہ نبی یا مومن کا وسیلہ لیا جا سکتا ہے۔ تو پھر فوت شدہ نبی یا مومن کی دعا کا وسیلہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ وسیلہ تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک ذات کا دوسرے دعا کا اور تیسرے اعمال صالحہ کا۔ حدیثوں کی رو سے تینوں طرح کا وسیلہ ثابت ہے۔

۱۵ ـــ ذات کا وسیلہ استدعا سے بھی ہوتا ہے۔ اور بلا استدعا بھی۔ قرآن پاک میں ہے۔ کہ اللہ انکو عذاب نہیں دینے کا۔ جب تک کہ تو ان میں ہے[2]۔ یہ جناب رسول اللہ صلعم کی ذات بابرکات کیوجہ سے تھا۔ کہ اللہ نے لوگوں کو عذاب سے محفوظ رکھا۔ یہ وسیلہ بلا استدعا ہے۔ کیونکہ ایسا وسیلہ اس زمانے میں لوگوں نے نہیں مانگا تھا۔ نبی اور ولی حق تعالیٰ کے دوست ہوتے ہیں۔ اور دوست کی ذات کی عزت و حرمت کا خیال دوست کو ہر وقت رہتا ہے۔ اس عزت و حرمت کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ جو حقتعالیٰ کے یہاں خاتم النبیین کی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ دجال اور طاعون مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہونگے[3]۔ جناب رسول اللہ صلعم کی ذات کیوجہ سے مدینہ کو بھی حرمت حاصل ہوتی ہے یعنی آپکی ذات مدینہ

[1] حصن حصین ص ۲۴۳ – آداب دعا۔ بخاری۔ بزار۔ حاکم [2] وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون۔ انفال - ۸ - ۳۳ [3] منتخب جلد ۵ - ص ۳۵۲ - فضائل مدینہ

کے محفوظ رہنے کا وسیلہ بن گئی۔ اور یہ وسیلہ بلا استدعا حاصل ہوا ہے۔ مسند احمد میں ہے۔ کہ ابدال شام میں ہوتے ہیں۔ اور وہ چالیس تن ہیں۔ جب ان میں سے کوئی فوت ہوتا ہے۔ تو دوسرا اسکی جگہ لے لیتا ہے۔ انکی وجہ سے بارش ہوتی۔ انکی وجہ سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی۔ اور انکی وجہ سے اہل شام سے۔ عذاب دور ہوتا ہے[1]۔ طبرانی کی روایت میں ہے۔ کہ انہیں کی وجہ سے زمین قایم ہے۔ انہیں کیوجہ سے بارش ہوتی ہے۔ اور انہیں کیوجہ سے مدد حاصل ہوتی ہے[2]۔ گویا ان ابدالوں کی ذوات دنیا کے قایم ہونے اور اہل شام سے عذاب دور ہونے کا وسیلہ بنتی ہیں۔ اوپر کی حدیثوں میں اور دیگر حدیثوں میں بیان ہوا ہے۔ کہ انکی تعداد دنیا میں ہر وقت برابر رہتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ انکی ذوات کو دنیا کے قیام میں ایک خاص دخل حاصل ہے۔ اور کہ دنیا پر نزول رحمت ہونے میں بھی ان کا ہاتھ ہے۔ ورنہ یہ کبھی نہ کہا جاتا کہ انکی وجہ سے عذاب دور ہوتا ہے۔ اور کہ ان سے دنیا قائم ہے[3]۔ یہ افراد کاملین محبان و محبوبان حق تعالیٰ ہوتے ہیں۔ انکی جو عزت و حرمت حق تعالیٰ کے یہاں ہے۔ اسکا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ ابو داؤد میں ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ مجھکو ضعیفوں میں طلب کرو۔ کیونکہ تم کو رزق یا مدد ضعیفوں کی بدولت ملتی ہے۔ حدیث میں الفاظ یہ ہیں۔ ترزقون او تنصرون بضعفائکم[4] دوسری حدیث میں ہے کہ تم کو فتح فقرا مہاجرین کی طفیل ہوتی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ کان یستفتح بصعالیک المھاجرین[5] ان حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ ذات کا وسیلہ بھی لیا جاتا ہے۔ اور یہ وسیلہ بلا استدعا بھی ہوتا ہے۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں عمل جاریہ کا اسطرح پر ذکر ہے۔ مومن کے مرنے کے بعد جو نیک عمل اسکو"

[1] مشکوٰۃ باب ذکر یمن و شام [2] منتخب جلد ۵ ص ۳۳۲ [3] اس کے متعلق دیکھو باب چہارم اعتقادات ۵ تا ۸ [4] و [5] مشکوٰۃ باب فضل الفقراء

پونچتا ہے۔ وہ علم ہے جو اسنے سکھایا ہو۔ اور پھیلایا ہو۔ یا ولد صالح جو اس کے پیچھے رہا ہو یا قرآن شریف جو اسنے ورثہ میں چھوڑا ہو۔ یا مسجد جو اسنے بنائی ہو۔ یا گھر جو اسنے مسافروں کیلئے تعمیر کیا ہو۔ یا نہر جو اس نے جاری کی ہو۔ یا صدقہ جو اسنے اپنی زندگی اور صحت میں اپنے مال سے نکالا ہو جسکا ثواب اسے موت کے بعد پہنچتا ہے [1] امت کے اعمال کا ثواب نبی صلعم کو بھی پونچتا ہے۔ خواہ امتی دعا کریں یا نہ کریں۔ آپ اپنی امت کیلئے والد اکبر ہیں۔ جیسا کہ ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں ہے [2] اسی طرح بیٹے کے اعمال کا ثواب والد کو پونچتا ہے۔ خواہ بیٹا دعا کرے یا نہ کرے۔

مسلم کی روایت میں عمل جاریہ تین طرح کا ہے۔ صدقہ جاریہ۔ یا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ یا نیک بیٹا جو باپ کیلئے دعا کرے [3] یہاں ولد کیساتھ قید دعا کی ہے۔ لیکن یہ قید حتمی نہیں یعنی اس حدیث سے یہ مراد نہیں۔ کہ بیٹے کی طرف سے باپ کو صرف دعا کا ثواب پونچتا ہے۔ کیونکہ اوپر کی حدیث کے مطابق بیٹے کے نیک عملوں کا ثواب بھی والد کو جو اسکے بیٹا ہونے کا سبب ہے۔ کچھ نہ کچھ پونچتا ہے۔ اور اسطرح بیٹا باپ کیلئے ذات کا وسیلہ بنتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ جس مسلم کے تین بچے نابالغ فوت ہوں۔ اسے اللہ جنت میں داخل کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ ان بچوں پر اپنی رحمت کا فضل کرتا ہے۔ یہاں نابالغ بچوں کی ذات باپ کیلئے جنت میں داخل ہونے کا وسیلہ بنتی ہے۔ اور یہ وسیلہ ذات کا ہے [4] چونکہ رسول اللہ صلعم کی عزت و توقیر اور آپکی حرمت و عظمت اللہ تعالےٰ کے یہاں بیرون از

[1] مشکوٰۃ کتاب العلم۔ [2] انما انا لکم مثل الوالد لولدہ مشکوٰۃ آداب الخلا [3] مشکوٰۃ کتاب العلم [4] بخاری کتاب الجنائز۔ باب فضل من مات لہ ولد فاحتسب۔

حد ہے۔ اسی لئے استسقاء میں صحابہ آپ کا وسیلہ لیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ حضرت عمر بن الخطاب امساک باراں کے وقت حضرت عباس بن عبد المطلب کا وسیلہ لیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اے اللہ ہم تیری طرف اپنے نبی کا وسیلہ لاتے تھے۔ تو تو ہم پر بارش برساتا تھا۔ ہم تیری طرف اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لائے ہیں۔ تو ہم پر بارش برسا۔ تو بارش ہوتی تھی [1] اگر یہاں رسول اللہ صلعم کی محض دعا کا وسیلہ ہوتا۔ تو اس کا ضرور اشارہ کیا جاتا۔ ایسے موقعہ پر رسول اللہ صلعم کیطرف سے یا حضرت عباس رضہ کیطرف سے باقیوں کیساتھ مل کر دعا بھی ہوتی تھی۔ مگر حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تمام لوگ نبی صلعم یا عم نبی سے ذات کا وسیلہ ہی لیتے تھے۔ ورنہ اگر صرف دعا کا وسیلہ مراد ہوتا۔ تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ کہ ہم تیرے نبی کا وسیلہ تیری طرف لاتے ہیں۔ کیونکہ نبی تو خود دعائے استسقاء میں شامل ہوتے تھے۔ اور جب صورت یہ تھی تو نبی کے وسیلہ لانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اور پھر یہ کہنا ہی بے معنی تھا۔ کہ ہم تیری طرف عم نبی کا وسیلہ لاتے ہیں۔ اسلئے ظاہر ہے۔ کہ یہاں وسیلہ سے ذات کا وسیلہ مراد ہے۔ نہ کہ صرف دعا کا۔ یہ وسیلہ زندہ نبی اور فوت شدہ نبی کا ایک جیسا ہے۔ امام محمد جزری کی بھی یہی رائے ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اس استسقا والی حدیث میں اگر صرف دعا کا وسیلہ لیا گیا ہوتا۔ تو پھر الفاظ یہ ہونے چاہیے تھے۔ انا کنا نتوسل الیک بدعا نبینا الخ اس صورت میں حوالہ صرف دعا نبی یا دعا عم نبی کا ہوتا۔ حالانکہ صورت ایسی نہیں۔ یہاں صورت یہ ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی نبی کی عزت و حرمت کیوجہ سے مانگی جاتی ہے۔ اور دوسری طرف انکی امداد دعا بھی حاصل کر لی جاتی ہے۔ گویا کہ

[1] مشکوٰۃ باب الاستسقاء۔

یہاں دوگونہ طاقت سے دعا قبول ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کی بخشش ورحمت کسی کی
ذاتی کوشش پر ہی موقوف نہیں ہوتی۔ وہ جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور جسے
چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ کوئی شخص اپنے عملوں کے بل پر ہی حق تعالےٰ
کی بخشش کا امیدوار نہیں بن سکتا۔ بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ مومن
ایک نبی کا جو حق تعالیٰ کو تمام افراد سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ وسیلہ لاتا ہے۔
اور اسکے دل میں یہ خیال جاگزیں ہوتا ہے۔ کہ نبی کی محبوبیت اور مقربیت ضرور
اسکے آڑے آئیگی۔ بعض حالات میں ایسا وسیلہ بھی مطلب براری میں مفید ہو
سکتا ہے۔ اس وسیلہ کے ملنے میں بھی چند باتیں مستتر ہوتی ہیں۔ ایک تو اس میں
اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار ہے۔ اور دوسرے یہ اقرار بھی ہے۔ کہ نبی اسکے
نزدیک محبوب ترین ہستی ہے۔ گویا کہ اس سائل کو شان رسالت سے اقرار ہے
اور پھر وہ خود بھی دعا کرتا ہے۔ کہ میرے حال پر رحم کیا جائے۔ پس یہاں اقرار ربوبیت
اقرار رسالت۔ اور دعا، سائل بیک وقت جمع ہو جاتے ہیں۔ اس سے سائل
کی دعا عموماً قبول ہوتی ہے۔ لیکن اگر اسکے ساتھ نبی کی دعا بھی شامل ہو جائے۔
تو پھر نور علیٰ نور ہے۔ لیکن اس سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ذات
کا وسیلہ ایک مشروع وسیلہ ہے۔ اس حدیث بالا کے متعلق تذکرہ حضرت عباس
میں بھی کچھ تصریح موجود ہے[1] سعد بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک دن نبی صلعم کیساتھ
نقیع الخیل میں تھے۔ کہ حضرت عباسؓ آپکے سامنے آئے۔ آپ نے فرمایا (صحابہ کیطرف
مخاطب ہو کر) کہ یہ عباس تم لوگوں کے نبی کے چچا ہیں۔ خشک سالی کے زمانہ میں
جبکہ ایک دفعہ سخت قحط پڑا حضرت عمرؓ نے حضرت عباس کا وسیلہ لے کر پانی
برسنے کی دعا مانگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خوب پانی برسایا۔ زمین سرسبز ہو گئی۔

[1] دیکھو اسد الغابہ تذکرہ حضرت عباس ۱۲ منہ

اسی وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ واللہ یہ خدا کیطرف وصول و تقرب حاصل کرنے
کا وسیلہ ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت نے اسی موقعہ پر یہ اشعار موزون کئے۔

سال الامام وقد تتابع جدبنا ۔۔۔ فسقى الغمام بغرة العباس
عم النبى وصنو والده الذى ۔۔۔ ورث النبى بذاك دون الناس
احيا الاله به البلاد فاصبحت ۔۔۔ مخضرة الاجناب بعد الياس

ترجمہ۔ امام (حضرت عمر) نے سوال کیا۔ جبکہ ہم پر پے در پے قحط پڑے پس
حضرت عباس کی عزت کے طفیل پانی برسا۔ وہ عباس جو نبی کے چچا اور انکے
والد کے بھائی تھے۔ وہ عباس جنھوں نے یہ فضائل بمقابلہ تمام لوگوں کے خصوصیت
کیساتھ نبی سے میراث میں پائے تھے۔ اللہ نے اسکی وجہ سے شہروں کو زندہ کیا۔
پس وہ ہرے بھرے ہو گئے۔ بعد اسکے کہ مایوس ہو گئے تھے۔
جب پانی برسنے لگا۔ تو لوگ حضرت عباس کے جسم کو مسح کرتے تھے اور کہتے
تھے کہ مبارک ہو آپکو لے ساقی حرمین اس عبارت سے ذیل کی باتیں ثابت
ہوتی ہیں۔
اول۔ حضرت عباس کی ذات کا وسیلہ لے کر پانی کی دعا مانگی گئی۔
دوئم۔ حضرت عمر کی رائے کے مطابق حضرت عباس کی ذات اللہ تعالےٰ سے
تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔
سوئم۔ حضرت حسان جو خود صحابی تھے۔ یہاں وسیلہ ذات کا لیتے ہیں۔ آپکی صاف
طور یہ رائے ہے۔ کہ پانی حضرت عباس کی عزت کے طفیل برسا۔
چہارم۔ اگر یہاں حضرت عباسؓ کی ذات کا وسیلہ مراد نہ ہوتا۔ تو پھر حضرت حسانؓ
نے جن صحابہ کے روبرو یہ اشعار پڑھے تھے وہ ذات کے وسیلہ کی تردید
کر دیتے۔ اور حضرت حسان خود بھی ایسے الفاظ استعمال نہ کرتے جن سے ذات کا

وسیلہ مراد لیا جاسکتا تھا۔ امام ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے متعلق فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ کہ زید بن اسلم حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ جس سال حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کے ذریعہ سے پانی برسنے کی دعا مانگی۔ اسوقت آپ نے لوگوں کو یہ کہا کہ رسول اللہ صلعم کا حضرت عباس کے بارے میں وہی خیال تھا جو بیٹے کو اپنے باپ کی نسبت ہوتا ہے۔ سو اے لوگو رسول اللہ صلعم کی اُنکے چچا عباس کے بارے میں اقتدا کرو۔ اور انکو اللہ کیطرف وسیلہ لاؤ۔ اس روایت اور دیگر روایات کے بعد علامہ ابن حجر کی اپنی رائے یہ ہے۔ کہ اس قصہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے۔ کہ اہل خیر و صلاح اور اہل بیت نبوی سے استشفاع مستحب ہے۔ اور کہ اس سے فضیلت حضرت عباس اور حضرت عمر کی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ وہ حضرت عباس کے بارے میں تواضع اختیار کرتے تھے اور اس کے حق کو پہچانتے تھے۔ [۱] مستدرک حاکم ابن عساکر اور ابن نجار میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے سخت قحط کے سال (جس کو عام الرمادہ سے موسوم کرتے ہیں) حضرت عباس بن عبدالمطلب کے واسطہ سے استسقاء کی دعا مانگی آپنے کہا اے اللہ یہ تیرے نبی صلعم کے چچا ہیں ہم انکے ذریعہ تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ہم پر بارش برسا۔ ابھی آپنے یہ دعا ہی کی تھی۔ کہ بارش شروع ہوئی۔ پھر حضرت عمر ابن الخطاب نے خطبہ دیا۔ اور کہا۔ اے لوگو۔ رسول اللہ صلعم کو جناب عباس رض کی نسبت وہی خیال تھا۔ جو اُن کو اپنے باپ کی نسبت تھا۔ (یعنی حضرت عباس رض کو اپنے باپ کی جگہ دیکھتے تھے) آپ انکی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اور انکی قسم پوری کرتے تھے سو اے لوگو رسول اللہ صلعم کی انکے چچا کے بارے میں اقتدا کرو۔ اور انکو اس بات میں جو تم پر وارد ہو۔ اللہ کیطرف وسیلہ بناؤ [۲] ان حالات کی

[۱] فتح الباری جلد ۲ ص ۳۳۹ منتخب جلد ۵ ص ۱۰۳۱ میں مستدرک حاکم کی روایت موجود ہے۔ [۲] منتخب جلد ۵ ص ۲۱۰ تذکرہ عباس بن عبدالمطلب روایت ابن عمر۔

موجودگی میں شیخ ابن تیمیہ یا کسی اور بھی بڑے سے بڑے امام کا یہ خیال کہ اس حدیث سے وسیلہ صرف دعا کا مستنبط ہوتا ہے۔ بالکل غلط ہے۔ جناب رسول اللہ صلعم کی ایک دعا یہ بھی تھی۔ اللّٰھم انی اسئالك بحق السائلین علیك چنانچہ ابن ماجہ میں جو حدیث بروایت ابو سعید خدری آئی ہے۔ اسمیں یہ الفاظ موجود ہیں۔ انی اسئالك بحق السائلین علیك واسئالك بحق ممشائی ھذا الیك [۱] یعنی اے اللہ میں تجھ سے اس حق سے سوال کرتا ہوں جو سائلوں کا تجھ پر ہے۔ اور اس حق سے جو میرا تیری طرف اس چلنے کا ہے۔ یہ حق سائلوں کا کیا ہے۔ یہ حق انکی عزت اور انکے اتقار و قرب کا ہے۔ جو انہیں اللہ تعالے کے یہاں حاصل ہے۔ اور یہی ایک طرح سے وسیلہ ذات کا ہے۔ اور ایسا وسیلہ ہر مومن مسلم کا لیا جاسکتا ہے۔ خواہ وہ اس دنیا میں موجود ہو۔ یا اُس دُنیا میں ایسی قسم کی ایک حدیث طبرانی ابن حبان اور حاکم نے بھی بیان کی ہے۔ اور انہوں نے اسکی تصحیح بھی کی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جب علی بن ابیطالب کی والدہ فاطمہ بنت اسد فوت ہوئی۔ تو آپنے اسکے دفن کرنے کے بعد یہ دعا مانگی۔ اے اللہ میری چچی فاطمہ بنت اسد کو بخش۔ اور اس پر اسکی قبر کو میرے حق سے اور اُن نبیوں کے حق سے جو میرے پہلے آئے۔ کشادہ کر۔ کیونکہ تو ارحم الرحمین ہے عربی کے الفاظ یہ ہیں۔ بحق نبیك والانبیاء الذین قبلی۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ زندہ اور فوت شدہ نبیوں کے حق سے اور انکے قرب اور انکی عزت و حرمت سے اور انکی ذات سے توسل لیا جاسکتا ہے۔ اور ایسا توسل بعد وفات بھی لیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ ایک اور حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ جو طبرانی اور بیہقی نے روایت کی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ایک شخص

[۱] طبرانی میں بھی بحق السائلین علیك کے الفاظ آئے ہیں حصن حصین اذکار الصباح والمساء ص ۴۸

حضرت عثمان کے پاس انکے زمانہ خلافت میں آیا کرتا تھا۔ مگر آپ اسکی طرف متوجہ نہ ہوئے تھے۔ اس نے یہ ماجرا ایک صحابی عثمان بن حنیف سے کہا۔ اُسنے اسے وضو کرایا۔ اور کہا کہ تم یہ دعا پڑھکر وہاں جاؤ۔ اللھم انی اسئالک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی لتقضی اللھم شفعہ فیّ۔ یہ وہی دعا ہے۔ جو رسول اللہ صلعم نے ایک اندھے کو بتائی تھی۔ اور اسکے پڑھنے سے وہ بینا ہو گیا تھا۔ جب یہ شخص یہ دعا پڑھ کر دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ تو اُسے حضرت عثمان کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ نے اس سے دریافت کر کے اسکی ضرورت پوری کی[1] اور کہا کہ جب کبھی تمہیں کوئی ضرورت لاحق ہو۔ تو بلا تکلف میرے پاس آنا۔ ان تمام احادیث مذکورہ بالا کی موجودگی میں ہمیں کسی ایسی حدیث سے تمسک کی ضرورت نہیں جسے ضعیف و موضوع بتایا جاتا ہے۔ اسلئے ہم اُن تمام حدیثوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔ جو آدم علیہ السلام کے استغفار کے بارے میں آئی ہیں۔ اُن دعاؤں میں حضرت آدمؑ نے حضرت محمدؐ کی ذات و حرمت کا وسیلہ لیا ہے۔ اس قسم کا توسل پہلے نبیوں کی امتیں بھی لیتی ہونگی۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔ وکانو من قبل یستفتحون علی الذین کفروا۔ فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ۔ یعنی یہودی حضرت محمدؐ کے مبعوث ہونے سے پہلے آپ کے واسطے سے دوسروں پر فتح کی دعائیں کرتے تھے۔ اور یہ استفتاح عزت و حرمت رسول یعنی ذات رسول کے واسطہ سے تھا یہ آیت بنی قریظہ اور نضیر کے بارے میں آئی ہے۔ یہ یہودی قبیلے عرب میں آباد تھے اور اوس اور خزرج پر فتح مانگتے تھے۔ طبرانی کبیر میں ہے۔ کہ سواد بن قارب نے جناب رسالت مآبؐ کے حضور میں ایک قصیدہ پڑھا جس میں اشعار ذیل بھی تھے۔

[1] اسد الغابہ۔ تذکرہ عثمان بن حنیف۔

واشھد ان اللہ لا رب غیرہ	وانک مامون علی کل غائب
وانک ادنی المرسلین وسیلۃ	الی اللہ یا ابن الاکرمین الاطایب
وکن لی شفیعاً یوم لا ذو شفاعۃ	بمغنٍ فتیلاً عن سواد بن قارب

اس میں رسول اللہ کے سامنے یہ کہا گیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ہیں اور اس سے ذات اور دُعا دونو کا وسیلہ نکلتا ہے۔ آپ نے اس توسل سے انکار نہیں کیا۔ جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ اپنی امت کے لئے وسیلہ ہیں۔ اسی طرح آپکے اہل بیت بھی آپکی امت کیلئے وسیلہ ہیں۔ ترمذی میں ہے۔ رسول اللہ صلعم نے جبکہ آپ عرفہ کے دن بوقت حج خطبہ دے رہے تھے۔ فرمایا اے لوگو۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اسے پکڑے رکھو۔ تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت[2] ترمذی کی دوسری روایت بھی اسی سے ملتی جلتی ہے[3] اسمیں تمسک کا لفظ آیا ہے۔ پہلی حدیث میں اخذ کا لفظ آیا ہے۔ تمسک اور اخذ کا مطلب ایک ہی ہے۔ تمسک کس لحاظ سے اور کس چیز سے تمسک ہوسکتا ہے۔ انکی حُب سے انکی عزت و حرمت سے انکی ذات سے۔ انکی دُعا سے۔ انکی تابعداری سے۔ انکے ساتھ توسل سے۔ یعنی انکی ذات۔ انکی اللہ کے یہاں عزت و حرمت۔ اُن کا تقویٰ۔ انکی محبت انکی اطاعت اور انکی دُعا ہمارے لئے وسیلہ بن سکتی ہے۔ چنانچہ امام شافعی کہتے ہیں ؎

آل النبی ذریعتی	وھم الیہ وسیلتی
ارجو بھم اعطی غداً	بیدی الیمین صحیفتی

یعنی آل نبی میرا ذریعہ ہیں۔ اور اللہ کیطرف میرا وسیلہ ہیں۔ انکی وجہ سے میں امید رکھتا ہوں کہ کل میرے دائیں ہاتھ میں میرا نامہ اعمال دیا جائیگا یہاں

[2] و [3] مشکوۃ باب مناقب اہل بیت نبیؐ۔

امام شافعی رحمۃ نے یہ نہیں کہاکہ آل نبی کی دُعا میرا وسیلہ ہے۔ بلکہ کہاکہ وہ خود میرا وسیلہ ہیں۔ جس سے ذات کا وسیلہ نکلتا ہے۔ امام شافعی کی نسبت یہ بھی بیان کیاگیا ہے کہ آپ جب بغداد میں ہوتے۔ تو آپ امام ابوحنیفہ کی قبر پر آتے اور سلام کہتے اور اپنی حاجات میں اُن سے توسل کرتے تھے[1] یہ بھی کہاگیا ہے۔ کہ امام احمد حنبل امام شافعی سے توسل لیاکرتے تھے۔ امام موصوف کے بیٹے نے جب تعجب کیا۔ تو آپنے کہاکہ امام شافعی لوگوں کیلئے سورج کی طرح ہیں۔ بیان کیاجاتا ہے۔ کہ ایک بار قریش پر قحط پڑا۔ جناب رسول اللہ صلعم اُن دنوں شیرخوار بچہ تھے۔ ابوطالب نے انکو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا۔ اور اُن کے وجود باجود کے وسیلہ سے استسقا کی دعا کی۔ چنانچہ بارش ہوئی۔ اور قحط دور ہوا۔ حضرت خالد بن ولید کے تذکرے میں علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ "اہل فارس و روم کے قتال میں حضرت خالد سے بہت کارہائے نمایاں ظاہر ہوئے۔ انہوں نے دمشق کو بھی فتح کیا۔ انکی ٹوپی میں جسے پہن کر وہ ہنگامہ کارزار گرم کیاکرتے تھے۔ رسول اللہ صلعم کا ایک موئے مبارک آویزاں رہتا تھا۔ اسکی برکت سے فتح مانگا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ فتحمند رہتے تھے"[2] حضرت خالد بن ولید جیسے جلیل القدر صحابی جنکو بارگاہ رسالت سے سیف اللہ کا طغرائے امتیاز حاصل تھا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے موئے مبارک کا وسیلہ لاتے تھے۔ اور یہ بھی ایک طرح سے ذات کا یا متعلقات ذات کا وسیلہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ ذات کے وسیلہ کے منکروں کو ان آثار و شواہد پر نظر نہیں۔ اُن کو یاد رہنا چاہیے کہ صحابہ کا عمل ہمارے لئے مشعل ہدایت ہے۔ اصحابی کالنجوم بایّھم اقتدیتم اھتدیتم۔ شیخ ابن تیمیہ آیت واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام کا حوالہ دیکر خود تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اُس سے رشتہ داری کے حقوق کی یاد دہانی نکلتی ہے۔

[1] یہ قول علامہ ابن حجر کا ہے۔ دیکھو فصل ۲۔ کتاب الخیرات الحسان فی مناقب نعمان [2] اسد الغابہ۔ تذکرہ خالد ابن ولید سیف اللہ

اور یہ ظاہر ہے۔ کیونکہ رشتہ داروں کے آدمی پر حقوق ہوتے ہیں۔ جن کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیرالمومنین علی ؑ ابن ابی طالب سے جب انکے بھتیجے عبداللہ بن جعفر اپنے باپ اور انکے بھائی جعفر کا حق یاد دلاکر کچھ مانگتے۔ تو آپ فوراً دیدیتے تھے۔ کیونکہ جعفر کے آپ پر حقوق تھے۔ جن کا ادا کرنا آپ ضروری سمجھتے تھے[1] اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ شیخ ابن تیمیہ کی رائے کے مطابق بھی رشتہ داری اور حقوق رشتہ داری کا وسیلہ لینا جائز ہے۔ ثمامہ ابن اثال ابتدائے کفر میں رسول اللہ صلعم کے جان کے لاگو تھے۔ پھر جب مسلمان ہوئے۔ تو انکی شیفتگی رسول اللہ صلعم سے ضرب المثل بن گئی۔ جب یہ اسلام لائے۔ تو قریش نے کہا کہ ثمامہ حضرت محمد ؐ کے دین کی باتیں کرتا ہے۔ اسلئے یہ بے دین ہوگیا ہے۔ ثمامہ نے کہاکہ واللہ میں بے دین نہیں ہوں۔ بلکہ میں تو مسلمان ہوں۔ قسم ہے اسکی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اب تمہیں یمن سے ایک دانہ بھی نہ آئیگا جب تک کہ رسول اللہ صلعم اجازت نہ دیں۔ ثمامہ اپنے شہر لوٹ گئے۔ اور انہوں نے غلہ مکہ جانے سے روک دیا۔ قریش سخت تنگ آئے۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلعم کو خط لکھا۔ اور اپنی قرابت کا واسطہ دلایا۔ کہ آپ ثمامہ کو لکھدیجیے۔ کہ غلہ نہ روکیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم نے اجازت نامہ لکھدیا[2] اس سے ظاہر ہے کہ ذات کے وسیلہ کے علاوہ قرابت اور رشتہ داری کا وسیلہ بھی لیاجاتا ہے اور ایسا وسیلہ نص قرآنی کے رو سے جائز ہے۔ جیساکہ اوپر مذکور ہوا۔ ذات حق اور دعا کا وسیلہ تو درکنار نبیوں اور نیک بندوں کی قبروں کا وسیلہ بھی قرون اولیٰ میں لیاجاتا رہا۔ دارمی کی روایت میں ہے۔ کہ ایک دفعہ مدینہ والوں پر سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے عرض کی۔ آپ نے فرمایاکہ نبی صلعم کی قبر کو

[1] کتاب الوسیلہ۔ ص۔ ۲۳۰ [2] اسد الغابہ۔ ثمامہ بن اثال۔

دیکھو۔ اور قبر سے آسمان کیطرف سوراخ کردنا آنکہ قبر اور آسمان کے مابین کوئی چیز حائل نہ رہے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ تو پانی برسا یہاں تک کہ گھاس پیدا ہوئی اور اونٹ ایسے موٹے تازے ہوئے کہ چربی کیوجہ سے اُن کے جسم پھٹنے لگے اسی لئے اس سال کو عام الفتق کہتے ہیں[1] اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ احتیاج حوائج ہر قسم کیلئے قبر کا وسیلہ لینا بھی جائز ہے۔ ابوایوب انصاری مشہور صحابی تھے۔ ان کا تذکرہ اسد الغابہ میں ہے۔ یہ بدر۔ اُحد اور تمام مشاہد میں۔ رسول اللہ صلعم کے ساتھ رہے۔ ان کی وفات ۵۲ھ میں ہوئی۔ جبکہ یہ جہاد میں تھے۔ انکی قبر قسطنطنیہ کے قریب ہے۔ لوگ اسکے ذریعہ سے پانی برسنے کی دعا مانگتے ہیں[2] اس سے ظاہر ہے کہ نبیوں اور نیک بندوں کی قبروں کو بھی وسیلہ رحمت کا بنایا جاسکتا ہے۔ اور ایسا کرنا مشروع ہے۔ جیسا کہ خود حضرت عائشہ صدیقہ نے ایسا کرنے کیلئے صحابہ وغیرہ کو فرمایا۔ اگر قبر کا وسیلہ لینا ممنوع ہوتا۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ جیسی بلند مرتبہ فقیہہ صحابیہ کبھی ایسا حکم نہ دیتیں۔ اور کبار صحابہ بھی کبھی خلاف اصول عمل نہ کرتے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ قبر نبوی بلاخلاف افضل بقاع ارض تصور کی جاتی ہے۔ جیسا کہ قاضی عیاض نے اسکی تصریح کی ہے[3] اور چونکہ جناب رسول اللہ صلعم کے بیٹھنے کی جگہوں آپکی چھوئی ہوئی چیزوں اور مسجد نبوی کے ستونوں سے تبرک لینا صحابہ کا عمل تھا۔ اسلئے آپکی قبر سے بھی آپکی حرمت و عزت کیوجہ سے تبرک لینا جائز سمجھا گیا۔ اور قرون اُولیٰ میں بھی لیا جاتا رہا ہے[4] پس قبر کے

---

[1] مشکوٰۃ باب کرامات [2] اسد الغابہ۔ تذکرہ خالد بن ید کلب بیہقی اور ابن ابی شیبہ کی ایک روایت ہے کہ خلیفہ ثانی کے عہد میں قحط پڑا۔ بلال بن حارث صحابی قبر نبوی پہ حاضر ہوئے اور عرض کی استسق امتک۔ اپنی امت پر بارش برسائیے۔ انکو بارش کی بشارت دیگئی جواب میں۔ اور بارش برسی [3] شفا جلد ۲۔ ص ۶۸ تا ۷۰۔ [4] ایضاً

متبرک مقدس ہونے کی وجہ سے استسقا کا وسیا حضرت عائشہ صدیقہ کے فرمانے کے مطابق صحابہ نے لیا ہے تو ایکطرح کا وسیلہ ہوا۔ دوسرا وسیلہ دعا کا ہے۔ اور ایسا وسیلہ زندگی اور وفات دونوں میں لیا جا سکتا ہے۔ نبی اور صدیق فوت ہونے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ اور انکی وہ تمام روحانی طاقتیں اور قوتیں جو انہوں نے زندگی میں حاصل کی ہوتی ہیں۔ برزخ میں بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑتیں۔ اسلئے فوت ہوئے پیچھے بھی اُن کی دعائیں قبولیت کی حیرت انگیز تاثیر ہوتی ہے[1] تیسرا وسیلہ ذاتی اطاعت کا ہے۔ جو سب کے نزدیک معروف و متعارف ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ تین شخص ہمسفر تھے۔ راستے میں انکو بارش نے آلیا۔ وہ ایک غار میں جا چھپے۔ اتفاقاً ایک پتھر گرا۔ اور اس سے غار کا منہ بند ہو گیا۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کو اب نیک عملوں کے واسطے سے دعا کئے بغیر نجات ممکن نہیں۔ ہر ایک اپنے عمل کے واسطے سے دعا کرے۔ تینوں نے اپنے اپنے عمل کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ سے نجات کی دعا مانگی۔ اور ہر ایک کی دعا سے پتھر سرکتا گیا۔ حتیٰ کہ تیسرے کی دعا سے پتھر بالکل سامنے سے ہٹ گیا۔ اور وہ تینوں بچ گئے[2] یہاں ایک بات قابل غور ہے۔ اور وہ یہ کہ ذات کے وسیلہ کے منکر اسکی تحریم کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے خود فرمایا ہے۔ اذا استعنت فاستعن باللہ۔ یعنی جب تم اعانت مانگو تو اللہ سے۔ عانت مانگو۔ اور قران میں بھی ہے۔ وایاک نستعین۔ اس سے تسبب اور کسب کی نفی مراد نہیں۔ بلکہ اس سے نفی اس امر کی مراد ہے کہ موثر اور فاعل حقیقی غیر اللہ کو سمجھا جائے۔ قرآن میں ہے۔ انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء۔ اس آیت کا مطلب

---

[1] اسکے متعلق مفصل بحث ابواب اول اور سوئم میں بھی کیگئی ہے [2] تفصیل کیلئے دیکھو بخاری کتاب الانبیاء باب حدیث الغار۔ ص ۲۹۳ مشکوٰۃ باب البر والصلو روایت صحیحین۔

یہ ہے۔ کہ فاعل اور موثر حقیقی ہدایت کا حق تعالےٰ ہے لیکن اس ہدایت سے نفی اس شعبہ ہدایت کی مقصود نہیں جو ہدایت حقیقی کے حصول کیلئے سبب ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔ وانك لتهدی الی صراط مستقیم۔ پہلی آیت میں رسول اللہ صلعم سے نفی ہدایت کیگئی ہے۔ اور دوسری آیت میں اثبات ہدایت کا کیا گیا ہے۔ جس آیت میں نفی ہے۔ اسمیں رسول کے فاعل حقیقی ہونے کی نفی ہے اور جسمیں اثبات ہے۔ اسمیں اثبات اس امر کا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم وسیلہ ہدایت کا ہیں۔ اور آپ سے اسی صورت میں توسل کیا جا سکتا ہے۔ اور آپکو سبب عادی ایک شئی کے حصول کا بنایا جا سکتا ہے۔ یہی حال تشفع اور استمداد کا ہے۔ توسل کا مطلب یہ ہے کہ کسی نیک بندے کی ذات یا دعا سے استشفاع حاصل کیا جائے اور یہی دوسرے لفظوں میں تشفع ہے۔ استغاثہ سے طلب غوث مراد ہے حقیقی مستغاث بہ حق تعالیٰ ہے۔ اور اسی سے طلب غوث بحیثیت موجد اور خالق فعل کے ہو سکتا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلعم یا کسی اور نیک بندے سے کسب اور سبب کے لحاظ سے طلب غوث کی نفی نہیں کی جاتی۔ جیسا کہ ہدایت کی صورت متذکرہ بالا میں ہے۔ قرآن میں ہے۔ ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ پھینکنے والے رسول صلعم تھے۔ لیکن جو نتیجہ اس رمی پر مرتب ہوا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلق اور ایجاد سے ہوا۔ لیکن اس سے اس رمی کی نفی نہیں کیگئی۔ جو اس نتیجہ کا باعث اور سبب ظاہری ہوا تھا۔ اور وہ رسول کا رمی کا تھا۔ یعنی کہ آپنے مٹھی بھر کر کنکریاں کی کفار کیطرف پھینکی۔ اس کسب اور سبب کیطرف خود قرآن میں الفاظ اذ رمیت سے اشارہ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے رمی کا فعل کیا اور ضرور کیا۔ اور آپ کا ایسا کرنا اور اس پر نتیجے کا مرتب ہونا کسب کے لحاظ سے تھا۔ پس اسی ایک آیت میں ایک لحاظ سے رمی کی نفی اور ایک لحاظ سے اس کا اثبات کیا گیا ہے

اور اسی طرح کی صورت توسل تشفع اور استغاثہ بغیر حق کی ہے۔ اور اسکی جوازیت سے کوئی ذی ہوش انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن میں اس طرح کی اضافت فعل کی غیر حق کیطرف کثرت سے موجود ہے۔ اور اسے اصطلاح میں مجاز عقلی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح کے استعمال پر استغاثہ توسل اور تشفع کے مفہوم کو قیاس کر لو۔

۱۶ — حضور علیہ الصلوۃ کو نماز میں بصیغہ خطاب سلام بھیجی جاتی ہے۔ السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبركاته[1] اور یہ خطاب عبث نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے متعین کئے ہوئے ہیں۔ جو دنیا میں پھرتے رہتے ہیں۔ اور آپکو امت کی سلام و درود پونچاتے رہتے ہیں[2] آپنے فرمایا کہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھے پونچتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہمارا درود آپ کو کیسے پونچ سکیگا۔ جبکہ آپ کا جسم گل گیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے نبیوں کے جسم زمین پر حرام کر دئے ہیں[3] ابو داؤد میں ہے کہ کوئی مسلم مجھ پر سلام نہیں بھیجتا۔ مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹاتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اسے سلام کا جواب دیتا ہوں[4] رد علی روحی سے مراد یہ نہیں کہ روح جسم میں داخل کی جاتی ہے۔ بلکہ اسکا مطلب تو یہ ہے کہ آپکی روح عالم برزخ میں مشاہدہ ربی میں مستغرق ہوتی ہے۔ جب آپ پر کوئی درود بھیجتا ہے۔ تو روح اس مشاہدہ سے باہر آکر جواب دیتی ہے۔ دنیا میں بھی آپکی روح مشاہدہ میں مستغرق تھی۔ مگر وہ استغراق اور طرح کا تھا۔ اور یہ استغراق اور طرح کا ہے یعنی یہ استغراق عالم برزخ کا بہت بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ برزخ میں توجہ

[illegible] ترمذی۔ ابو داود۔ نسائی۔ ابن ماجہ و دارمی۔ مشکوۃ ص ۲۲۹۔ باب اعلان النکاح [illegible]
جلد اول۔ باب الصلوۃ علی النبی ص ۳۵ [illegible] ابو داود۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ احمد منتخب اول۔ باب الصلوۃ علی النبی [illegible] مشکوۃ باب الصلوۃ علی النبی

الی الخلق اور نزول کی وہ کیفیت جو کہ دنیا میں بہ تمامہ موجود تھی۔ ایک حد تک مفقود ہے۔ اس وقت آپ پر دن میں اربوں کروڑوں بار درود وسلام بھیجی جاتی ہے۔ مگر آپ ہر جگہ سے پونچی ہوئی سلام و درود کا جواب دیتے ہیں۔ درود وسلام دعا واستغفار ہے۔ آپکی امت آپ کیلئے دعا کرتی ہے۔ اور آپ اپنی امت کے لئے دعا کرتے ہیں۔ گویا کہ دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی آپ اپنی امت کیلئے دعا کر رہے ہیں۔ اور آپ کی دعا امت کیلئے بڑے بڑے کام نکالتی ہے۔ اسلئے ثابت ہے۔ کہ وفات کے بعد بھی آپکی دعا آپکی امت سے منقطع نہیں ہوئی جیسا کہ بعض لوگوں کا غلط خیال ہے۔ یہاں ایک بات غور طلب یہ ہے کہ آپ پر درود وسلام بھیجنے والے کروڑوں اربوں ہیں۔ انکی سلام ودعا پونچانے والے بھی ہزاروں فرشتے ہونگے۔ ان سب فرشتوں کا جو ارواح مجردہ ہیں۔ آپکی روح سے براہ راست تعلق ہے۔ اور آپکی روح اسقدر ارواح مجردہ سے مکالمہ میں مشغول رہتی اُن سے امت کا بھیجا ہوا درود وسلام سنتی۔ اور پھر ہر ایک کے درود وسلام کا جواب دیتی ہے۔ اس سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ کی روح عظمی کو ادراک سماع اور جواب وغیرہ کی کسقدر غیر معمولی قوتیں حاصل ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ روح کے جسم سے جدا ہونے پر روح کی قوتیں بہت بڑھ جاتی ہیں بشرطیکہ ایسے قوتوں کے حاصل کرنے اور انکے قائم رکھنے میں اس نے دنیا میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ہو۔ آپ تسلیم کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ کی روح درود وسلام کا جواب دعا سے دیتی ہے۔ اور آپ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ درود وسلام جو آپ پر بھیجی جاتی ہے۔ وہ دعا واستغفار کی ہی ایک سُلجھی ہوئی صنف ہے۔ جب آپ یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ آپ کی روح ایک دعا کا جواب دیتی ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپکی روح کو دوسری دعاؤں کے جواب کی بھی قدرت نہ ہو۔ اس لئے ضروری ہے

کہ آپکی روح اسوقت بھی اپنی امت کیلئے ہر قسم کی دعا کی قدرت رکھتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک چیز اور لیجئے۔ ابو داؤد کی حدیث بالا کا منشا ریہ ہے۔ کہ آپ سلام کا جواب سلام سے دیتے ہیں۔ سلام کرنے والا دوسرے کی سلامتی اور عافیت چاہتا ہے جب رسول اللہ صلعم سلام کا جواب دیتے ہیں تو گویا آپ دوسرے لفظوں میں دوسروں کے لئے سلامتی اور عافیت کی دعا کرتے ہیں۔ سلامتی اور عافیت دین و دنیا کی بہتری پر مشتمل ہے۔ طبرانی میں ہے کہ جب کوئی آپ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ تو وہ آپ تک پونچتی ہے۔ اور آپ بھی اس پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں[۱] یہ مانی ہوئی بات ہے کہ صلوٰۃ اللہ کیطرف سے رحمت ہے۔ اور نبی اور فرشتوں کیطرف سے استغفار۔ چنانچہ مجمع البحار میں ہے۔ ھی من اللہ الرحمۃ ومن النبی والملائکۃ الاستغفار[۲] پس رسول کا صلوٰۃ بھیجنا دوسرے لفظوں میں استغفار مانگنا ہے۔ اس شخص کیلئے جو آپکو صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ اپنے لئے دعا کرنے کی بجائے رسولؐ کو صلوٰۃ بھیجنا افضل ہے۔ بالخصوص جبکہ رسول کی دعا استغفار دوسروں کی دعا سے بدرجہا بہتر ہے[۳] استغفار کی اہمیت سے کسی طرح انکار نہیں ہوسکتا۔ صحیح معنی میں بخشا ہوا وہی ہوتا ہے جو پاک ہوا ہوا ہو۔ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی دن میں کئی بار استغفار کرتے تھے اور اپنی امت کو بھی استغفار کرنے کا حکم دیتے تھے اسکے متعلق اگر آپ تفصیلی حالات دیکھنا چاہتے ہیں تو کتب احادیث کا باب استغفار پڑھیے۔ استغفار پر چونکہ بہتر سے بہتر نتیجہ مرتب ہوسکتا ہے۔ اسلئے رسول کا کسی کیلئے استغفار کرنا حیرت انگیز نتائج کے پیدا کرنے کا سامان ہی تو ہے۔ پس ان شواہد اور ان احادیث کی موجودگی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پونچتی ہے۔ کہ جناب رسالتمآب عالم برزخ میں بھی استغفار کرنے اور سلام وصلوٰۃ بھیجنے کی کیفیت سلب

[۱] ترغیب و ترہیب منذری ص ۲۹۹ [۲] مجمع البحار۔ لفظ صلا [۳] مشکوٰۃ باب الاستغفار منتخب جلد ۲ ص ۲۵۵ تا ۲۶۰

نہیں ہوئی ۔ اور آپ اسوقت بھی اپنی امت کے افراد کیلئے استغفار وغیرہ کی دعائیں ویسے ہی بلکہ اُس سے بھی زیادہ کرسکتے ہیں ۔ جیسے کہ آپ اپنی حین حیات میں کیا کرتے تھے ۔

۷ ا ۔۔۔۔ نماز دعا مشروعہ ہے ۔ پہلے نبی بھی نماز پڑھا کرتے تھے ۔ جیسا کہ اقم الصلوٰۃ لذکری کا حکم موسیٰ علیہ السلام کو ہوا[1] ہم نہیں کہ سکتے کہ انکی نماز کے تفصیلی ارکان کیا تھے لیکن اسقدر ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں ۔ کہ انکی اور ہماری نماز اصولاً ایک جیسی ہوگی ہماری اور انکی نماز سے مقصود دعا ہے ۔ دعا اپنی اور اپنے بھائیوں کی بہتری کیلئے کی جاتی ہے ۔ ہماری نماز میں معتد بہ حصہ دعا کا ہے[2] پیغمبر پہ درود بھی دعا ہے ۔ قرات میں بھی کچھ نہ کچھ حصہ دعا کا آجاتا ہے ۔ پس ظاہر ہے کہ نبی کیا عامہ مومنین بھی اپنی نماز میں اپنی اور اپنے دینی بھائیوں کی بہتری کیلئے دعا کرتے ہیں ۔ عالم برزخ میں بھی انبیاء نمازیں پڑھتے ہیں ۔ رسول اللہ صلعم نے شب معراج کو حضرت موسیٰ ۔ عیسیٰ ۔ ابراہیم علیہم السلام کو نماز پڑھتے دیکھا ۔ اور آپ نمازمیں انبیاء کے امام بنے[3] ترمذی ۔ مستدرک ۔ حاکم اور بیہقی کی ایک حدیث ہے کہ نبی صلعم کے کچھ اصحاب نے ایک جگہ خیمہ لگایا ۔ وہ جگہ قبر کی تھی ۔ مگر ان کو معلوم نہ تھا پس کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک انسان سورہ ملک پڑھ رہا ہے ۔ صحابہ نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اور یہ ماجرا عرض کیا ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سورۃ عذاب قبر سے بچاتی ہے[4] اس لئے ظاہر ہے کہ مومن قبروں میں نماز بھی پڑھتے ہیں ۔ اور قرآن بھی پس دنیا سے گذرے ہوئے نبی ولی اور مومن اپنے لئے اور اپنے دینی بھائیوں کیلئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں ۔ انکی دعائیں اکارت نہیں جاتیں ۔ بلکہ ان کی دعاؤں کا اثر ہماری دعاؤں سے بھی بڑھکر ہوتا ہے ۔ ہمارے دل

[1] طہ ۔ ۲۰ ۔ ۱۴ ۔ رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی الخ ۔ ابراہیم ۔ ۱۴ ۔ ۴۰ [2] جیسے کہ ہم پڑھتے ہیں ۔ اھدنا الصراط المستقیم ۔ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ الخ وغیرہ [3] مشکوٰۃ باب معراج ۔ مسلم ۔ [4] شرح الصدور للسیوطی ۔ مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن ۔ فصل

خواہشات ولذات سے گھرے ہوتے ہیں ۔ اُنکے دل اس حالت سے کوسوں دور ہوتے ہیں ۔ اگر گذرے ہوئے نبیوں کی دعائیں کچھ اثر نہ لائیں ۔ تو پھر کوئی نبی بھی عالم برزخ میں نماز نہ پڑھتا اور نہ اپنے لئے اور اپنے دینی بھائیوں کیلئے دعا کرتا ۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ فوت شدہ مومنوں اور نبیوں کی نمازیں وجوب پر مبنی نہیں ہوتیں بے شک یہ درست ہے کہ عالم برزخ میں ارواح مکلف نہیں ۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ جو نمازیں وہ عالم برزخ میں پڑھتے ہیں ۔ بالکل عبث ہیں ۔ اور کہ اُن کا کوئی نتیجہ ہی برآمد نہیں ہوتا ۔ حقیقت یہ ہے کہ ان نمازوں سے اُن کے درجات بڑھتے ہیں ۔ اور جو دعائیں وہ ان نمازوں میں اپنے اور اپنے دینی بھائیوں کیلئے مانگتے ہیں ۔ ان کا ایک نہ ایک طرح سے اثر ہو کر رہتا ہے ۔ ہم اس عالم میں رہ کر کسی وقت کوئی کام عبث کرسکتے ہیں ۔ وہ جو یہاں سے رخصت ہو کر عالم آخرت اور عالم برزخ کے حالات سے واقف ہوجاتی ہیں ۔ کوئی کام عبث نہیں کرسکتیں ۔ اسلئے گذرے ہوئے نبیوں اور مومنوں کی دُعائیں ہمارے لئے اثر رکھتی ہیں ۔ اور ضرور رکھتی ہے ۔ اور ایسا اثر رکھتی ہیں ۔ جو زندوں کی دعائیں نہیں رکھتی ۔

۸ ا ۔۔۔ قرآن پاک میں رسول اللہ صلعم کو خطاب ہوتا ہے ۔ کہ تو جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور تو اپنے گناہ (لپسماندگی) کیلئے اور مومنین اور مومنات کیلئے بخشش مانگ ۔ اور اللہ تمہارے لوٹنے اور تمہارے ٹھہرنے کی جگہ جانتا ہے[1] اس آیت میں رسول اللہ صلعم کو توحید کے جاننے اور اپنے لئے اور مومنین و مومنات کیلئے مغفرت مانگنے کا حکم ہوتا ہے ۔ استغفار کا حکم واجب ہے ۔ اور یہ وجوب ایک بار استغفار کرنے سے ساقط ہوسکتا ہے ۔ لیکن رسول اللہ صلعم کے ذاتی

[1] فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات واللہ یعلم متقلبکم ومثوٰکم ۔ محمد ۔ ۴۷ ۔ ۱۹ ۔

عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ دن میں کئی بار استغفار کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میرے دل پر پردہ آجاتا ہے۔ اور میں دن میں سوبار اللہ سے استغفار مانگتا ہوں[1] آپکے ذنب کا قیاس عامہ مومنین کے ذنب کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ عام مومنوں کے حسنات مقربوں کی سیات ہوتے ہیں۔ حسنات المومنین سیات المقربین۔ بات بالکل صاف ہے۔ مقرب مومنین نماز میں حق تعالیٰ کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ جیساکہ احسان کی اصطلاح سے ظاہر ہے۔ عامی مومنوں کو اس کیفیت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ پس خواص بھی اگر اسی طرح نماز پڑھیں جسطرح کہ عوام پڑھتے ہیں۔ تو پھر ایسی نماز انکے لئے سیات میں داخل ہوگی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ کے ذنب کی یہی تشریح ہوسکتی ہے۔ کہ آپ کے دل پر دن میں کئی بار پردہ آجاتا تھا۔ اور وہ مشاہدہ سے کچھ عرصہ کیلئے ایک حد تک باز رہتے ہونگے۔ پس یہی نبی علیہ الصلوٰۃ کا بڑا ذنب تھا۔ آپ استغفار مانگتے تھے۔ تاکہ یہ پردہ دل سے ہٹ جاے۔ مومنین اور مومنات کیلئے نبی علیہ السلام کی استغفار بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ وہ اس استغفار کے بغیر پاکیزگی کو نہیں پوہنچ سکتے۔ اور نہ کمال روحانی پیدا کرسکتے ہیں۔ مومنین اور مومنات کیلئے آپکا استغفار ایسا ہی ضروری ہے۔ جیساکہ آپ کا استغفار اپنے لئے بلکہ اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ آپ تو ازل سے پاک ہوئے ہوئے تھے اور مبعوث ہونے پر عملی طور انتہائی پاکیزگی کو پوہنچ چکے تھے۔ اب انکی اس حالت میں اپنے لئے استغفار پڑھنا رفع درجات کیلئے تھا۔ مگر مومنین اور مومنات کیلئے استغفار کی دعا اسلئے ضروری ہے۔ کہ وہ آپکی دعا کئے بغیر تزکیہ کی کیفیت حاصل نہیں کرسکتے ــ اس لئے یہ حکم آپکو تمام مومنین اور مومنات کیلئے

[1] مشکوۃ باب الاستغفار۔

ہوتا ہے۔ اور رسول اللہ صلعم کا حین حیات میں کیا۔ اور بعد وفات کیا۔ اولین فرض یہ ہے۔ کہ اپنی امت کے افراد کو دعا و استغفار وغیرہ کے ذریعہ کمال تزکیہ تک پوہنچائیں اسلئے یہاں یہ کہنا درست نہ ہوگا۔ کہ مومنین اور مومنات پر ال استغراق کا آیا ہے۔ ہم اس قرآنی حکم کو اصول فقہ پر پرکھتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں۔ کہ اس سے کیا اخذ ہوتا ہے استغفر امر کا صیغہ ہے جس سے فعل طلب کیا جاتا ہے۔ جمہور کے نزدیک امر کا موجب الزام یعنی وجوب ہے۔ جب تک کہ اسکے خلاف کوئی دلیل نہ پائی جائے تکرار فعل کے متعلق اہل اصول کی یہ رائے ہے۔ کہ امر میں تکرار واجب کا نہیں۔ اور نہ امر تکرار کا احتمال رکھتا ہے۔ کیونکہ امر کا لفظ ایک ایسا صیغہ ہے جو اپنے معنی کیلئے طلب فعل سے مختصر بنایا گیا ہے۔ لیکن فعل کا لفظ فرد ہے۔ اسلئے اس میں عدد کا احتمال نہیں[1] اس عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے۔ کہ امر میں تکرار کو راہ نہیں۔ استغفر سے مراد یہ ہے کہ ایک دفعہ استغفار کرنے سے وجوب ساقط ہوتا ہے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ امر کا تکرار سبب کے تکرار کیوجہ سے ہوتا ہے۔ یہاں امر کا سبب ذنب ہے۔ اور جب ذنب متکرر ہوگا۔ تو امر بھی متکرر ہوگا۔ استغفار آپ اسلئے کرتے تھے۔ جیساکہ اوپر کی حدیث سے پایا جاتا ہے۔ کہ آپکے دل پہ پردہ آجاتا تھا۔ اور اس پردہ کے بار بار آنے سے آپکو استغفار بھی بار بار کرنا پڑتی تھی۔ یہ تو آپکی اپنی حالت تھی یہی صورت مومنین اور مومنات کیلئے استغفار کی حالت میں ہے۔ جناب رسول اللہ صلعم کو وقتاً فوقتاً مسلمانوں کیلئے دعائیں کرنا پڑتی تھیں۔ اور پڑتی ہیں۔ تاکہ انکے گناہ بخشے جائیں۔ اور وہ اپنی اپنی قابلیت کے مطابق پاک ہوسکیں۔ یہ فرض آپکا منصب رسالت کیوجہ سے ہے۔ یہ دعا استغفار کی مومنوں کیلئے آپ ایک دفعہ نہ مانگ سکتے

[1] ولا موجب لہ فی التکرار ولا تحملہ ان لفظ الامر صیغۃ اختصرت لمعناها من طلب الفعل لکن لفظ الفعل فرد فلا یحتمل العدد۔ حسامی فصل امر۔

تھے۔ کیونکہ اسباب کے تکرار کیوجہ سے استغفار کا تکرار بھی ضروری ہے۔ افراد مومنین
اور مومنات کے گناہ مختلف اوقات میں ظہور پذیر ہوتے تھے۔ اور ہوتے ہیں
اسلئے ذنوب کے متکرر ہونے سے آپکو مومنین اور مومنات کیلئے استغفار بھی مختلف
اوقات پہ مانگنا پڑتی ہے۔ اپنی حین حیات کے مومنوں کیلئے بھی آپکو استغفار مانگنا پڑتی
تھی۔ اور آپ مانگتے رہے۔ زندگی کے بعد بھی مومنوں کو آپکے استغفار کی ضرورت
گناہوں کیوجہ سے ہے۔ اسلئے اب بھی آپکو نبی ہونے کی حیثیت سے اُن کے لیے
استغفار مانگنا پڑتی ہے۔ اور یہ استغفار آپکی قیامت تک جاری رہیگی۔ اگر ہم یہ خیال
کریں کہ یہ دُعا استغفار آپ کی صرف زندگی تک محدود تھی۔ اور اب وفات کے بعد
ختم ہو چکی ہے۔ تو اس سے اور نقصوں کے علاوہ ایک بڑا نقص یہ رونما ہوتا ہے
کہ فرشتوں کی نسبت یہ بہت سی حدیثوں میں مروی ہے کہ وہ امت نبوی کے افراد
کیلئے مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔ صحیحین میں ہے کہ جب آدمی مسجد میں نماز پڑھتا رہتا
ہے۔ تو ملائکہ اُس کیلئے دعا مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللھم صل
علیہ اللھم ارحمہ اے اللہ۔ اس پر اپنی بخشش بھیج اے اللہ اس پر رحم کر[1] اس طرح دیگر
موقعوں پر بھی فرشتے افراد امت کیلئے مغفرت ورحمت مانگتے رہتے ہیں۔ جس کا تفصیلی
ذکر حدیثوں میں موجود ہے[2] گویا اب صورت یہ ہوگی کہ نبی الرحمت اپنے امت کے
افراد کیلئے بخشش نہیں مانگ سکتے۔ مگر فرشتے مانگتے رہتے ہیں۔ اور ہمیشہ مانگتے
رہینگے۔ فرشتوں کے ذمہ بخشش مانگنے کا کام اس طرح سپرد نہیں جسطرح کہ امت کے
منزل تک پونچانے کا کام رسول کے سپرد ہے۔ اس لئے رسول میں یہ قابلیت بطریق
اولی ہونا چاہیے۔ کہ وہ اپنی امت کے افراد کیلئے قیامت تک استغفار مانگیں۔
تاکہ وہ منزل مقصود کو پونچ سکیں۔ بالخصوص جبکہ اب نبیؐ کی روح مقدس غریباً ایسی

[1] مشکوۃ باب المساجد ص ۵۳ [2] دیکھو ابواب صلوۃ علی النبی صلعم و دیگر ابواب۔

ہی روح مجرد ہے۔ جیسے کہ فرشتے ارواح مجردہ ہیں۔ اور جب نبی کی روح بھی اب
روح مجرد ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس سے ادنیٰ قسم کی مخلوق یعنی فرشتوں کی
سی قابلیت اور کیفیت استغفار سلب کر لی جائے۔ جو کیفیت کہ رسول کو زندگی
میں منصب رسالت کی وجہ سے بدرجہ اتم حاصل تھی۔ اور اب بھی منصب رسالت کی
وجہ سے حاصل ہے۔ اسکے علاوہ اگر جناب رسول اللہ صلعم کی روح سے قوت استغفار
و دُعا سلب کر لی گئی ہے تو پھر اُس سے نقص یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب افراد امت کس
حکیم روحانی سے اپنی بیماریوں کا علاج کرائیں اور پاکیزگی حاصل کرنے کیلئے کس کا در تلاش
کریں ؎

چو کحل دیدہ ما خاک آستاں شماست   کجا رویم بفرما ازیں جناب کجا

۱۵ — قرآن پاک میں ہے کہ نہیں بھیجا ہم نے کسی رسول کو مگر اس لئے[1]
کہ اسکی اللہ کی اجازت سے تابعداری کی جائے۔ اور اگر وہ جبکہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم
کرتے۔ تیرے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول بھی اُن کیلئے بخشش
مانگتا۔ تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پاتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ
رسول اللہ کا منصب تزکیہ کے سلسلہ میں یہ بھی ہے کہ اپنی امت کے گنہگاروں کیلئے
بخشش مانگیں۔ اور یہ فرض کبھی بھی آپ سے ساقط نہیں ہو سکتا۔ یہاں استغفرت نہیں
کہا گیا ہے۔ بلکہ استغفر لہم الرسول کہا گیا ہے۔ اس میں دو باتوں کا لحاظ ہے۔ ایک
تعظیم وتفخیم کا اور دوسرے اس امر کا کہ امت کیلئے استغفار رسول کا منصب ہے
نہ کسی اور کا۔ آخری رسول کی اطاعت کسی ایک زمانے کیساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ وجوب
ہے کہ انکی اطاعت ہر زمانے اور ہر وقت میں کی جائے۔ اور بالخصوص اس وقت تک

[1] وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک
فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ نساء۔ ۴۔ ۶۴

جب تک کہ آپکی نبوت جاری رہے گی۔ اور جب اطاعت رسول اب قیامت تک جاری ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپکی دعا اور استغفار امت کیلئے قیامت تک جاری نہ رہے۔ کیونکہ اطاعت رسول اور استغفار کا باہمی لازم ملزوم کا تعلق ہے۔ مومن آپکی اطاعت کرتے ہیں۔ اور اس اطاعت کے طفیل وہ آپکی دعا اور استغفار کے سزاوار بنتے اس دعا و استغفار سے آپ اللہ کے اذن سے پاک کیئے جاتے۔ اور اسطرح منزل مقصود کو پونچ جاتے ہیں۔ اگر اطاعت کا فعل جاری ہو۔ اور دعا و استغفار کا فعل منقطع ہو۔ تو یہ بداہتہ بے معنی بات ہے جب آپ اپنی امت کے افراد کیلئے اب وفات کے بعد کوئی دعا نہیں کر سکتے۔ اور نہ استغفار مانگ سکتے ہیں۔ تو پھر جو لوگ آپکی دعا و استغفار کے محتاج ہیں۔ وہ اپنی ضرورتیں کہاں سے پوری کریں۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ جیساکہ باب اول میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ آپ کا منصب بحیثیت رسول تزکیہ مومنین ہے۔ آپ اس منصب کو ادا نہیں کر سکتے۔ اور نہ آپ کسی کو پاک کر سکتے ہیں۔ جب تک کہ پاک ہونے والا وسائل تزکیہ اختیار نہ کرے۔ اور آپ اس کیلئے تزکیہ کی دعا نہ کریں۔ یہ دعا آپکی اس وقت تک جاری رہیگی۔ جب تک کہ منصب تزکیہ آپکے سپرد رہیگا۔ باب اول میں یہ ثابت کیا جاچکا ہے۔ کہ یہ منصب تزکیہ تا قیامت قائم رہیگا۔ اور آپ تا قیامت مومنین کو اذن ربی سے پاک کرتے رہینگے۔ اور ان کیلئے دعائیں مانگتے رہینگے۔ باب اول میں ادعیہ کے اور اسند عا ادعیہ کے شواہد بھی با تفصیل بیان کیئے گئے ہیں۔ دیکھو فقرات ۳۵ تا ۳۷۔

۲۰ —— عالم برزخ میں نماز کا پڑھنا نبیوں کی خصوصیات سے نہیں۔ بلکہ یہ تو وہ عبادت ہے جسے خواص مومنین کیا عامہ مومنین بھی ادا کرتے ہیں۔ اس سے مومنوں کے درجے بلند ہوتے ہیں۔ نماز میں اپنے لئے اور اپنے دینی بھائیوں کیلئے

دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ولی اور عامی مومن بھی اپنے بھائیوں کیلئے بعد وفات دعائیں مانگتے ہیں۔ مسند احمد اور ابو داؤد میں ہے کہ جس فوت شدہ مسلم کے جنازے پر چالیس آدمی شرک نہ کرنے والے کھڑے ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور انکی شفاعت سنتا ہے[51] مسلم۔ نسائی اور احمد کی روایت بھی اس سے ملتی جلتی ہے[52] ترمذی کی روایت بھی اسی نہج پر ہے[53] ابن ماجہ میں ہے کہ جس پر سو آدمی نماز جنازہ پڑھیں وہ بخشا جاتا ہے[54] افسوس کا مقام ہے۔ کہ دنیا میں تو ایک مومن کو دوسرے کیلئے دعا کرنے کا اختیار ہو۔ مگر بعد وفات عالم برزخ میں اس سے یہ کیفیت سلب کر لی جائے۔ یہ بات معقولیت سے کوسوں دور ہے۔ جناب رسول اللہ صلعم تو عالم برزخ سے درود و سلام کا جواب دیں۔ اور اپنی امت کیلئے دعا کریں۔ جیساکہ اوپر مذکور ہوا۔ اور آپ وہاں نماز اور قرآن بھی پڑھیں۔ اور نماز میں اپنی امت کیلئے دعا بھی مانگیں۔ مگر خواص مومنین یعنی اولیا کرام جب دنیا سے رخصت ہوں۔ تو گو کہ وہ وہاں پونچکر نماز بھی پڑھیں۔ مگر اپنے دینی بھائیوں کیلئے دعا کرنے کی طاقت نہ رکھیں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ جب عام اور خواص مومنین عالم برزخ میں نبیوں کے نقش قدم پر چل کر نماز اور قرآن پڑھتے ہیں۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ نبیوں کیطرح اپنے دینی بھائیوں کیلئے دعا نہ کریں۔ شعب الایمان۔ ابو الشیخ اور ابن عساکر کی ایک روایت ہے کہ جو کوئی شخص اپنے کسی دوست کی قبر پر جائے۔ اور اسے سلام کہے۔ اور قبر کے پاس بیٹھے۔ تو وہ اسے سلام کا جواب دیتا ہے[55] جیساکہ نبی صلعم درود و سلام کا جواب دیتے ہیں۔

[51] منتخب جلد ۶ ص ۲۵۰ - الاستغفوافیہ [52] ایضاً [53] منتخب جلد ۶ ص ۲۵۲

[54] منتخب جلد ۶ ص ۲۵۱ -

[55] منتخب جلد ۶ - ص ۲۷۴ و ۲۷۵ +

۲۲ —— امام جلال الدین سیوطی نے ایک کتاب شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے ایک باب عرض اعمال الاحیاء علی الاموات کا باندھا ہے۔ اس میں جو حدیثیں درج ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ احمد حکیم ترمذی اور ابن مندہ کی روایت ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تمہارے اعمال تمہارے فوت ہوئے ہوئے رشتہ داروں اور قرابتیوں پر پیش کئے جاتے ہیں اگر وہ اعمال اچھے ہوں۔ تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ اگر اچھے نہ ہوں تو کہتے ہیں۔ کہ اے اللہ اُن کا خاتمہ نہ کرنا جب تک کہ تو انکو راہ راست پر نہ لائے جیساکہ تو نے ہم کو راہ راست پر لایا ہے۔ اسی طرح کی روایت مسند ابو داؤد طیالسی میں ہے حکیم ترمذی کی نوادر الاصول میں روایت ہے کہ لوگوں کے اعمال سوموار اور جمعرات کو اللہ پر اور جمعہ کو نبیوں اور والدین پر پیش کئے جاتے ہیں۔ شعب الایمان بیہقی میں بھی ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے فوت شدہ رشتہ داروں اور قرابتیوں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ ابن عساکر۔ ابن مندہ اور ابن ابی الدنیا کی روایت ہے کہ عباد خواص ابراہیم بن صالح کے پاس گیا۔ عباد خواص اُن دنوں امیر فلسطین تھے۔ عباد نے ابراہیم سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ وہ بولے کہ مجھے خبر پونچی ہے۔ کہ زندوں کے اعمال انکے مرے ہوئے رشتہ داروں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ پس تجھے دیکھنا چاہیے کہ تیرا کونسا عمل رسول اللہ صلعم کی خدمت میں پیش ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ اور بھی روایات کتاب مذکور میں ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے۔ کہ امتیوں کے اعمال جناب رسول اللہ صلعم پر پیش کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپکی زندگی میں بھی ایک آدھ دفعہ ایسا ہوا۔ صحیح مسلم میں ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میرے پاس میری امت کے اچھے اور بُرے اعمال پیش کئے گئے۔ چنانچہ میں نے انکے اچھے عملوں سے اذی کا راستے سے ہٹانا اور بُرے عملوں سے مسجد میں تھوکنا جو تھوک دفن نہ کی جائے[۱] پ

[۱] مشکوٰۃ باب المساجد

اور جب صورت یہ ہے۔ تو پھر ان اعمال کا پیش کیا جانا اس غرض سے بھی ہے کہ جو مومن پاک ہونے کے قابل ہو۔ اُسے پاک کیا جائے۔ اور جسکے لئے دعا کی ضرورت ہو اس کیلئے دعا کی جائے۔ تاکہ وہ منزل مقصود کو پونچے۔ جیساکہ روایات بالا میں بھی اسکی طرف اشارہ ہے۔ اسلئے بھی ظاہر ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلعم وفات پاجانے کے بعد بھی اپنے امتیوں کیلئے دعا اور استغفار کرتے ہیں۔ اور اس غرض کیلئے بھی اعمال امتیوں کے آپکی خدمت میں پیش ہوتے رہتے ہیں۔

۲۲ —— تقاریر بالا سے ذیل کی باتیں پایۂ ثبوت کو پونچتی ہیں۔

۱- دعا عبادت ہے۔ فقرہ (۱)

۲- دعا کا اثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اگر دعا قبول نہ ہو تو دعا کرنے والے کے کچھ گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔ فقرات ۲ تا ۷۔

۳ جو کمالات کامل مومن دنیا میں حاصل کر لیتا ہے۔ وہ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی اسکے ساتھ رہتے ہیں۔ استجابت دعا بھی ان کمالات سے ہے۔ اور یہ کمال بھی کامل مومن کیساتھ بعد وفات رہتا ہے۔ فقرہ ۸۔

۴- نبی اور مومن قبروں میں بھی نمازیں پڑھتے عبادتیں کرتے اور اپنے دینی بھائیوں کیلئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ فقرات ۱۷ و ۲۰۔

۵- فوت ہوئے پیچھے بھی نبی۔ صدیق اور شہید زندہ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کے احساس کیلئے بھی یہ زندگی ضروری ہے۔ فقرات ۹ تا ۱۱۔

۶- امام محمد جزری مولف حصن حصین نے وجہ تالیف کتاب میں ظاہر کیا ہے۔ کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلعم کی دعا کے ذریعہ دشمنوں سے رہائی پائی تھی اس لئے رسول کی دعا بعد وفات بھی ہوتی ہے۔ اور وہ دعا با اثر ہوتی ہے۔

فقرات ۱۲ و ۱۳۔

۷ - دعاؤں میں وسیلہ نبیوں اور صالحہ مومنوں کا لیا جا سکتا ہے۔
فقرات ۱۴ و ۱۵ -

۸ - وسیلہ تین طرح کا ہوتا ہے - ذات کا - دعا کا اور اطاعت کا اور تینوں طرح کا وسیلہ نصوص سے ثابت ہے -
فقرہ - ۱۵ -

۹ - حضور علیہ الصلوٰۃ مومنوں کی درود و سلام کا جواب دعا سے دیتے ہیں -
فقرہ ۱۶ -

۱۰ - درود و سلام بھی دعا ہے - پس نبی صلعم وفات کے بعد بھی امتیوں کی دعا کا جواب دعا سے دیتے ہیں - فقرات ۱۶ تا ۲۰

۱۱ - جو دعائیں نبی اور مومن اپنے دینی بھائیوں کیلئے عالم برزخ میں مانگتے ہیں وہ اکارت نہیں جاتیں اگر وہ اکارت جاتیں یا عبث ہوتیں تو پھر روحیں کبھی ایسی دعائیں نہ کرتیں -
فقرات ۱۶ تا ۲۰

۱۲ - نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرض ہے کہ وہ اپنی امت کے افراد کیلئے استغفار کریں - اور استغفار اور دیگر دعاؤں کے ذریعہ سے انکو پاک کریں -
فقرات ۱۸ تا ۲۰

۱۳ - امتیوں کے اعمال نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پیش ہوتے ہیں - اور وہ اسلئے بھی پیش ہوتے ہیں - کہ آپ قابل افراد کیلئے تزکیہ کی دعا کریں -
فقرہ ۲۱ - ۲۵

زاہد ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست
در حق ما ہر چہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست
بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است
ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

نوٹ: کاتب نے غلطی سے تیسرا باب صفحہ ۱۵۷ سے شروع کیا …

تیسرا باب

قبروں کی زیارت - اور قبروں پر دعا -

حافظا اگر پائے بوس شاہ سنت میدہد
یافتی در ہر دو عالم زینت عز و علا -

سوال غور طلب یہ ہے - کہ کیا قبروں کی زیارت جائز ہے - قرآن پاک میں ہے اور تو نہ پڑھ نماز جنازہ ان میں سے کسی پر جو مرے - اور نہ تو کھڑا ہو اسکی قبر پر بیشک وہ اللہ اور اسکے رسول پر ایمان نہیں لائے - اور وہ مر گئے - درحالیکہ وہ فاسق تھے۔[1] یہ حکم کافروں مشرکوں منافقوں کی میتوں اور ان کی قبروں کے متعلق ہے - رسول اللہ صلعم کو اجازت نہ تھی کہ وہ ایسے لوگوں کے لئے دعائے مغفرت مانگتے اور نماز جنازہ پڑھتے - آپ کو ان کی قبروں پہ کھڑے ہو کر دعا کرنے کی بھی اجازت نہ تھی اس آیت سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ مومنوں کا جنازہ پڑھنا اور ان کی قبروں پہ جانا اور وہاں کھڑے ہو کر ان کے لئے دعا کرنا مسنون ہے - حدیثوں سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے - آپ فرماتے ہیں کہ میں تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا اب تم ان کی زیارت کیا کرو۔[2] صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلعم لوگوں کو بتاتے تھے کہ جب تم قبروں کی طرف جاؤ تو وہاں یہ کہا کرو - کہ اے دیار کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو! سلام ہو تم پر ہم تم سے ملنے والے ہیں - انشاء اللہ ہم مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے عافیت اپنے لئے اور تمہارے لئے[3] اس سے ظاہر ہے کہ زندوں کیلئے قبروں کے پاس جا کر اپنے لئے بھی عافیت کی دعا کرنا مستحب ہے - صحیح مسلم میں حضرت عائشہ کی روایت سے ہے کہ ان کے ہاں جس رات رسول اللہ صلعم ہوتے تھے

[1] ولا تصل علیٰ احد منہم مات ابدا ولا تقم علیٰ قبرہ انہم کفروا باللہ و رسولہ وماتوا وہم فاسقون
براۃ - ۹ - ۸۴ ؎[2] مشکوٰۃ باب زیارت قبور - روایت مسلم ؎[3] مشکوٰۃ باب زیارۃ قبور -

آپ آخر شب کو بقیع کیطرف نکل جاتے۔ اور کہتے تم پر سلام ہو۔ اے دار قوم مومنین تم کو پونچا ہے وہ جسکا وعدہ تمکو کل کیلئے دیا گیا ہے۔ اور تم کو مہلت دیگئی ہے۔ ہم واللہ تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ اہل بقیع غرقد کو بخش دے [1] دوسری حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تو یہ کہا کر اے دیار کے رہنے والو مومنو اور مسلمانو۔ اللہ ہم سے آگے گئے ہوؤں اور پیچھے آنے والوں پر رحم کرے۔ اور ہم انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں [2] اس سے ظاہر ہے۔ کہ زندوں کیلئے قبروں پر جاکر اپنے آپ کو بھی دعا میں شامل کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے رسول اللہ صلعم مدینہ کی قبروں سے گذرے اور اس طرف منہ کیا۔ اور بولے اے اہل قبور تم پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو بخشے۔ تم ہم سے آگے ہو۔ اور ہم تمہارے پیچھے ہیں [3] اس سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ زندہ مومن قبروں پر جاکر اپنی مغفرت کی دعا بھی کرسکتا ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا۔ اب تم زیارۃ کیا کرو۔ کیونکہ اس سے دین کے بارہ میں زہد پیدا ہوتا ہے۔ اور آخرت یاد آتی ہے [4] نسائی اور مسلم میں ہے۔ اے دیار کے رہنے والے مومنو! اور مسلمانو تم پر سلام ہو۔ اللہ ہم سے آگے گئے ہوؤں پر اور ہم سے پیچھے آنے والوں پر رحم کرے۔ اور ہم انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں [5] ابو داود میں ہے کہ جب نبی صلعم دفن میت سے فارغ ہوتے تو کھڑے ہوتے اور کہتے کہ اپنے بھائی کیلئے مغفرت مانگو اور اسکے لئے تثبت (منکر و نکیر کے روبرو کلمہ شہادت پر قائم رہنا) مانگو کیونکہ اب اس سے سوال ہو رہا ہے [6] ابوداؤد اور نسائی میں ہے کہ نبی صلعم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی۔

[1] مشکوۃ باب زیارت قبور [2] مشکوۃ باب زیارۃ قبور مسلم۔ [3] مشکوۃ باب۔ زیارہ قبور۔ ترمذی
[4] مشکوۃ باب زیارت قبور۔ [5] منتخب جلد ۲ فصل زیارت قبور ص ۲۸۳ و ۲۷۴

آپ روئے۔ اور اُن کو بھی رلایا جو آپکے ارد گرد تھے۔ پھر فرمایا کہ میں نے اللہ تعالےٰ سے اجازت مانگی تھی کہ ان کیلئے مغفرت مانگوں۔ مگر مجھے اجازت نہیں ملی۔ اور جب میں نے انکی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت دیدیگئی۔ پس قبروں کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ اس سے موت یاد آتی ہے [1] ترمذی میں بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے [2] مسند احمد۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے۔ جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں۔ لیکن یہ حدیث اوپر کی حدیثوں کے متضاد واقع ہوئی ہے۔ اسلیئے اسکی یہ تاویل کی گئی ہے۔ کہ یہ صورت رسول اللہ صلعم کی اجازت سے پہلے تھی۔ یا یہ کہ یہ حکم اب تک صرف عورتوں کیلئے باقی ہے۔ کیونکہ وہ جزع فزع سے نہیں رک سکتیں [3]

۳۔ احادیث بالا سے ذیل کی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

اول۔ مومنوں اور کافروں دونو کی قبروں کی زیارت جائز ہے۔

دوئم۔ مومنوں کی قبروں پر جانا اور وہاں ان کیلئے اور اپنے لئے دعا مانگنا جائز ہے بلکہ یہ سنت متواترہ سے ہے۔

سوئم۔ کافروں اور منافقوں پر نماز جنازہ پڑھنا اور انکے لئے مغفرت مانگنا ممنوع ہے۔

چہارم۔ اہل مقابر کو پکارنے کیلئے خطاب کا صیغہ وضع کیا گیا ہے۔ اور ان سب سے اسطرح خطاب کیا گیا ہے۔ جس طرح کہ زندہ زندہ سے کرتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ خطاب کا صیغہ عبث اور مہمل ہے۔ تو اس سے یہ لازم آتا ہے، کہ صادق مصدوق

[1] منتخب جلد ۲ فصل زیارت قبور ص ۲۷۴ و مشکوۃ باب زیارت قبور
[2] منتخب جلد ۲ فصل زیارت قبور۔ ص ۲۷۳
[3] مشکوۃ باب زیارت قبور۔

نے ایک عبث فعل کا حکم دیا ہے۔ جو محال مطلق ہے۔ اس سے مومنوں کی حیات بعد وفات کا صریحی ثبوت ملتا ہے۔

پنجم - قبروں پر جاکر اپنے لئے اور اہل قبور کیلئے دعا کرنے سے فریقین کے گناہ مٹتے اور درجے بڑھتے ہیں۔ اگر کسی صورت میں بھی ایسا نہ ہوتا ہو۔ تو پھر نبی صلعم کی دعا معاذ اللہ عبث ہے۔ اور آپ کا دعا کے متعلق حکم بھی عبث ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں۔

ششم - السلام علیکم کہنے کی اور دعا کرنے کی نیت سے قبروں پر کھڑے ہونا جائز ہے۔ بلکہ قبروں سے گذرنے والوں کیلئے ایسا کرنا ضروری ہے۔

ھفتم - زیارت قبور کی اصطلاح شرعی ہے۔ اسے شارع علیہ السلام نے خود وضع کیا ہے[1] احادیث نبوی میں اس اصطلاح کا صاف اور واضح استعمال موجود ہے۔ بلکہ اس کا اطلاق کفار و مشرکین کی قبروں کیلئے بھی جائز رکھا گیا ہے۔

۳ ــــ اب دوسرا سوال یہ ہے۔ کہ کیا رسول اللہ صلعم کی قبر پر جانا اور وہاں جاکر اپنے لئے دعا کرنا جائز ہے۔

قبروں پر جانا جائز ہے۔ بلکہ رُو رو ہا کے امر سے زیارت قبور کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ قبروں پر جانا دو غرض سے ہوتا ہے۔ ایک اہل قبر کیلئے دعا کرنا۔ اور اس میں زندوں کو بھی شامل کرنا[2] اور دوسرے عبرت حاصل کرنا۔ اور یہ دونو باتیں مشروع ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی تقاریر سے ظاہر ہوا۔

تیسرا فائدہ قبر پر جانے سے یہ ہے۔ کہ اہل قبر کی روح ہمارے لئے دعا کرے۔ جناب رسول اللہ صلعم کے متعلق صاف طور بتایا گیا ہے۔ کہ جب آپ پر درود بھیجا جاتا ہے۔ تو آپ اس کا جواب دیتے ہیں[3] اور سلام و درود بھیجنے والے

[1] و [2] فقرات ا و ۲ باب ہذا

کیلئے سلام و درود بھیجتے ہیں[1] جو باعث مغفرت ہوتی ہے۔ کیونکہ رسول کیطرف سے صلوۃ دعا استغفار ہوتی ہے۔ جیسا کہ اہل عرف کے یہاں معروف و متعارف ہے۔ دیکھو مجمع البحار لفظ صلا۔ اسکے علاوہ یہ بھی ظاہر کیا جاچکا ہے۔ کہ جب آپکی قبر کے پاس سلام و درود بھیجا جاتا ہے۔ تو آپ خود سنتے ہیں۔ اور جو دور سے بھیجا جاتا ہے۔ تو فرشتے پونچا دیتے ہیں[2] اسلئے قبر کے پاس جاکر درود و سلام بھیجنا بہت مناسب ہے۔ اسکے علاوہ یہ بات بھی ہے۔ کہ آپ کا منصب ہی یہی ہے۔ کہ اپنی امت کیلئے دعا بخشش مانگتے رہیں۔ اسلئے بھی قبر پہ جاکر درود پڑھنے اور دعا مانگنے میں یہ فائدہ ہے۔ کہ آپ بھی دعا کرنے والے کیلئے دعا مانگتے ہیں اور آپکی دعا بے حد اثر رکھتی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے[3] انہیں وجوہ کی بنا پر مؤلف حصن حصین نے قبر نبوی کو ان مواقع میں شمار کیا [illegible] دعا قبول ہوتی ہے۔ عبارت کتاب کی یہ ہے کہ حسن بصریؒ نے اپنے اس [illegible] نے اہل مکہ کیطرف بھیجا یہ لکھا کہ دعا پندرہ[15] مقامات میں قبول ہوتی [illegible] طواف میں۔ ملتزم کے نزدیک۔ میزاب کے نیچے۔ کعبہ کے اندر۔ زمزم کے نزدیک صفا و مروہ پر۔ مشعر میں۔ مقام ابراہیم کے پیچھے۔ عرفات میں۔ مزدلفہ میں منیٰ میں جمرات ثلثہ کے نزدیک میں کہتا ہوں کہ اگر دعا نبی صلعم کی قبر کے پاس قبول نہ ہوتی ہو تو پھر کس مقام میں قبول ہو سکتی ہے[4] اسی لئے رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ جو کچھ میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ اور میرا ممبر میرے حوض پر ہے[5] ایک روایت میں مابین حجرتی و مصلائی

[1] مشکوۃ باب الصلوۃ علی النبی صلعم۔ ابوداؤد۔ [2] مشکوۃ باب الصلوۃ علی النبی صلعم روایت شعب الایمان بیہقی۔ [3] باب ہذا اول و دوم۔ [4] حصن حصین ص ۳۳ ارکان الاجابتہ [5] مشکوۃ باب المساجد روایت بخاری و مسلم منتخب جلد ۵۔ ص ۳۵۲ ۔ صحیحین ۔ ترمذی ۔ احمد۔

اور ایک میں قبری و منبری آیا ہے مطلب قریبًا ایک ہی ہے ۔ آپ کا حجرہ وہاں ہی تھا جہاں کہ اس وقت آپکی قبر ہے ۔ علامہ ابن حجر کی بھی یہی رائے ہے ۔ دیکھو فتح الباری جلد ۳ ۔ ص ۴۶ ۔ مراد اس حدیث سے یہ ہے ۔ کہ اس مقام پر جو آپکی قبر یا آپکے مسکونہ حجرے اور آپکے ممبر کے درمیان ہے ۔ رحمت کا نزول ہوتا ہے ۔ اسلئے ایسے مقام پر قبولیت عبادت اور قبولیت دعا کیطرف اشارہ ہے ۔ اس لحاظ سے بھی مسجد نبوی میں اور آپکی قبر پر جبکہ آپ اپنی جین حیات میں رہتے تھے ۔ اپنے لئے دعا کرنا بہتر ہے ۔

۴ ـــ جو لوگ قبر نبوی کی زیارت سے روکتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے ۔ کہ تین مسجدوں کے سوا اور کسی کیلئے سفر اختیار نہ کیا جائے ۔ مسجد حر[illegible] [illegible]جد اور مسجد اقصیٰ [1] مگر ان لوگوں کو اس حدیث کے سمجھنے میں بڑی [illegible] [illegible]ں مستثنےٰ منقطع ہے ۔ جو تقدیری طور مستثنےٰ منہ میں داخل ہے مستثنےٰ [illegible] [illegible]جد ہے ۔ اور مستثنےٰ متصل تین مسجدیں ۔ پس ترجمہ یہ ہوا کہ سوائے ان تین مسجدوں کے اور کسی مسجد کیلئے شدِ رحال نہ کیا جائے ۔ اور یہ ہے بھی درست کیونکہ مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں ۔ لا ینبغی لرجل ان یشد رحاله الی مسجد ینبغی فیہ الصلوٰة غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ ومسجدی گویا ان مساجد کے سوا اور کسی مقام کے دیکھنے کی غرض سے یا کسی اور غرض سے سفر اختیار کرنا ممنوع نہیں بلکہ قرآن کا حکم ہے ۔ سیروا فی الارض اور یہ سیاحت صرف مسجدوں کیلئے مقصود نہیں ۔ بلکہ اس سیاحت منصوصہ کے اغراض مختلف ہیں جن میں سے ایک بڑی غرض جھٹلانے والوں کے انجام سے عبرت لینا ہے ۔ سیاحت

[1] مشکوة باب المساجد ۔ بخاری ومسلم ۔ الفاظ یہ ہیں ۔ لا تشد الرحال الا الی ثلثة مساجد المسجد الحرام ومسجد الرسول والمسجد الاقصیٰ ۔ احمد ۔ داؤد ۔ نسائی و ابن ماجہ منتخب جلد ۵ ص ۳۴۰ فضل فی الامکنة

عام کے اور اغراض بھی ہیں ۔ اور وہ یہ ہیں ۔ مشاعر اسلامی کی زیارت سے ایمان کی تجدید کرنا ۔ مقابر مقدسہ کی زیارت کرنا جیسے کہ زوروہا کے حکم سے ظاہر ہے ۔ اچھے اچھے پر فضا اور صحت افزا مقامات پر جانا اور وہاں صحت کا درست کرنا مختلف شہروں اور مختلف آبادیوں کے حالات سے آگاہی بہم پونچانا ۔ اور عبرت حاصل کرنا ۔ علوم و فنون کے حصول کیلئے دوسرے ملکوں میں جانا [illegible]ئبات دنیا کا ملاحظہ کرنا ۔ اور قدرت کی صنعتوں سے قادر صانع کی ہستی کی دلیل پانا ۔ علم باطنی اور علم روحانی کے ماہر کامل استاد کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنا ۔ اور اسکی تلاش میں دور دور تک نکل جانا ۔ قوت لایموت کی تلاش کرنا ۔ فوجی اور سیاسی نقطہ نگاہ سے مختلف مقامات کا دیکھنا اور ملک کا نظم و نسق کرنا ۔ ہجرت اختیار کرنا ۔ غرضیکہ اس قسم کے سینکڑوں اغراض گنائے جاسکتے ہیں جنکی وجہ سے سفر اختیار کرنا بعض حالتوں میں مستحب اور بعض میں واجب ہو مشاعر اسلامیہ ۔ صفا ۔ مروہ ۔ منیٰ ۔ عرفات وغیرہ کا دیکھنا حج کرنے والوں کو خود بخود میسر آجاتا ہے ۔ یہ حج عمرہ کے سلسلہ میں سیاحت ہے ۔ مقابر مقدسہ کی زیارت زوروہا کے حکم سے مشروع ہے ۔ صحت کے درست کرنے کیلئے تداوی کا حکم جناب رسول اللہ صلعم کا موجود ہے [illegible] آپ فرماتے ہیں ۔ اللہ کے بندو ۔ علاج کیا کرو [1] پس صحت کے قائم رکھنے اور درست کرنے کیلئے بعض حالتوں میں سفر کا اختیار کرنا ضروری ہے ۔ سیروا فی الارض کا حکم خود بخود اسباب پر دلالت کرتا ہے ۔ کہ مختلف آبادیوں کے حالات کی آگاہی بہم پونچانا ۔ جب عبرت حاصل کرنے کی نیت سے ہو ۔ تو ایسا سفر باعث ثواب ہے ۔ علم کی تلاش کا حکم تاکیدی ہے ۔ اس کیلئے بھی سفر باعث ثواب ہے ۔ ابن ماجہ میں ہے کہ علم کی تلاش ہر ایک مسلم پر فرض ہے [2] ترمذی میں ہے ۔ کہ علم کی

[1] منتخب جلد ۲ ۔ ص ۴۹۵ ۔ ترمذی ۔ نسائی ۔ ابوداؤد ۔ ابن ماجہ واحمد ۔ [2] منتخب جلد ۳ ص ۲۸ ۔

تلاش گذری ہوئی باتوں کا کفارہ ہے[1]۔ فقہ کے سیکھنے کے لئے تو خود قرآن کے رُو سے سفر کی اجازت ہے[2]۔ قادر صناع کی ہستی کے دلائل کی تلاش میں سفر اختیار کرنا سیروا فی الارض کے حکم کے تحت ہی آجاتا ہے روحانی علم کی تلاش اور روحانی علم کے اُستاد کی تلاش بھی طلب علم کے حکم کے تحت آجاتی ہے۔ حضرت موسیٰ کا حضرت خضر کی ملاقات کو نکلنا اسی صنف سے تھا۔ یہاں علیم اعلم کی ملاقات کو نکلتا ہے۔ رزق حلال کی تلاش بھی انسانوں پر واجب ہے۔ ملک کے نظم و نسق کیلئے سفر اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے فتنہ و فساد دفع ہوتا ہے۔ اور سلطنت کی جڑیں مستحکم ہوتی ہیں۔ اگر نظم و نسق کیلئے سفر اختیار نہ کیا جائے۔ تو اکثر حالتوں میں ملک میں ابتری پھیلنے کا احتمال ہے۔ ایک بندۂ خدا کی زیارت کے لئے بھی سفر کرنا جائز ہے۔ صحیح مسلم میں ہے۔ کہ ایک شخص اپنے بھائی کی زیارت کو نکلا جو دوسرے قریہ رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسکے راستے پر ایک فرشتہ متعین کر دیا۔ فرشتے نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ بولا کہ میں اپنے بھائی کو ملنا چاہتا ہوں۔ جو اس قریہ میں ہے۔ فرشتہ بولا کہ تجھ پر اس کا کوئی حق نعمت ہے جس کا تجھے لحاظ ہے۔ وہ بولا۔ نہیں بلکہ میں اس سے اللہ کیلئے محبت رکھتا ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ میں تیری طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ اس پیغام کے ساتھ کہ تحقیق اللہ تجھ سے محبت کرتا ہے۔ جیسا کہ تو اس شخص سے محبت کرتا ہے[3]۔ موطا میں ہے۔ وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی[4]۔ ان سے ظاہر ہے کہ اللہ کے لئے بھی کسی مرد کی زیارت کو نکلنا اور سفر اختیار کرنا عبادات میں داخل ہے۔

[1] منتخب جلد ۳ ص ۲۹ [2] فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون۔ برأۃ ۱۲۲۔ [3] مشکوۃ باب الحب فی اللہ ومن اللہ۔ [4] ایضاً۔ میری محبت واجب ہوئی اُن کیلئے جو میرے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اور میرے لئے ایک دوسرے سے مل بیٹھتے ہیں۔ اور میرے لئے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔

۵ ــــــ افسوس کا مقام ہے۔ کہ زیارت قبر نبوی کی نفی کرنے والے ان اغراض کی نفی کرنے پر قادر نہیں۔ پھر معلوم نہیں کہ وہ حدیث بالا سے یہ نتیجہ کس طرح اخذ کرتے ہیں۔ کہ قبر نبوی کی زیارت کیلئے سفر اختیار کرنا حرام ہے۔ ان کو تو یہ کہنا چاہیے تھا۔ کہ ان تین مسجدوں میں نماز پڑھنے کی غرض کے سوا اور کسی غرض کیلئے سفر اختیار کرنا ممنوع ہے۔ مگر چونکہ ایسا نتیجہ بداہۃً غلط ہے۔ اس لئے وہ اپنا غلط نقطہ نگاہ پیش کرتے۔ اور قبر نبوی کی زیارت کی تحریم پر زور دیتے ہیں۔ ایسا ہی غلط نقطہ نگاہ شیخ ابن تیمیہ نے پیش کیا ہے۔ مگر ایسے غلط نتیجہ پر کوئی حصر نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے متعلق فتح الباری[5] میں رقمطراز ہیں۔ کہ شیخ ابو محمد جوینی کہتے ہیں کہ حدیث کے ظاہر مفہوم پر عمل کرتے ہوئے ان تین مسجدوں کے سوا اور کسی کی طرف شدّ رحال حرام ہے۔ اور اسی طرح قاضی عیاض قاضی حسین نے بھی اسی ظاہر مفہوم کیطرف اشارہ کیا ہے۔ اور ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔ اس ظاہر مفہوم پر دال ہے۔ وہ حدیث جو اصحاب سنن نے بیان کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نضرۃ الغفاری نے ابوہریرہ پر اسکے طور کی طرف نکلنے کے بارہ میں انکار کیا ہے۔ اس نے ابو ہریرہؓ سے کہا کہ اگر میں تجھ سے تمہاری روانگی سے پہلے ملتا تو تو نہ نکلتا۔ اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے اور اس سے یہ دلالت لیگئی ہے۔ کہ غفاری نے اس حدیث شدّ رحال کو عموم پر محمول کیا ہے۔ اور اس کیساتھ ابو ہریرہ نے موافقت کی ہے۔ لیکن صحیح بات امام حرمین۔ اور دیگر اصحاب شافعیہ کے نزدیک یہ ہے کہ یہ شدّ رحال حرام نہیں۔ انہوں نے اس حدیث کے مختلف جوابات دئیے ہیں۔ ایک یہ ہے۔ کہ ان تین مسجدوں کیطرف شدّ رحال میں فضیلت تامہ ہے۔ اور دوسرے مقامات کیطرف شدّ رحال جائز ہے۔ احمد کی ایک روایت میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔ ایک اور جواب یہ ہے کہ نہی اس شخص سے مخصوص

[5] جلد ۳۔ ص ۴۳۔ ۴۴۔

ہے۔ جسنے یہ نذر مانی ہو کہ وہ ان تین مسجدوں کے سوا اور کسی مسجد میں نماز پڑھیگا۔ اس نذر کا پورا کرنا اس پر واجب نہیں۔ یہی ابن بطال کا قول ہے۔ ایک اور جواب یہ ہے۔ کہ حدیث شدِّ رحال سے صرف مساجد کا حکم مراد ہے۔ اسلئے ان تین مسجدوں کے سوا اور کسی مسجد کیطرف شدِ رحال نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن اگر کسی کا ارادہ کسی نیک مرد یا قرابتی یا کسی دوست کی زیارت کا یا طلب علم یا تجارت یا سیر کا ہو۔ تو یہ ممنوع نہیں۔ اسکی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جو احمد نے شہر بن حوشب کے طریق سے روایت کی ہے۔ کہ میں نے ابو سعید سے سنا جبکہ طور میں نماز کا ذکر ان کے سامنے کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کسی نمازی کیلئے جائز نہیں کہ وہ مسجد حرام مسجد اقصےٰ اور میری مسجد کے سوا اور کسی مسجد کیطرف نماز پڑھنے کے خیال سے شد رحال کرے یہ حدیث حسن مشہور ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ ضعف ہے۔ کرمانی کہتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں بلاد شامیہ میں اس مسئلہ پر بڑے مناظرے ہوئے۔ اور فریقین کی طرف سے رسائل تصنیف ہوئے۔ اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ شیخ تقی الدین سبکی نے اور دوسروں نے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کا رد کیا ہے۔ اور حافظ شمس الدین بن عبد الہادی اور دوسروں نے ابن تیمیہ کا ساتھ دیا ہے۔ اور یہ بات ہمارے شہروں میں مشہور ہے حاصل کلام یہ کہ انہوں نے ابن تیمیہ پر الزام قائم کیا ہے کہ اس نے رسول اللہ صلعم کی قبر کیطرف شد رحال حرام قرار دیا ہے۔ اور ہم نے اس صورت کا انکار کیا ہے اس مسئلہ کی تشریح میں فریقین نے لمبی چوڑی بحثیں کی ہیں۔ اور یہ ان شنیع مسائل سے ہے۔ جو ابن تیمیہ سے منقول ہیں۔ اوروں نے جو مشروعیۃ زیارت قبر نبوی پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ اسکے رد پر وہ روایت دلیل لائی گئی ہے۔ جو امام مالک کی طرف منسوب ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ کہنا مکروہ ہے کہ میں نے قبر نبوی کی زیارت کی۔ محققین نے اس کا یہ جواب دیا ہے۔ کہ ادب کے لحاظ سے اس لفظ کا استعمال کرو

ہے۔ اصل زیارت مکروہ نہیں۔ کیونکہ قبر نبوی کی زیارت افضل اعمال اور اجل قربات سے ہے۔ جو زائرین کو رب ذو الجلال کے عتبہ علیہ تک پہنچاتی ہے۔ اور کہ زیارت قبر نبوی کی مشروعیہ بلا نزاع محل اجماع ہے"۔[۱] امام قسطلانی نے بھی مواہب لدنیہ میں ایک فصل زیارت قبر نبوی کی باندھی ہے۔ اس کے اقتباسات ناظرین کی ضیافت طبع کیلئے پیش کرتا ہوں۔ امام موصوف لکھتے ہیں کہ (۱) "مسلمانوں کا زیارت قبور کے استحباب پر اجماع ہے۔ جیسا کہ امام نووی نے بھی بیان کیا ہے۔ مگر اصحاب ظواہر نے اس زیارت کو واجب بتایا ہے۔ اسلئے رسول اللہ صلعم کی زیارت بالعموم اور بالخصوص دونوں طرح مطلوب ہے اور اس لئے بھی مطلوب ہے کہ زیارت قبور تعظیم ہے اور رسول اللہ صلعم کی تعظیم واجب ہے

(۲) "ابن حبیب مالکی کا قول ہے۔ کہ قبر نبوی کی زیارت ترک نہ کی جائے۔ اور نہ مسجد نبوی میں نماز۔ اور جو شخص قبر نبوی کی زیارت کا ارادہ کرے۔ وہ ساتھ ہی مسجد نبوی کی زیارت کا اور اس میں نماز پڑھنے کی نیت بھی کرے۔ کیونکہ یہ مسجد ان تین مسجدوں میں سے ایک ہے جنکے سوائے اور کسی کی طرف شدِّ رحال جائز نہیں۔ اور ایسا کرنا مالک کے نزدیک افضل ہے"۔

(۳) خلیفہ عمر بن عبد العزیز قاصد کے ہاتھ نبی صلعم کی خدمت میں سلام بھیجا کرتے تھے۔ اس لئے عموم ادلہ کے لحاظ سے قبر نبوی کیطرف سفر باعث تقرب ہے۔ اور جو کوئی قبر نبوی کی زیارت کی نذر رکھے۔ اس کے لئے اسکا پورا کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ ہمارے اصحاب میں سے ابن کج کی قطعی رائے ہے"۔

(۴) "قاضی عیاض نے شفاء میں بیان کیا ہے کہ میں نے نبی صلعم کو خواب میں دیکھا اور میں نے عرض کی یا رسول اللہ یہ سب لوگ آپکی خدمت میں آتے ہیں۔ اور سلام کہتے ہیں کیا آپ انکی سلام کو سمجھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ ہاں۔ بلکہ میں تو انکی سلام کا جواب دیتا

[۱] فتح الباری جلد ۳ ص ۴۳ و ۴۴

ہوں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ نبیوں کی دائمی زندگی معلوم وثابت ہے۔ اور ہمارے
نبی علیہ الصلوٰۃ ان سب سے افضل ہے۔ اور جب صورت یہ ہے تو پھر یہ ضروری ہے
کہ رسول اللہ صلعم کی حیات تمام نبیوں کی حیات سے اتم واکمل ہو۔ اگر کوئی سقیم الطبع
اور ناقص الفہم شخص یہ کہدے کہ اگر آپکی حیات دائمی ثابت ہے۔ تو پھر ردّ روحہ کا کیا معنی
ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے۔ الا ردّ اللہ علی روحی اسکا جواب کئی طرح سے دیا
جاسکتا ہے۔ ایک یہ کہ چونکہ جواب سلام آپکی طرف سے دائمی ہے۔ اسلئے یہ آپکی دائمی
حیات کا اعلان ہے۔ حیات کی صفت ردّ سلام کیلئے لازم ہے۔ اور لازم کا وجود ملزوم
کے وقت یا ملزوم ملزوم کے وقت ضروری ہے۔ اس لئے حیات کی صفت ہمیشہ
کیلئے ثابت ہے۔ کیونکہ حیات کے ملزوم کا ملزوم ہمیشہ کے لئے ثابت ہے۔ اور
یہ عبارت اظہار مقصود میں جادو بیانی کی قسم سے ہے۔ دوسرے یہ کہ ردّ روحی
خاص توجہ اور روحانی التفات ہے۔ جو نبی صلعم کے حضور سے عالم دنیا اور قوالب
اجساد کیطرف منعطف ہوتی۔ اور دائرہ بشر کیطرف اترتی ہے۔ تا آنکہ اس مقام
میں ردّ سلام واقع ہوتا ہے۔ یہ توجہ عام اور وسیع ہے۔ حتیٰ کہ مسلمان ایک لمحہ میں
اگر کروڑوں بھی ہوں جب بھی یہ توجہ اور التفات انکو شامل کرتی ہے۔ میرے پاس
ایسی عبارت نہیں جس سے میں اس مضمون کو بیان کرسکوں۔ اُسنے کیا ہی عمدہ سوال
کیا جسنے یہ پوچھا کہ نبی صلعم آن واحد میں مشارق ومغارب سے سلام کرنے والوں
کو کسطرح جواب دیتے ہیں۔ جواب دینے والے نے ابوطیب کا یہ شعر پڑھا ؎

کالشمس فی وسط السماء ونورھا
یغشی البلاد مشارقا ومغاربا

ترجمہ۔ وہ آسمان کے وسط میں آفتاب کی مانند ہیں اور اُن کا نور مشارق ومغارب
کے تمام شہروں پر چھایا ہوا ہے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ برزخ میں رسول اللہ صلعم

کا حال ملائکہ کے حال سے افضل واکمل ہے۔ عزرائیل علیہ السلام آن واحد میں لاکھوں
روح قبض کر لیتے ہیں۔ لیکن انکو ایک روح کا قبض کرنا دوسرے روح کے قبض
کرنے سے باز نہیں رکھتا۔ اور وہ باایں ہمہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تسبیح وتقدیس
میں بھی مشغول رہتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے نبی صلعم زندہ ہیں۔ آپ نماز پڑھتے
ہیں اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی مشاہدہ لبی ہیں۔ انہماک رکھتے
اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں خطاب کے سماع سے لذت آشنا رہتے ہیں"۔

(۵) دارمی نے سعید بن عزیز سے یہ روایت کی ہے کہ ایام الحرۃ میں جبکہ یزید بن
معاویہ کے عہد حکومت میں مدینہ تاراج کیا گیا۔ اور صحابہ تابعین کو تہ تیغ کیا گیا۔ مسجد
نبوی میں اذان نہ ہوتی تھی۔ سعید بن المسیب مسجد نبوی میں ہی پڑے رہے۔ مگر ان کو نماز
کا وقت معلوم نہ ہوتا تھا حتی کہ وہ قبر نبوی سے کچھ بھنبھناہٹ سی سنتے تھے۔ ابن نجار اور
ابن انالیہ نے یہ بھی اپزاد کیا ہے۔ کہ سعید بن المسیب کا بیان ہے۔ کہ جب نماز ظہر
کا وقت آیا۔ تو میں نے قبر سے اذان کی آواز سنی۔ اور میں نے دو رکعتیں پڑھیں پھر
میں نے اقامت سنی اور ظہر کی نماز پڑھی۔ اسی طرح ہر نماز کیلئے اذان اور اقامت قبر
مقدس سے ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ یہ تین دن قتل وغارت کے گذر گئے"[1] اس کے علاوہ
رسول اللہ صلعم خود زیارت قبور کیلئے شد رحال جائز قرار دیتے ہیں۔ زکرہ ابن عبد اللہ
صحابی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اگر میں یحییٰ بن زکریا
کی قبر پہنچانتا تو میں اُنکی زیارت کرتا[2] حضرت بلال رضؓ کے تذکرہ میں ہے کہ انہوں نے نبی
صلعم کو خواب میں دیکھا۔ آپنے فرمایا۔ اے بلال کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم ہماری
زیارت کیلئے آو۔ صبح کو حضرت بلال نہایت رنج کی حالت میں بیدار ہوئے اور مدینہ

[1] مواہب اللدنیہ جلد ۲۔ فصل زیارت قبر نبوی مشکوٰۃ باب الکرامات۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ
زکرہ ابن عبد اللہ۔ [3] اسد الغابہ۔ تذکرہ حضرت بلال موذن۔

کیطرف چلدیئے۔ اور نبی صلعم کی قبر اقدس پر حاضر ہوئے۔ اور قبر اطہر پر منہ رکھکر رونے لگے لہ بلالؓ ان دنوں شام میں تھے۔ رسول اللہ صلعم خود آپکو شدّ رحال کا اور اپنی زیارت کا حکم دیتے تھے۔ ان حالات کی موجودگی میں یہ کہنا کہ قبر نبوی کی زیارت کیلئے شد رحال حرام ہے۔ معقولیت سے کوسوں دور ہے۔ اور وہ صریحی طور ٹوٹے میں ہیں۔ جن کا یہ خیال ہے۔ کہ قبر نبوی کی زیارت کیلئے سفر کرنا حرام ہے۔ قاضی عیاضؒ نے شفا میں قبر نبوی کی زیارت کا ایک جداگانہ باب باندھا ہے۔ اس باب کے کچھ اقتباسات ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

(۱) ”قبر نبوی کی زیارت سنن مسلمین میں سے ایک سنت ہے جس پر سب کا اتفاق ہے“

(۲) ”دار قطنی کی روایت ابن عمرؓ سے ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جسنے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوئی۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس نے مدینہ میں ثواب کی نیت سے میری زیارت کی وہ میری ہمسائیگی میں ہے۔ اور میں قیامت کے روز اُس کا شفیع ہونگا۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ جسنے میری وفات کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔“ سہ

(۳) ”اسحٰق بن ابراہیم فقیہ کا قول ہے۔ کہ حج کرنے والوں کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے۔ کہ وہ مدینہ میں سے گذرتے مسجد نبوی میں نماز کا قصد کرتے۔ اور رسول اللہ صلعم کے روضہ۔ ممبر۔ قبر۔ جائے جلوس۔ اُنکے ہاتھ کی چھوئی ہوئی چیزوں۔ اُنکے پاؤں کے لگنے کے مقامات اور اس ستون کے دیکھنے سے تبرک لیتے ہیں۔ جسکے ساتھ آپ سہارا لیتے جسکے نزدیک جبرائیل آپکے پاس وحی لیکر آتے تھے۔“

(۴) ”نافع کہتے ہیں کہ ابن عمر قبر کے پاس سلام کیا کرتے تھے۔ میں نے انکو سو بار بلکہ

لہ اسد الغابہ تذکرہ بلال

سہ اس حدیث کے متعلق دیکھو مقالات علامہ سبکی انکی کتاب شفاء السقام میں سہ ان حدیثوں کیلئے دیکھو منتخب جلد ۲ ص ۹۲-۳ - فصل فی زیارت قبرہ صلعم۔

اس سے بھی زیادہ بار قبر پر آتے دیکھا۔“

(۵) ”مالکؒ کہتے ہیں: کہ کتاب محمد میں ہے کہ جب کوئی مدینہ کے اندر آئے یا باہر جائے۔ تو نبی صلعم پر سلام کہے۔ محمد یہ بھی کہتے ہیں کہ جب کوئی مدینہ سے نکلے تو آخر وقت قبر پر ٹھہرے۔ یا جب مدینہ میں آئے۔ تو پہلے قبر پر ٹھہرے“

(۶) ”مالکؒ مبسوط میں لکھتے ہیں کہ جو کوئی مدینہ والوں میں سے مسجد میں داخل ہو۔ یا مسجد سے نکلے تو اس کیلئے قبر پر ٹھہرنا لازم نہیں۔ یہ وجوب وقوف صرف مسافروں کیلئے ہے۔ مبسوط میں ہی مالک کا یہ قول ہے۔ کہ جو کوئی سفر سے آئے یا سفر کو نکلے اس کیلئے قبر پر ٹھہرنے رسول اللہ صلعم پر درود پڑھنے اور ابو بکر و عمرؓ کیلئے دعا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔“

(۷) ”مالکؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے مسجد میں آواز سنی پس آپنے آواز دینے والے کو بلایا۔ اور اس سے پوچھا کہ تم کن میں سے ہو۔ وہ بولا کہ میں قبیلہ ثقیف سے ہوں آپنے کہا کہ اگر تو ان دو قصبوں (مدینہ و طائف) سے ہوتا۔ تو میں تمکو تادیب کرتا۔ کیونکہ ہماری اس مسجد میں آواز بلند نہیں کی جاتی۔“

(۸) ”اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم کی قبر کا مقام زمین کے تمام مقامات سے افضل ہے۔ الفاظ عربی کے یہ ہیں۔ ولا خلاف ان موضع قبرہ افضل بقاع الارض“ لہ امام مالک کیطرف ایک مشہور حکایت شفا میں منسوب کیگئی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ امیر المومنین ابوجعفر منصور نے امام مالک سے مسجد نبوی میں مناظرہ کیا۔ امام مالکؒ نے ابوجعفر سے کہا کہ اے امیر المومنین اس مسجد میں آواز بلند نہ کیجئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوم کو تادیب کی ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ تم نبی کی آواز سے اونچی آواز نہ نکالو۔ الآیہ۔ اور ایک جماعت کی تعریف کی ہے۔ اور کہا

لہ ان اقتباسات کیلئے دیکھو شفاء قاضی عیاض ص ۶۸ تا ۷۸

ہے۔ کہ جو لوگ رسول اللہ صلعم کے سامنے اپنی آوازیں نیچی رکھتے ہیں۔ الآیہ۔ اور ایک جماعت کی مذمت کی ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ جو لوگ تجھے بلاتے ہیں الآیہ۔ اور بالتحقیق آپکی حرمت بعد وفات ایسی ہی ہے جیسی کہ آپکی زندگی میں تھی۔ یہ سن کر ابو جعفر دھیما پڑ گیا۔ اور اس نے کہا۔ اے ابو عبداللہ۔ کیا میں قبلہ کیطرف منہ کر کے دعا کروں یا رسول اللہ صلعم کیطرف منہ کروں۔ امام مالکؒ نے جواب دیا رسول اللہ صلعم سے کیوں روگردانی کرتے ہو۔ درحالیکہ آپ قیامت کے دن تمہارا اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا اللہ کی طرف وسیلہ ہونگے۔ بلکہ آپکی طرف منہ کرو اور آپکی شفاعت طلب کرو۔ خدا یہ شفاعت قبول کریگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔[1] اس روایت پر شیخ ابن تیمیہ نے جرح و قدح کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "یہ حکایت منقطع ہے۔ کیونکہ محمد بن حمید رازی نے مالکؒ کو نہیں پایا خصوصاً ابو جعفر منصور کے زمانے میں۔ کیونکہ ابو جعفر نے ۱۵۸ھ میں مکہ میں وفات پائی اور مالکؒ ۱۷۹ھ میں اور ابن حمید ۲۴۸ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن حمید کبھی وطن سے باہر نہیں گئے۔ اور جب طلب علم کیلئے نکلے تو اچھی عمر کے ہو چکے تھے۔ مزید براں یہ کہ اکثر اہل حدیث کے نزدیک وہ ضعیف ہیں۔ ابو زرعہ اور ابن دازہ نے انہیں جھوٹا بنایا ہے۔ صالح بن محمد اسدی کہا کرتے تھے۔ کہ میں نے محمد بن حمید سے زیادہ کسی کو اللہ پر جری اور ذر ورع باقی میں ماہر نہیں دیکھا۔ یعقوب بن شیبہ کی رائے ہے۔ کہ وہ سخت منکر روائتیں بیان کرتا ہے۔ نسائی کا قول ہے کہ ثقہ نہیں ابن حبان کہتے ہیں کہ ثقات سے الگ ہو کر مقلوبات روایت کرتا ہے امام مالک سے موطا کے سب سے آخری راوی ابو مصعب ہیں۔ جو ۲۴۲ھ میں فوت ہوئے۔

[1] شفاء جلد ۲۔ ص ۳۲ و ۳۳

اور سب سے آخری روایت کرنے والے احمد بن اسمٰعیل سہمی ہیں۔ جو ۲۵۹ ہجری میں فوت ہوئے۔ ان میں سے کسی نے بھی یہ حکایت بیان نہیں کی۔ پھر اسناد میں ایسے لوگ موجود ہیں جنکی حالت مجہول ہے۔ امام مالک کے مشہور اصحاب میں سے کسی نے بھی یہ حکایت بیان نہیں کی۔ ابن حمید اگر اسناد سے روایت کریں تو بھی اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں۔ پھر اگر مرسل روایت بیان کریں۔ تو ظاہر ہے کہ انکی روایت کس درجہ کی ہو گی[2] اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ فن رجال کے اکثر ماہروں نے محمد ابن حمید رازی کی مذمت کی ہے۔ انکی آرا کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

یعقوب بن شیبہ۔ محمد بن حمید منکر حدیثیں بیان کرتا ہے۔

امام بخاری۔ ابن حمید کی حدیث میں نظر ہے۔

جوزجانی۔ ردی المذہب غیر ثقہ ہے۔

صالح بن محمد اسدی۔ ابن حمید اوروں سے حدیثیں سنتا ہے۔ اور ایک کی حدیث دوسرے کیطرف منسوب کر کے بیان کرتا ہے۔ یعنی مقلوب حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بڑا اجری ہے۔ میں نے کسی کو بھی ایسا نہیں دیکھا جو عقلمندی کیساتھ جھوٹ بیان کرنے والا ہو۔ بجز سلیمان اور محمد بن حمید کے

ابو نعیم بن عبدی۔ ایک جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ ابن حمید حدیث میں سخت ضعیف ہے۔

ابو العباس بن سعید۔ داؤد بن یحیٰی سے میں نے سنا ہے۔ کہ ابو حاتم پہلے اس سے روایت کرتا تھا۔ پھر اس نے اسے ترک کر دیا۔

ابن حراش۔ واللہ وہ جھوٹ بیان کرتا ہے۔

بیہقی۔ امام الائمہ ابن خزیمہ ابن حمید سے روایت نہ کرتے تھے۔

[2] کتاب الوسیلہ ص ۱۰۷ و ۱۰۸

بعض ماہران فن نے اسکی مذمت نہیں کی ہے۔ انکی آرا یہ ہیں۔ ابن ابی خیثمہ۔ ابن
معین نے کہا ہے کہ ابن حمید ثقہ ہے۔ اسکی روایت میں کوئی قباحت نہیں۔
علی بن الحسین بن الجنید ابن معین کی رائے ہے کہ ابن حمید ثقہ ہے۔ ابو حاتم رازی
ہم نے ابن حمید میں سوائے خوبی کے اور کچھ نہیں دیکھا[1] یہ درست ہے کہ امام مالک
کی وفات ۱۷۹ھ ہجری میں ہوئی۔ جیسا کہ تہذیب التہذیب میں بھی ہے۔ یہ بھی درست
ہے۔ کہ ابو جعفر منصور نے ۱۵۸ھ ہجری میں وفات پائی۔ اس لئے یہ بات صاف
ہے۔ کہ ابن حمید نے یہ مناظرہ امام مالک اور منصور کا اپنے کانوں نہ سنا ہوگا۔
جبھی تو یہ روایت مرسل معلوم ہوتی ہے۔ محمد بن حمید سے ابو داؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ
احمد بن خلیل۔ یحیٰی بن معین۔ عبداللہ بن عبدالصمد۔ بن ابی حذرش محمد بن اسحٰق صاغانی
محمد بن یحیٰی ذہلی۔ صالح بن محمد اسدی۔ محمد بن جریر طبری۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل جیسے
بلند مرتبہ لوگوں نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان تمام حالات کو مدنظر رکھکر یہ کہا جا سکتا
ہے۔ کہ ابن حمید نے یہ روایت مرسل بیان کی ہو۔ مگر بات یہ ہے۔ کہ جو کچھ اس قصے
میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ اصولاً درست ہے۔ سوائے قبر نبوی کی طرف رخ کرنے
کے معاملہ کے (جسمیں اختلاف ہے) مثلاً امام مالک نے منصور کو روکا کہ مسجد نبوی
میں آواز بلند نہ کیجئے اور ایسا کرنا بالکل درست تھا۔ جیسا کہ اوپر حضرت عمرؓ والے معاملہ
میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ رسول اللہ صلعم کی عزت و حرمت
بعد وفات بھی ایسی ہی ہے۔ جیسی کہ آپکی زندگی میں تھی۔ کیونکہ آپ قیامت تک
نبی الرحمۃ اور نبی الامۃ ہیں۔ اور جسقدر فرائض نبی کے ہو سکتے ہیں۔ وہ قیامت
تک آپ کے متعلق رہینگے۔ جیسا کہ اس پر مفصل بحث باب اول میں کی گئی ہے۔
یہ بات بھی درست ہے۔ کہ دعا کے وقت قبر کیطرف منہ کیا جائے۔ درود و سلام

[1] دیکھو تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ تذکرہ محمد ابن حمید رازی۔

بھی ایک دعا ہے۔ اور درود و سلام کے وقت قبر کی طرف منہ کرنا مشروع ہے۔
اور اسی طرح دوسری دعاؤں کے اس حصہ میں بھی جن میں خطاب اور توجہ آپکی روح اقدس
کیطرف ہو۔ اور آپکی دعا و مدد کا وسیلہ لینا مقصود ہو۔ جیسا کہ نابینا والی مشہور حدیث
میں آپ کا توسل لیا گیا۔ رخ آپ کی قبر کی طرف کرنا حرام مطلق نہیں ہو سکتا کیونکہ
آپکی روح دائم و قائم زندہ و موجود ہے۔ اور اسکا تعلق آپکے جسم اطہر سے بالکل منقطع نہیں
ہوا۔ جیسا کہ اسکے متعلق بحث کسی دوسرے مقام پر کیگئی ہے[1] اس میں بھی شک نہیں
کہ آپ روز قیامت کو ہر ایک کا حتیٰ کہ ہر ایک نبی کا اور آدم علیہ السلام کا وسیلہ
بنینگے۔ یہ بھی درست ہے۔ کہ آپ سے ہر وقت استشفاع جائز ہے۔ اور اللہ تعالےٰ
آپکی شفاعت اب بھی قبول کرتا ہے۔ جیسا کہ نابینا والی حدیث کے متعلق اور دوسرے
مقامات میں بحث کیگئی ہے۔ یہ حکایت منقطع ہو تو ہو۔ مگر اس میں ذرا بھی شک نہیں
کہ جسقدر باتیں اسمیں مذکور ہیں۔ وہ قریباً سب از روئے اصول درست معلوم
ہوتی ہیں پس شیخ ابن تیمیہ کی جرح و قدح اسناد کے لحاظ سے تو درست ہے۔
مگر حقیقت حال کے لحاظ سے کچھ مخدوش ہے۔ شیخ ابن تیمیہ قبر کیطرف رخ کرنیکے
متعلق رقمطراز ہیں۔ کہ سب نے یہی کہا ہے۔ کہ مسجد نبوی میں رسول اللہ صلعم پر سلام
کے بعد اگر اپنے لئے دعا کا ارادہ ہو۔ تو قبلہ کیطرف رخ کرنا چاہئے۔ نہ کہ آپکی قبر کی طرف
ہاں سلام اور آپکے لئے دعا کرتے وقت قبر شریف کیطرف رُخ کرنا چاہئے۔ یہی قول
اکثر علما مثل مالک (فی احد الروایتین) شافعی احمد وغیرہ کا ہے۔ اور اصحاب
ابو حنیفہ تو سلام کے وقت بھی قبر کیطرف رخ کرنے کو منع کرتے ہیں[2] شیخ ابن تیمیہ اس بات
کے مخالف ہیں کہ قبر پر ٹھہر کر اپنے لئے دعا کی جائے۔ لیکن یہاں تو وہ ائمہ کی اس قول پر
معترض نہیں ہوتے۔ کہ اپنے لئے دعا قبر نبوی پر ہو سکتی ہے۔ اصولی سوال یہاں رخ کا

[1] دیکھو باب اول فقرہ ۱۷۔ [2] کتاب الوسیلہ ص ۱۰۹

ہے۔ کہ کیا قبر کیطرف ہونا چاہیے۔ یا قبلہ کیطرف۔ قبلہ کیطرف رخ کرنا اسلئے مناسب
ہے تاکہ لوگ آپکی قبر کی پرستش شروع نہ کردیں۔ اور اُسے معبد نہ بنائیں۔ لیکن اگر
ایسا احتمال بالکل موجود نہ ہو جیسا کہ کامل مومنوں کی صورت میں ہے۔ تو پھر قبر کیطرف رخ
کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ بالخصوص اس صورت میں جبکہ توجہ رُخ کرنے والے کی
آپکی روح اقدس کیطرف ہو۔ نہ کہ عناصر اربعہ کیطرف جس سے قبر نے ترکیب پائی ہے
یہ توجہ روح اقدس کیطرف توسّل و استشفاع کے ارادہ سے ہے۔ نہ اس خیال سے
کہ انجاح حوائج کے بارہ میں فاعل حقیقی رسول ہیں۔ جو عقیدہ کسی سچے مومن کا نہیں ہوسکتا
بات یہ ہے کہ نابینا والی دعا اب تک مشروع ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ ایک حصے
میں خطاب اور توجہ رسول اللہ کیطرف ہے۔ اور دوسرے حصے میں حقتعالیٰ کیطرف
جس حصے میں خطاب رسول کیطرف ہے۔ اسکے الفاظ یہ ہیں۔ انی توجھت بک الی
ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی۔ جب قبر نبوی پر اس دعا کے مطابق نبی الرحمتہ
کی روح اقدس سے توسّل لنا مقصود ہو۔ تو پھر اس حصۂ دُعا کے پڑھتے اور رسول کو
خطاب کرتے وقت رُخ قبر کیطرف ہونا مناسب ہے۔ لیکن جب اس توسّل کے بعد
خطاب حق تعالیٰ سے ہو۔ جیسا کہ دعا کے دوسرے حصے میں صورت ہے۔ تو اس وقت
منہ قبلہ کیطرف ہو تو کوئی حرج نہیں۔ شیخ ابن تیمیہ نے ان دونوں صورتوں کو خلط ملط کردیا ہے
ایک بات اور سن لیجئے۔ دنیا میں دو طرح کے مسلمان ہیں۔ ایک وہ جنکو کشف قبور حاصل
ہے۔ دوسرے وہ جنکو ایسا کشف حاصل نہیں۔ اہل کشف جب کسی قبر پر جاتے ہیں۔ تو
اہل قبر کی روح انکے سامنے آجاتی ہے۔ اور اُن میں مکالمہ شروع ہوجاتا ہے۔ ہر انسان کے
روح کی شکل وہی ہوتی ہے جو اس انسان کی دنیا میں ہوتی ہے۔ کیونکہ رویا میں روحیں
اُنہیں شکلوں میں ملتی ہیں۔ اہل کشف وہی لوگ ہیں۔ جنکی باطنی آنکھیں کھلی ہوں۔ اس کے
متعلق شواہد و آثار پہلے باب میں بیان کردئے گئے ہیں۔ جب اہل قبر کی روح زائر کے

سامنے آجاتی ہے تو پھر زائر کا منہ لازمی طور روح کیطرف ہونا چاہیے۔ اس حالت میں
جب زائر دعا کرے۔ اور دعا میں نبی کا توسل لے۔ اور نبی صلعم کی روح بھی اسکے سامنے
تشریف فرما ہو۔ تو پھر اسے کوئی چارہ نہیں کہ وہ منہ آپ کیطرف کرے۔ ورنہ وہ کون
سا عقلمند ہے جو جناب رسول اللہ صلعم کی روح اقدس کو دیکھکر منہ قبلہ کیطرف کرکے
اور پشت آپکی طرف۔ اسلئے خاص الخاص لوگوں کیلئے ابن تیمیہ کا یا کسی اور کا قول سند
نہیں ہوسکتا[1] البتہ عوام کیلئے ضروری ہے۔ کہ وہ آئمہ کے بیانات کا لحاظ رکھیں
اور اگر انکے بیانات نصوص کے مطابق ہوں تو اُن پر عمل کریں۔ عوام کیلئے دعا کرتے
وقت منہ قبلہ کیطرف ہونا غیر مناسب نہیں۔ لیکن اس حصہ دعا میں جسمیں وہ توسل نبی
صلعم سے لیتے ہیں۔ اور خطاب آپ سے کرتے ہیں۔ جیسا کہ نابینا نے کیا تھا۔ منہ قبر کیطرف
ہونا مناسب ہے۔ شیخ ابن تیمیہ کے اس خیال کی بھی کہ اصحاب حنیفہ سلام کے وقت
بھی قبر کیطرف منہ کرنے کو منع کرتے ہیں۔ اصحاب حنیفہ کیطرف سے تردید کیگئی
ہے۔ چنانچہ علامہ کمال ابن ہمام کہتے ہیں۔ کہ قبر شریف کیطرف منہ کرنا قبلہ کیطرف
منہ کرنے سے بہتر ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کیطرف جو یہ منسوب کیا گیا ہے۔ کہ
استقبال قبلہ بہتر ہے۔ اصحاب حنیفہ کے یہاں مردود ہے۔ کیونکہ خود امام ابوحنیفہ
نے اپنی مسند میں ابن عمر سے روایت درج کی ہے۔ کہ قبر مکرم کیطرف منہ کرنا
اور قبلہ کیطرف پشت کرنا سنت ہے۔ اسلئے ابن تیمیہ کا قول بالا قابل پذیرائی
نہیں۔

۶ ـــ اسکے علاوہ زیارت قبور کیلئے رسول اللہ صلعم کا ایک جداگانہ حکم
"زوروہا"[2] موجود ہے۔ وہ حکم اس حدیث شدّ رحال سے منسوخ نہیں ہوا ہے

[1] ایسے لوگوں کی بات ہی کچھ اور ہے۔ جیسا کہ حسنات المومنین سیئات المقربین سے معلوم ہوتا ہے۔

[2] مشکوۃ باب زیارت قبور میں یہ حدیث موجود ہے۔

بلکہ جو تعبیر شدہ حال کی گئی ہے۔ اسکے رو سے "زوروہا" کا حکم اپنے اطلاق پر قائم ہے جیسا کہ فقرات ۴ و ۵ میں بیان کیا گیا ہے۔ مزید براں یہ بات بھی ہے کہ جب مسجد نبوی کیلئے سفر اختیار کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ تو جو مسجد نبوی میں پونچیگا۔ وہ بخود قبر نبوی کی زیارت بھی کریگا۔ اس لئے قدرتی طور قبر نبوی کی زیارت کے لئے کسی جداگانہ حکم کی ضرورت نہیں۔ وہ شخص بڑا ہی بے ادب ہوگا جو مسجد نبوی تک پونچے وہاں نماز بھی پڑھے۔ مگر قبر نبوی پر حاضر ہو کر آپ پر درود و سلام نہ بھیجے ایسا شخص لازمی طور وہی ہوگا۔ جو منصب نبوت اور شان رسالت کا منکر ہوگا۔

ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ وہ مسجد جہاں آپ نماز پڑھتے رہے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے سوا باقی تمام مسجدوں سے افضل قرار پاتی ہے۔ مگر وہ مقام جہاں کہ آپ کا جسم اطہر محفوظ ہے۔ اور جہاں آپکی روح کی اور ہزاروں[1] فرشتوں کی آمد و رفت جاری ہے کسی طرح متبرک و مقدس نہیں۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔ کہ مسجد نبوی میں ایک نماز پچاس ہزار نماز کے برابر ہے۔ اور مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نماز کے برابر ہے[2] شعب الایمان بیہقی۔ طبرانی وغیرہ میں ایسی حدیثیں موجود ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپکی قبر کی زیارت مناسب ہے[3] لیکن ہمیں ان حدیثوں سے تمسک کی ضرورت نہیں جبکہ ہم جانتے ہیں کہ آپنے زیارت قبور کی اجازت دی ہے اور اس لحاظ سے آپکی قبر کی زیارت بطریق اولیٰ جائز ہوئی۔ مدینہ کا طابہ ہونا اور وہاں حرم کا موجود ہونا آپکے وجود باجود کی وجہ سے ہے۔ صحیح مسلم۔ مسند احمد اور نسائی میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے[4] رسول اللہ صلعم کی دعا ہے کہ اے اللہ میرے لئے مدینہ میں وہی حصہ بنا جو کہ تو نے مکہ میں بنایا ہے[5]

[1] یہ روایت دارمی کی فقرہ میں درج ہے۔ [2] مشکوۃ باب المساجد [3] من حج فزار قبری بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی دطبرانی من زار قبری وجبت لہ شفاعتی (بیہقی) من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی (ابن حبان) [4] منتخب جلد ۵ ص ۳۵۳ [5] فضل فضائل مدینہ۔

صحیحین۔ اور مسند احمد کی دوسری حدیث میں ہے کہ مدینہ حرم ہے۔ اس جگہ سے لیکر اُس جگہ تک اسکا کوئی درخت نہ کاٹا جائے۔ اس میں کوئی حدث کا باعث نہ ہو۔ جو کوئی اس میں حدث کا باعث ہوگا یا کسی محدث کو پناہ دیگا۔ تو اس پر اللہ تمام فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ قیامت کے دن اُس سے کوئی بدلہ قبول نہ کریگا[1] مدینہ کے حرم ہونے کے بارے میں اور بھی حدیثیں موجود ہیں[2] اسی وجہ سے طاعون اور دجال مدینہ کے اندر داخل نہ ہو سکیں گے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی مشہور روایت میں ہے[3] یہ عزت و حرمت مدینہ کی کس لحاظ سے ہے۔ اس لحاظ سے کہ جناب رسول اللہ صلعم وہاں عرصہ تک تشریف فرما رہے۔ وہاں آپنے اپنی مسجد اور اپنا گھر بنایا۔ اور وہاں ہی آپ کا جسم اطہر سپرد خاک ہوا۔ اسلیئے جب عامہ مومنین اور کفار کی قبروں کی زیارت مستحب ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپکی قبر کی زیارت بھی بطریق اولیٰ کم از کم مستحب نہ ہو۔

البتہ ایک بات ضرور ہے کہ آپکی قبر کو مسجد و معبد نہ بنایا جائے۔ صحیحین میں ہے کہ تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ مگر قبروں کو نماز گاہ نہ بناؤ[4] صحیح مسلم۔ احمد۔ ترمذی۔ نسائی۔ اور ابو داؤد میں ہے کہ قبروں کے اوپر نہ بیٹھو۔ اور نہ اُن کے اوپر نمازیں پڑھو[5] صحیح مسلم میں ہے کہ جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ اپنے نبیوں اور صالح لوگوں کی قبروں کو مسجد بنا لیتے تھے۔ سو تم قبروں کو مساجد نہ بناؤ۔ میں بالتحقیق تم کو اس سے منع کرتا ہوں[6] نسائی میں ہے کہ تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ اور تم میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ الٰہی نہ بناؤ[7] ولعب اور سرور و طرب کا دن ہے۔ آپکی قبر کی زیارت اس خیال سے کرنا درست نہیں۔ کیونکہ وہاں جاکر تو ہمیں اپنے لئے اور ان کیلئے دعا کرنا۔ اور عبرت حاصل کرنا ہے

[1] بخاری مسلم احمد منتخب جلد ۵ ص ۳۵۱ [2] منتخب جلد ۵ ص ۳۵۳ فضل فضائل مدینہ۔ [3] منتخب جلد ۵ ص ۳۵۲ تا ۳۵۸ [4] منتخب جلد ۵ ص ۳۵۲۔ صحیح مسلم اور نسائی کی دوسری روایتیں دیکھو منتخب ۵ ص ۳۵۲ [5] منتخب جلد ۶ ص ۲۷۳ [6] فضل زیارت قبور [7] مشکوۃ باب المساجد [8] مشکوۃ باب الصلوۃ علی النبی صلعم۔

نہ کہ کھیلنا کودنا اور خوشیاں منانا۔ اس سے مطلق زیارت کی نفی نہیں ہوتی۔ بلکہ نفی اس بات کی ہوتی ہے۔ کہ وہاں جاکر قبروں کی زیارت کا مقصد نہ بھول جاؤ۔ اور اُسے لہو ولعب کا مقام نہ بناؤ۔ کیونکہ اس سے آپکی قبر کی بے حرمتی ہوگی۔ اور بجائے فایدہ کے نقصان ہوگا یا عید سے یہ مراد لی جاسکتی ہے۔ کہ قبر نبوی کی زیارت کثرت سے اور متواتر پے در پے نہ کرو۔ کہ مبادا لوگ اُسے معبد بنالیں۔ اور شرک میں پڑ جائیں۔ بہر حال آپکی قبر کی زیارت معبد ہی مفید ہے۔ بشرطیکہ اسے معبد یا عید نہ بنایا جائے۔ مجمع البحار میں "عید" کی تشریح یوں کیگئی ہے لا تجعلوا زیارۃ قبری عیداً او قبری مظہر عید ای لا تجتمعوا الزیادۃ اجتماعکم العید فانہ یوم لھو و سرور و حال الزیادۃ بخلافہ وکان داب اہل الکتاب فاورثھم القسوۃ ومن ھجرہ عبدۃ الاوثان حتی عبدوا الاموات اذ ھو اسم من الاعتیاد ومن عادۃ واعتیادہ اذا صار عادۃ لہ واعتیادہ یودی الی سوء الادب فی ارتفاع الحشمۃ و یویدہ قولہ فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم ای لا تتکلفوا المعاودۃ الی فقد استغنیتم عنہ بالصلوۃ علی۔ انتھی

لفظ عید کی اس تشریح سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قبر کو محل سرور وطرب نہ بنایا جائے۔ تاکہ زیارت کا مقصد فوت نہ ہو۔ یا یہ کہ قبر کی زیارت اس کثرت سے نہ ہو کہ اس سے لوگ سوء ادب اور ارتفاع حشمت کی طرف چلے جائیں۔ اور بجائے فائدہ کے نقصان اٹھائیں۔ پس آپکی قبر پر خوشی کے دن کا سا اجتماع نہ ہو۔ اور نہ اُسے محل سرور وانبساط بنایا جائے۔ اور نہ وہاں آمد ورفت اس کثرت سے ہو کہ آپکی قبر کی بے ادبی ہو۔ اب آپ خود غور کریں۔ کہ اس حدیث سے یہ نتیجہ کہاں نکل سکتا ہے۔ کہ آپکی قبر کی زیارت ممنوع ہے۔ بلکہ اس سے تو یہ مستفاد ہوتا ہے کہ قبر نبوی کی زیارت تو کی جائے مگر اس طرح پر نہ کہ قبر کی بے ادبی ہو۔ اور وہاں خوشی کا اظہار ہو۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔ طیبی نے تو یہاں

تک کہدیا ہے۔ کہ اس حدیث سے مراد کثرت زیارت کی ترغیب دینا ہے تاکہ زیارت سال میں ایک دفعہ نہ ہو۔ جیسا کہ عید سال میں ایک دفعہ ہوتی ہے [1] بہر حال ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ قبر نبوی کی زیارت اس طرح پر نہ کی جائے کہ اس سے سوء ادب کا احتمال ہو اور اصل مطلب ہی زیارت کا فوت ہو جائے۔ اگر ان باتوں کا خیال رکھا جائے۔ تو پھر آپکی قبر کی زیارت منبع فیوض وبرکات ہے۔ مولانا جامی کیا خوب کہتے ہیں ؎

کے بود یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم	گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم
یا رسول اللہ بسوی خود مرا راہے نما	تا ز فرق سر قدم سازم ز دیدہ پا کنم
آرزوے جنت الماوی برون کردم ز دل	جنتم این بس کہ بر خاک درت ماوا کنم

قبر نبوی کی زیارت کی مشروعیت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اگر کلام ہے تو صرف اس بات میں کہ آیا آپکی قبر کی زیارت واجب ہے۔ یا مندوب ومسنون۔ کوئی واجب قرار دیتا ہے۔ اور کوئی مسنون۔ ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لیئے اسی قدر کافی ہے۔ کہ ایک نبی اور کامل مومن کی قبر کی زیارت میں گوناگون فوائد مضمر ہیں۔ اور کہ ان فوائد سے متمتع ہونا صلاحیت والوں کا اولین فرض ہے جو لوگ کمال ایمان کی چاشنی سے لذت آشنا ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ ایک کامل ترین نبی کی قبر کی زیارت تو در کنار ایک کامل مومن کی قبر کی زیارت سے بے شمار فیوض وبرکات حاصل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ امام رازی کی بھی رائے ہے۔ امام موصوف کہتے ہیں کہ جب کوئی کسی کامل مومن اور قوی النفس انسان کی قبر پر جائے۔ اور وہاں ٹھہرے اور اسکے دل میں کوئی کیفیت پیدا ہو۔ درحالیکہ اسے صاحب قبر سے ایک طرح کا تعلق پیدا ہو جائے تو پھر یہ ظاہر ہے کہ اس میت کے نفس کو اس قبر کیساتھ بھی ایک گونہ تعلق ہے۔

[1] دیکھو مرقات۔ متعلق حدیث مذکور۔

پس قبر پر جمع ہونے کے سبب سے اس زندہ زائر اور اس فوت شدہ انسان کے درمیان
ملاقات واقع ہوتی ہے۔ ان دونوں کی مثال دو آئینوں کی سی ہے جو ایک دوسرے
کے بالمقابل ہوں۔ اس طرح پر کہ ایک کی شعاع دوسرے کیطرف منتقل ہوتی ہو۔
اس زندہ زائر کو جو معارف و براہین علوم کسبی۔ اخلاق فاضلہ خشوع رضا وغیرہ حاصل
ہیں۔ اُن سے ایک نور چھن کر اس میت انسان کی طرف منعکس ہوتا ہے۔ اور جو علوم
مشرقہ اور آثار قوبیہ کاملہ اس انسان میت کو حاصل ہوتے ہیں۔ اُن سے نور نکل کر اس زندہ
زائر کیطرف آتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ زیارت زائر کے لئے فوائد عظیم کا باعث
بنتی ہے۔ شیخ ابن تیمیہ کے اس قول نے کہ قبر نبوی کی طرف شد رحال ناجائز ہے۔
اس زمانے کی اسلامی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ اور شیخ موصوف پر اُن ایام میں
اعتراضات کی اسقدر بوچھاڑ ہوئی کہ الامان۔ چاروں طرف سے ائمہ اربعہ کے تلامذہ
اُن پر پل پڑے۔ اور اُنکی خوب خبر لی۔ کیونکہ اُن کے اس قول شنیع سے شان رسالت
کے انکار کی بو آتی تھی۔ قبر نبوی کی زیارت باتفاق مذاہب اربعہ مستحب بلکہ مسنون ہے
اور اس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ اختلاف اگر ہے تو وجوب میں ہے۔ جمہور فقہا حنفیہ
کا میلان ندب اور قرب وجوب کی طرف ہے۔ چنانچہ امام ابن ہمام مصنف فتح القدیر
کہتے ہیں کہ ہمارے اساتذہ کی رائے میں قبر نبوی کی زیارت افضل مندوبات سے ہے۔
قاضی القضاۃ عبدالرحمٰن شرح ملتقی الابحر میں لکھتے ہیں۔ کہ زیارت احسن مندوبات
سے ہے۔ بلکہ واجب کے قریب ہے مصنف شرح مختار کا قول ہے کہ زیارت
وجوب کے نزدیک ہے۔ علامہ حسن مصنف نور الایضاح کی رائے ہے کہ قبر نبوی کی
زیارت افضل عبادات اور احسن مستحبات سے ہے۔ بلکہ واجب کے قریب ہے۔ علامہ
عبدالنبی سنن الہدیٰ میں لکھتے ہیں۔ کہ زیارت قبر نبوی مسلمانوں کی سنتوں میں سے
ایک سنت ہے۔ جس پر علماء دین کا اجماع ہے۔ کرمانی کی رائے میں بھی زیارت

مندوب ہے۔ اور واجب کے قریب ہے۔ بعض محققین شافعیہ کی بھی وہی رائے
ہے جو اصحاب حنفیہ کی ہے۔ علامہ سمہودی وفاء الوفا میں لکھتے ہیں کہ قبر نبوی کی زیارت
افضل مستحبات سے ہے۔ بلکہ واجب کے قریب ہے۔ اور کہ یہی رائے مالکیوں اور
حنبلیوں کی ہے۔ قاضی عیاض کی رائے میں بھی زیارت قبر نبوی ایک ایسی سنت ہے
جس پر امت کا اجماع ہے۔ علامہ ابن حجر مکی در منظم میں لکھتے ہیں کہ اس امر میں اختلاف
ہے۔ کہ زیارت قبر نبوی واجب ہے۔ یا مندوب۔ اور کہ بعض کہتے ہیں کہ واجب ہے۔
امام قسطلانی مواہب اللدنیہ میں لکھتے ہیں۔ کہ قبر نبوی کی زیارت اعظم قربات اور ارجی
طاعات سے ہے۔ بلکہ اعلیٰ درجات کیلئے سبیل ہے۔ اور کہ جو شخص ایسا اعتقاد نہ
رکھے۔ اُسنے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی۔ اور اُس نے اللہ و رسول اور علماء
علام کی جماعت کی مخالفت کی ان تمام آراء کا خلاصہ یہ ہوا کہ قبر نبوی کی زیارت کم
از کم مندوب ہے۔ جو حدیثیں قبر نبوی کی زیارت کے متعلق آئی ہیں۔ اُن پر اور اس
امر پر کہ کیا زیارت قبر نبوی مندوب ہے۔ یا کہ واجب بحث کرنے کے لئے یہاں گنجائش
نہیں۔ اگر موقعہ ملا تو اسے علیحدہ کتاب کی شکل میں شائع کیا جائیگا۔

۷ —— تقاریر بالا سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلعم کی
دعا کے بغیر مومنین اور مومنات فرداً فرداً پاک نہیں ہو سکتے۔ اور نہ وہ انفرادی
طور کسی اعلیٰ درجے پر پہونچ سکتے ہیں۔ یہ بات بھی اوپر ثابت ہو چکی ہے۔ کہ آپکی روح
اطہر سے ہر وقت دعا استغفار و تزکیہ کی استدعا ہو سکتی ہے۔ یہ استدعا آپ تک
ضرور پہونچتی ہے۔ کیونکہ یہ دعا اعمال سے ہے۔ اور اعمال امتیوں کے آپ پر پیش
ہوتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے[1] جب اعمال امتیوں کے آپ پر
پیش ہوتے ہیں۔ تو آپ اُمتیوں کے درود و سلام اور استدعا دعا سے بھی واقف ہوتے

[1] دیکھو باب دوئم - حصہ آخری - فقرہ ۲۲ -

ہیں۔ استدعا، دعا کی قبولیت چند باتوں سے مشروط ہے۔ ایک تو استدعا کے پہلے اور پیچھے درود وسلام ہونا چاہیے۔ ابو داؤد اور ترمذی میں ہے۔ کہ جب کوئی تم میں سے نماز پڑھے۔ تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے۔ پھر نبی صلعم پر درود بھیجے پھر دعا کرے جیسی کہ چاہے[1]۔ شفا میں ہے کہ دو درودوں کے درمیان دعا نامقبول نہیں ہوتی[2]۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا پڑھنے کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ حق تعالیٰ اسکی طرف متوجہ ہوگا۔ اور اسکی دعا کو سنیگا۔ جب وہ درود وسلام رسول پر بھیجیگا۔ تو حق تعالیٰ کی توجہ اور بھی زیادہ مبذول ہوگی۔ کیونکہ سنتہ اللہ یہ ہے کہ جو کوئی رسول پر ایک دفعہ صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے۔ اللہ اس پر دس دفعہ صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے۔ جیسا کہ ابو داؤد کی روایت میں ہے[3]۔ اسکے بعد وہ سائل جہاں کہیں بھی ہو اپنی استدعا دعا کی رسول اللہ صلعم کے حضور میں پیش کرتا ہے۔ اور عرض کرتا ہے کہ میرے لئے دعا مغفرت ورحمت کی جائے۔ حق تعالیٰ اس استدعا کو سنتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس حمد وثنا کو بھی سنتا ہے۔ اور پھر درود وسلام کا جواب بھی دس دس بار دیتا جاتا ہے اسکے ساتھ درود وسلام بھیجنے والے کی درود وسلام فرشتوں کے ذریعہ سے آپکی روح اقدس کے سامنے بھی پیش ہوتی ہے۔ اور آپ خود بھی اس درود وسلام کا جواب درود وسلام سے دیتے ہیں۔ اسکے علاوہ امت کے تمام اعمال وقتاً فوقتاً حضور کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں دعا کی یہ استدعا بھی پیش ہوتی ہے۔ اب فرمائے کہ اگر ایسی استدعا کے پیش کرنے میں تمام آداب واحوال کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ اور اگر وہ دعا مستدعیہ واجبی ہو۔ تو پھر کون سی بات اس استدعا کو قبولیت سے باز رکھ

[1] منتخب جلد ۲۔ ص ۲۵۰۔ [2] شفا رقی ضی عیاض جلد ۲۔ ص ۱۵۔ [3] تاہ ایرضیک یا محمد ان لا یصلّی علیک احد من امتک الا صلیت علیہ عشرا ولا یسلم علیک احد من امتک الا سلمت علیہ عشرا (ابو داؤد۔ باب الفصل فی الصلوٰۃ علی النبی صلعم جلد ۲۔ ص ۲۱۱۔ دیا بن فضل التسلیم علی النبی صلعم جلد ۲ ص ۹۰)

سکتی ہے۔ بالخصوص جبکہ رسول اللہ صلعم کا منصب ذاتی یہی ہے۔ کہ وہ اپنی امت کے افراد کیلئے استغفار وتزکیہ کی دعا کرتے رہیں۔ ایسی استدعا حضور کی قبر کے سامنے بھی ہو سکتی ہے۔ اور دوسرے مقامات پر بھی۔ کیونکہ آپکی روح ہر حال میں زندہ ہے۔ اور اُسے چشم زدن میں ہر جگہ پونچنے کی قدرت حاصل ہے۔ جیسا کہ باب اول میں بیان کیا جا چکا ہے۔ صحیح حدیثوں میں ہے۔ کہ جب کسی مومن یا کافر کو دفن کرتے ہیں۔ اور منکر نکیر آکر سوال کرتے ہیں۔ تو اس وقت رسول اللہ صلعم کی روح اقدس آموجود ہوتی ہے۔ چنانچہ فرشتے اسوقت کہتے ہیں۔ ماکنت تقول فی ھذا الرجل یہ الفاظ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ جامع ترمذی۔ مسند احمد اور سنن ابو داؤد کی حدیثوں میں آئے ہیں[1]۔ جب لفظ ھذا حقیقی معنی میں لیا جائے[2]۔ تو پھر اسکا مطلب یہ ہے۔ کہ آپکی روح ہر مومن اور ہر کافر کے سامنے سوال کیوقت آموجود ہوتی ہے جس طرح کہ ملک الموت کو یہ غیر معمولی قوت حاصل ہے۔ کہ وہ ہر مرنے والے کی جان قبض کرنے کے وقت آموجود ہوتا ہے۔ اسی طرح روح نبوی کو یہ غیر معمولی قوت حاصل ہے کہ وہ ہر مومن اور ہر کافر کے سامنے سوال کیوقت آموجود ہوتی ہے۔ بلکہ روح نبوی کو ملائکہ سے بھی بہت زیادہ قوت حاصل ہے۔ کیونکہ آپ فخر اولین وآخرین بلکہ فخر کائینات ہیں۔ ملائکہ کو کائنات میں ایک خاص قسم کا تصرف حاصل ہے جیسا کہ باب اول میں بیان کیا گیا ہے[3]۔ اسی طرح خاتم النبین کی روح کو بھی کائینات میں ایک خاص قسم کا تصرف حاصل ہے۔ جیسا کہ حدیث انما انا قاسم واللہ یعطی[4] سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو جو کام خیر وصلاح کے فرشتے اور دیگر آسمانی موکل عالم اکبر میں سرانجام

[1] مشکوۃ بات اثبات عذاب قبر۔ [2] حقیقی معنے سے عدول کیلئے کوئی قرینہ صارفہ موجود ہونا چاہئے۔ جو یہاں موجود نہیں۔ اسلئے ہذا کا معنی حقیقی لینا مناسب ہے۔ [3] باب اول کتاب ہذا۔ فقرہ ۱۱۔ [4] مشکوۃ کتاب العلم صحیحین بخاری کتاب العلم ص ۱۸۔

کو پہنچاتے ہیں۔ اُن میں قاسم علی الاطلاق کا ہاتھ لازمی طور ہوتا ہے۔ کوئی فرشتہ کوئی
ولی۔ کوئی ابدال کوئی مجدد کائینات عالم میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا جب تک کہ قاسم
مطلق یعنی تصرفات خیر کا رب الارباب۔ اور عطیات صلاح کا واسطۃ الاوساط
منظوری نہ دے۔ صحیحین کی ایک مشہور حدیث ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مجھے
جوامع الکلم کیساتھ مبعوث کیا گیا۔ مجھے رعب سے مدد دیگئی۔ اور میں نے خواب کی حالت
میں دیکھا کہ میرے پاس دنیا کے خزانے لائے گئے۔ اور میرے ہاتھ میں رکھدیئے گئے[1]
یہ حدیث بھی اوپر کی حدیث کی موید ہے۔ ان دونوں کو ملا کر پڑھنے اور خاتم النبیین
اور رحمۃ للعالمین کے مضمون کو زیر نظر رکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ
آپکی روح عظمیٰ کی حالت حیات وممات میں ایک جیسی ہے۔ بلکہ آپکی برزخی حیات
دنیاوی حیات سے بھی اتم واکمل ہے۔ جیسا کہ ہر ایک روح کی برزخی حیات اتم و
اکمل ہوتی ہے۔ دنیا میں جو کچھ بھی خیر وصلاح سے سرانجام کو پوہنچتا ہے۔ وہ حق تعالےٰ
کے عطیات سے ہیں۔ خواہ وہ عطیہ زندوں سے متعلق ہو۔ خواہ مردوں سے۔ خواہ
فرشتوں سے خواہ آسمان سے خواہ زمین سے خواہ کسی اور سے۔ جس جس شئے سے عطیہ حق
کا تعلق ہے۔ اس اس شئی سے قاسمیت رسول کا بھی تعلق ہے۔ پس عالم صلاح وخیر
میں جو کچھ لیا دیا جاتا اور وقوع میں آتا ہے۔ وہ آپکی صفت قاسمیت کی وساطت کے
بغیر وقوع میں نہیں آتا۔ جو جو احکام تصرفات وواقعات عالم خیر کے عرش اللہ سے
صادر ہوتے ہیں۔ وہ پہلے اس اصول کے مطابق دیوان رسالت میں پہنچتے ہیں۔ اور
پھر اسکے بعد وہ تصرفات کے موکلوں کے ذریعہ عالم ظہور میں آتے ہیں۔ اس سے رسالت
کبریٰ کی شان ظاہر ہے۔ ان احکام کے جاری کرنے کیلئے فرشتے۔ خلیفے۔ مجدد۔ ابدال
عصائب۔ اوتاد۔ اقطاب۔ اخیار وغیرہ متعین ہیں۔ وہ انکے متعلق اپنا اپنا فرض

[1] مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین۔

ادا کرتے رہتے ہیں۔ یہ نظام حکومت وتصرف آپکی روح عظمیٰ وکبریٰ سے متعلق ہے
یہ ابتدائے آفرینش سے ہے۔ اور انتہائے آفرینش تک رہیگا۔ پس حق تعالیٰ کے احکام
خیر کا اجرائے رسول اعظم کی روح اقدس کے قبضۂ اقتدار میں ہے۔ اس مبحث پر خواجہ
اجمیری علیہ الرحمتہ شگرف آفرینی کا حق خوب ادا کرتے ہیں ؎

حکم سلطان جہاں در حکم و در فرمان ماست — از گزند حاجب تہدید درباں فارغیم
حاجبی اندر میان عاشق ومعشوق نیست — ما بجان واصلیم واز رقیباں فارغیم

اس مرتبہ عظیم۔ اس تصرف علیا کے سبب جو روح نبوی کو کائینات عالم میں حاصل ہے
ہزاروں فرشتے آپکی قبر مقدس کے گرد موجود رہتے ہیں۔ دارمی میں ہے۔ کہ ایک
دفعہ کعبؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں رسول اللہ صلعم کی بات
چل پڑی۔ کعب نے کہا کہ کوئی دن ایسا نہیں جبکہ ستر ہزار فرشتے نیچے نہ اُتریں۔ اور
رسول اللہ صلعم کی قبر کو گھیر کر اپنے پر نہ ماریں۔ اور رسول اللہ صلعم پر صلوٰۃ نہ بھیجتے
رہیں۔ جب شام ہوتی ہے تو یہ اوپر چلے جاتے ہیں۔ اور اُسی قدر اور نیچے اتر آتے ہیں۔ اور
وہ بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ یہ کیفیت اسوقت تک جاری رہیگی جب تک کہ آپکی
قبر حشر کے دن نہ کھلیگی۔ اسوقت آپ قبر سے باہر تشریف لائینگے۔ درحالیکہ
ستر ہزار فرشتے آپکو گھیرے ہوئے ہونگے[1] اس سے آپکی قبر کی فضیلت وبرتری دوسرے
مقامات پر ظاہر ہے۔ ایسے مقام پر ہزاروں فرشتوں کی موجودگی میں اپنے لئے دعا
مانگنا واقعی اسباب قبولیت سے ہے۔ جیسا کہ امام حسن بصری رضؓ نے فرمایا ہے[2]

۸ ــــ شیخ ابن تیمیہ کا خیال ہے کہ "آپکی حیات میں آپکے پیچھے نماز پڑھنا افضل ترین
عمل تھا لیکن وفات کے بعد جائز نہیں۔ کہ آپکی قبر کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔

[1] مشکوۃ۔ باب الکرامات [2] حصن حصین اماکن اجابت ص ۳۲ و ۳۳ درود پوہنچانے والے
فرشتے بھی قبر نبوی پر درود پوہنچاتے ہیں۔ انکی آمد رفت قبر نبوی پر جاری ہے۔

زندگی میں آپ سے استدعا ہوسکتی تھی۔ کہ حکم دیں۔ فیصلہ صادر کریں۔ لیکن اب وصال کے بعد یہ روا نہیں۔ امام مالکؒ وغیرہ علماء نے تو یہانتک کہہ دیا ہے کہ یہ کہنا بھی مکروہ ہے۔ کہ میں نے قبر نبوی کی زیارت کی۔ کیونکہ یہ لفظ وارد نہیں ہے۔ اس سے اکثر بدعتی زیارت مراد لی جاتی ہے۔ جو شرک کی قسم سے ہے مثلاً اس ارادہ سے قبر کی زیارت کی جائے کہ خود اہل قبر سے دعا کی جائے۔ یا اسکے پاس دعا کو افضل سمجھا جائے"[لہ] اس عبارت سے ذیل کی باتیں پائی جاتی ہیں۔

اول ۔ یہ کہنا بھی مکروہ ہے کہ میں نے قبر نبوی کی زیارت کی۔

دویم ۔ اس ارادہ سے قبر کی زیارت کرنا کہ اہل قبر سے دعا کی جائے۔ یا اس کے واسطہ سے دعا کی جائے۔ یا اسکے پاس دعا کو افضل سمجھا جائے۔ شرک کی قسم سے ہے۔

سویم ۔ اب آپ سے نہیں کہہ سکتے۔ کہ اس بارہ میں حکم صادر کریں۔ فیصلہ دیں اگر آپ کی زندگی میں ایسا ہوتا تھا۔ امر اول کے متعلق اسقدر کہنا کافی ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زورہا" کا حکم دے کر زیارت کی اصطلاح قائم کر دی۔ رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کنتم نھیتکم عن زیارۃ القبور۔ ان الفاظ کی موجودگی میں یہ قول کہ قبر نبوی کی نسبت زیارۃ کا لفظ بھی استعمال کرنا مکروہ ہے۔ حدیث بالا کے سراسر مخالف ہے۔ خواہ یہ قول شیخ ابن تیمیہ کا ہو۔ یا امام مالک کا یا کسی اور کا۔ جب زیارۃ کا لفظ عام مومنین کی قبروں کی نسبت خود رسول اللہ صلعم نے استعمال کیا۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہ لفظ آپکی قبر کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ بلکہ قبر نبوی کیلئے اس لفظ کا استعمال بطریق اولیٰ جائز ہے۔ اس کے متعلق پہلے بھی تفصیل سے بحث ہوچکی ہے۔ دیکھو فقرات ۴ و ۵ باب ہذا۔

لہ کتاب الوسیلہ۔ ص ۲۴۷ و ۲۴۸

امر دویم کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جناب رسول اللہ صلعم پر ہر وقت اور ہر جگہ درود بھیجا جاسکتا ہے۔ اور اُسکا جواب بھی لیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح چونکہ تزکیہ کا عمل تاقیامت آپکے سپرد ہے اسلیئے آپ سے دعا بھی ہوسکتی ہے[لہ] اسی طرح آپکی ذات کے وسیلہ سے بھی دعا ہوسکتی ہے۔ اور آپکی قبر کے پاس دعا مانگنی بھی اجابت دعا کے اسباب سے ہے۔ ان امور کے متعلق اوپر بھی اور گذشتہ ابواب میں بھی کافی سے زیادہ بحث ہوچکی ہے لہ پس اس ارادہ سے بھی قبر کی زیارت جائز ہے۔ اور یہ کسی طرح بھی شرک میں داخل نہیں۔ یہ زیارت شرک ہو سکتی ہے جبکہ رسول کو خدا برابر سمجھکر آپکی قبر کی عبادت کی جائے۔ وہاں دعا کی استدعا بھی شرک میں داخل ہوسکتی ہے۔ اگر رسول کو دعا کے قبول کرنے کا اصل فاعل سمجھا جائے۔ حالانکہ اصل فاعل خدا ہے۔ اور رسول اجابت کا مشروع واسطہ ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ دیکھو باب دوئم کتاب ہذا

فقرہ ۱۵ ۔

امر سوئم۔ جو کچھ احکام اپنی امت کو آپنے دینے تھے۔ وہ دیدیئے۔ اُن کا ریکارڈ قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ اب مزید احکام و نواہی کی ضرورت مفقود ہے۔ کیونکہ دین کی تکمیل اور نعمت کا اتمام ہوچکا ہے۔ آپ اپنی زندگی میں قاضی کے فرائض بھی بجالاتے تھے۔ آپکی وفات کے بعد یہ کام قضا کا دوسرے بھی کرسکتے ہیں۔ اور ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ لیکن جو کام آپکے سپرد ہے۔ یعنی افراد امت کے تزکیہ کا وہ آپکے سوا کسی دوسرے سے نہیں بن پڑتا۔ اسلیئے اس ایک بات کا قیاس اس دوسری بات پر نہیں ہوسکتا۔ اور یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔

لہ۔ دیکھو فقرات ۵ ۶ و ۷۔ باب ہذا۔

۹ ـــــ شیخ ابن تیمیہ آگے چل کر یہ لکھتے ہیں۔ کہ "زیارت کی دوسری قسم بدعتی ہے۔ اور یہ وہ ہے جس سے غرض مردہ سے منت ماننا۔ دعا چاہنا۔ شفاعت طلب کرنا۔ یا براہ راست خدا سے یہ سمجھ کر کہ اس قبر کی بزرگی کی وجہ سے دعا قبول ہوگی دعا کرنا ہوتا ہے۔ اس قسم کی تمام زیارتیں اسباب شرک سے ہیں۔ اور جب انبیاء و صالحین کی قبروں پر نماز پڑھنا ان سے دعا کرنا یا وہاں دعا کو بہتر جاننا بھی حرام ہے۔ اور خدا کے غضب و لعنت کا مورد بنتا ہے۔ جیسا کہ "فرمایا" اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیاءھم مساجدًا۔ تو اس شخص کا کیا حال ہوگا۔ جو مردوں سے دعا کرتا اور انکی قبروں کے پاس دعا کو بہتر جانتا اور اسی دعا کے قبول ہونے اور مرادوں کے برآنے کا ذریعہ سمجھتا ہے[لے] اس عبادت سے قبیل کی باتیں اخذ ہوتی ہیں۔

اول ـ مردہ سے منت ماننا۔ دعا چاہنا۔ شفاعت طلب کرنا۔ یا قبر کو متبرک اور بزرگ سمجھکر اُنکے نزدیک دعا کی مقبولیت کا اعتقاد رکھنا اسباب شرک سے ہے۔

دوئم ـ جب نبیوں اور نیک بندوں کی قبروں پر نماز پڑھنا حرام ہے۔ تو پھر مردوں سے دعا مانگنا اور اُنکی قبروں پر دعا کو بہتر جاننا اور اُسے مرادوں کے برآنے کا ذریعہ سمجھنا حرام ہے۔

پہلی بات کی نسبت پہلے بھی مفصل بحث ہو چکی ہے۔ یعنی کہ نبی سے دعا کی خواستگاری جائز ہے۔ خواہ وہ بقیدِ حیات ہوں۔ یا نہ کیونکہ ان کے ذمہ تزکیہ کا جو کام سپرد ہے۔ وہ اُنکی دعا سے ہی سرانجام پاتا ہے۔ اور وہ اپنی امت کے افراد کیلئے دعا مانگتے رہتے ہیں[علہ] آپکی قبر کے نزدیک دُعا کی مقبولیت کو امام

[لے] کتاب الوسیلہ ص ۴۷ و ص ۳۵ [علہ] دیکھو باب اول کتاب ہذا۔

حسن بصریؒ نے بھی تسلیم کیا ہے جیسا کہ حصن حصین میں مذکور ہے۔ اور یہ بھی درست۔ کیونکہ آپ قبر کے پاس دعا و سلام کو سنتے اور اسکا جواب دعا و سلام سے دیتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے بیان ہو چکا ہے[لے] دوسری بات کی نسبت یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ قبروں پر نماز پڑھنے کیلئے نص صریح موجود ہے۔ اسلئے ایسا کرنا ممنوع ہے۔ کیونکہ اس سے قبر معبد بن جاتی ہے۔ لیکن نبی کی قبر پر کھڑے ہوکر دعا مانگنا ممنوع نہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔ اسلئے اس ایک بات کو اس دوسری بات پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ نذروں کے متعلق باب چہارم میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو اعتقاد - ۳ -

۱۰ ـــــ شیخ ابن تیمیہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ "سب نے یہی کہا ہے کہ مسجد نبوی میں رسول اللہ صلعم پر سلام کے بعد اگر اپنے لئے دعا کا ارادہ ہو۔ تو قبلہ کی طرف رخ کرنا چاہئے۔ نہ کہ آپکی قبر کیطرف۔ ہاں سلام اور آپکے لئے دعا کرتے وقت قبر شریف کیطرف رخ کرنا چاہئے۔ یہی قول اکثر علماء مثل مالک (فی احد الروایتین) اور شافعی و احمد وغیرہم کا ہے۔ اور اصحاب ابو حنیفہ تو سلام کے وقت بھی قبر کیطرف رخ کرنے کو منع کرتے ہیں۔ لیکن ہر حال میں ثابت ہے۔ کہ امام مالک نے قبر کے پاس زیادہ دیر کھڑے ہونیکو مکروہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض نے مبسوط میں مالک سے نقل کیا ہے کہ میرے نزدیک قبر نبوی پر کھڑے ہو کر دعا نہ کرنا چاہئے۔ لیکن سلام کر کے ہٹ آنا چاہئے۔ کیونکہ نافع کہتے تھے کہ ابن عمر کو میں نے سیکڑوں مرتبہ دیکھا۔ کہ قبر مبارک پر آتے۔ اور کہتے نبی صلعم پر سلام ابو بکر پر سلام۔ میرے باپ پر سلام۔ پھر چلے جاتے[علہ] دوسری جگہ شیخ موصوف لکھتے ہیں کہ ابن حبیب نے اور دوسرے لوگوں نے ذکر کیا ہے۔ کہ مالک نے مبسوط

[لے] باب دوئم کتاب ہذا [علہ] کتاب الوسیلہ ص ۱۱۰

میں کہا ہے کہ اہل مدینہ میں سے جو کوئی مسجد کے اندر آئے۔ یا باہر نکلے اس کے لئے قبر پر کھڑا ہونا ضروری نہیں۔ یہ صرف پردیسیوں کیلئے ہے۔ نیز مبسوط میں مالک کا یہ قول بھی ہے کہ سفر پر جانے اور سفر سے لوٹنے والے کیلئے کوئی مضائقہ نہیں اگر قبر اطہر پر کھڑا ہو کر رسول اللہ پر درود بھیجے اور ابوبکر اور عمر کیلئے دعا کرے۔ لوگوں نے کہا کہ مدینہ کے بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو بغیر کسی سفر کے بھی ایسا کرتے ہیں۔ کبھی دن میں ایک مرتبہ کبھی اس سے بھی زیادہ مرتبہ بعض جمعہ میں ایک مرتبہ بعض اور دنوں میں ایک دو اور کئی کئی دفعہ قبر پر کھڑے ہوتے۔ سلام کرتے۔ اور دیر تک دعا کرتے رہتے ہیں امام مالک نے جواب دیا۔ اپنے اس شہر کے اہل فقہ سے مجھے اس طرح کی کوئی بات نہیں پہنچی۔ اسکا ترک وسیع ہے۔ اس امت کا آخر بھی اس چیز سے درست ہوگا جس سے اس کا اول درست ہوا ہے مجھے اس امت کے اول سے نہیں پہنچا ہے۔ کہ کوئی ایسا کرتا ہو۔ یہ صرف سفر پر جانے اور سفر سے آنے والوں کیلئے مباح ہے۔ اور مدینہ کے باشندوں کیلئے مکروہ ہے[1]

شیخ ابن تیمیہ کی تقاریر بالا سے ذیل کی باتیں نکلتی ہیں۔

اول ۔ اصحاب ابوحنیفہ سلام کے وقت بھی قبر کی طرف منہ کرنے کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اپنے لیے دعا کیوقت تو قبر کی طرف بالکل منہ نہ کرنا چاہیے۔

دوئم ۔ امام مالک نے قبر نبوی پر زیادہ دیر ٹھہرنے یا کھڑے ہونے کو مکروہ قرار دیا ہے حضرت ابن عمر قبر نبوی پر جاتے اور سلام کر کے ہٹ آتے۔ کسی ولی کی نسبت مروی نہیں کہ وہ قبر کے پاس دیر تک ٹھہرا ہو۔

سوئم ۔ قبر نبوی پر ٹھہرنا صرف پردیسیوں کیلئے ضروری ہے۔ ہر روز یا جمعہ کے دن یا ہفتہ میں بار بار قبر نبوی پر کھڑے ہونا اہل مدینہ کیلئے مکروہ ہے۔

[1] الصیلہ ص ۱۱۰ و ۱۱۱

امر اول۔ اس قول کا کوئی حوالہ علامہ نے پیش نہیں کیا ہے۔ کہ اصحاب ابوحنیفہؒ قبر کیطرف منہ کر کے سلام کرنے سے منع کرتے تھے۔ اور اگر یہ بات درست بھی ہو جب بھی یہ اصحاب ابوحنیفہ کی زبردستی ہے۔ کیونکہ آئمہ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ سلام میں خطاب رسول صلعم کیطرف ہوتا ہے۔ اور اس لیے منہ بھی آپکی طرف یعنی آپکی قبر کیطرف جہانکہ آپکی روح کی آمد و رفت ہے ہونا چاہیے۔ اگر قبر کیطرف منہ کرنا منع ہے۔ تو پھر اس اصول پر السلام علیک ایھا النبی کہنا بھی ممنوع ہونا چاہیئے۔ حالانکہ لاکھوں کروڑوں بار دن میں اسطرح آپ پر سلام بھیجی جاتی ہیں۔ اور کوئی خیال نہیں کر سکتا کہ ایسا کرنا ناجائز ہے۔ حدیثوں سے ثابت ہے۔ کہ جب آپکی قبر کے پاس درود وسلام کہی جائے تو آپ سنتے ہیں۔ تو پھر قبر کیطرف منہ کر کے سلام و درود بھیجنے میں کونسی قباحت ہے۔ قباحت اگر ہے تو صرف اس بات میں کہ آپکی قبر کو معبد یا مسجد نہ بنایا جائے۔ اور قبر کیطرف منہ کرنے سے قبر معبد یا مسجد نہیں بن جاتی۔ اس لئے یہ اعتراض جو اصحاب ابوحنیفہ کیطرف منسوب کیا گیا ہے۔ بے معنی ہے ایسے ہی اگر کوئی اپنے لئے قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرے تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ دعا کرنے والا رسول کو نعوذ باللہ خدا یا خدا برابر سمجھتا ہے۔ بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کو جب درود وسلام کے ذریعہ درود وسلام بھیجنے والے کیلئے بھیجی جاتی ہے۔ تو آپ بھی درود وسلام[1] ایسی صورت میں قبر کیطرف منہ دعا کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیثوں سے ثابت ہے۔ کرنا ممنوع نہیں۔ کیونکہ منہ کرنے سے مقصود منہ کرنے والے کا یہی ہوتا ہے کہ اسکے حق میں رسول اللہ صلعم خواہی دعا کریں۔ اگر اس سے کچھ زیادہ مقصود ہو یعنی کہ آپکی قبر مسجد یا معبد بننے کے لائق ہے۔ یا یہ کہ آپ خدا کی سی طاقت و قوت رکھتے ہیں

[1] مشکوۃ باب الصلوۃ علی النبی صلعم۔ ابو داؤد

تو یہ شرک ہے۔ اور کوئی ذی ہوش آدمی دعا کیوقت آپکی قبر کیطرف رخ کرنے یہ حرزد نہیں لے سکتا۔ جو لوگ قبرِ نبویؐ کے پاس اپنے لئے دعا مانگتے ہیں۔ وہ نابینا والی دعا کیطرح روح نبوی سے توسل و تشفع کرتے ہیں۔ اس توسل اور تشفع کے وقت توجہ آپکی روح کیطرف ہونی چاہئے۔ لیکن اگر توسل کے بغیر دعا کرنے کا ارادہ ہو۔ تو پھر قبلہ کیطرف رخ کرنا مناسب ہے۔ جیساکہ اکثر آئمہ کی رائے ہے۔ توسل کے وقت ایھا النبی کہکر خطاب آپکی طرف ہوتا ہے۔ اس وقت رخ آپکی قبر کیطرف ہو۔ تو جایز ہے۔ اقی حصہ دعا میں رخ قبلہ کیطرف ہو۔ تو کوئی حرج نہیں لیکن اصحاب ابو حنیفہ کے قول سے جو تمسک شیخ ابن تیمیہ نے کیا ہے۔ کہ سلام کے وقت بھی منہ قبلہ کیطرف ہونا چاہیئے۔ درست نہیں۔ کیونکہ خود مست امام اعظم ہیں۔ حضرت ابن عمر سے ایک روایت موجود ہے۔ جسمیں درج ہے۔ کہ قبر کی طرف منہ کرنا افضل ہے۔ دیکھو فقرہ (۵) باب ہذا۔

امرِ دوئم۔ امام مالک کی طرف جو بات منسوب کی جاتی ہے۔ اسکے لئے شیخ ابن تیمیہ نے کوئی حوالہ کتاب کا نہیں دیا۔ شیخ موصوف کا یہ خیال کہ کسی صحابی کی نسبت یہ مروی نہیں کہ وہ دیر تک قبر نبوی کے پاس ٹھہرا ہو محض خیال ہی خیال ہے۔ شیخ موصوف کی یہ رائے ہے۔ کہ قبر پر جاکر سلام و درود پڑھکر تھوڑا ہٹ آنا چاہیئے۔ جیساکہ حضرت ابن عمر کیا کرتے تھے۔ معاذ بن جبل بڑے صحابی اور بڑے فقیہ تھے۔ اُن کی نسبت حضرت عمر ابن خطاب روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن مسجد نبوی کی طرف گیا۔ تو وہاں اُن کو قبر نبوی پر بیٹھے اور روتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے وہ بات رلاتی ہے۔ جو میں نے رسول اللہ صلعم سے سنی۔ آپ فرماتے تھے کہ تھوڑا اساریا بھی شرک ہے۔ الخ [۱]

ع۱ مشکوۃ باب الریا والسمعۃ ابن ماجہ ص ۳۵۷

شیخ ابن تیمیہ کے ہم چشم اس حدیث کو ذرا غور سے پڑھ لیں۔ اور دیکھیں کہ معاذ بن جبل جیسے جلیل القدر صحابی نے کیوں اسقدر عرصہ قبر نبوی پر ٹھہرنا جائز سمجھا۔ اور پھر حضرت عمر جیسے جلیل القدر صحابی نے اس پر کیوں اعتراض نہ کیا۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ رونے کیلئے ٹھہرنا جائز ہے۔ اور دعا کیلئے ٹھہرنا ناجائز ہے؟

اسی طرح حضرت بلال کے تذکرے میں ہے[۱]۔ کہ انکو رسول اللہ صلعم نے خواب میں کہا کہ ہماری زیارت کیلئے آؤ۔ چنانچہ حضرت بلال صبح اٹھتے ہی مدینہ چل پڑے۔ اور قبر نبوی پر حاضر ہوئے۔ اور وہاں قبر پر منہ رکھکر روتے رہے اسی اثنا میں حضرت حسنینؓ بھی قبر اقدس پر حاضر ہوئے۔ اور پھر وہاں کچھ وقت ٹھہر کر تینوں حضرات واپس چلے آئے۔ اگر اہل مدینہ کے لئے قبر نبوی پر جانا اور اوروں کیلئے وہاں ٹھہرنا ناجائز ہوتا تو پھر حضرت بلال جیسے جلیل القدر صحابی ہرگز نہ ٹھہرتے۔ اور قبر اقدس پر منہ رکھکر نہ روتے رہتے۔ اور پھر فرزندان رسول اور ابا ایبن جیسے بلند مرتبہ صحابی مدینہ میں ہوتے ہوئے قبر نبوی پر ہرگز نہ جاتے۔ اور حضرت بلال کے اس قدر عرصہ وہاں ٹھہرنے پر ضرور معترض ہوتے شیخ ابن تیمیہ کے ذہن سے یہ بات بھی اُتر گئی ہے۔ کہ قبر کے سر کیطرف قرآن پڑھنا مشروع ہے۔ جیساکہ شعب الایمان بیہقی اور طبرانی وغیرہ کی روایتوں سے پایا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب کوئی تم میں سے فوت ہو تو اسے نہ روکو۔ بلکہ اُسے جلدی قبر کیطرف لے جاؤ۔ اور اسکے سر کیطرف سورۃ فاتحہ بقرہ اور پاؤں کیطرف خاتمہ بقرہ پڑھو[۲]۔ اس سے ظاہر ہے کہ قبر کے پاس قرآن

ع۱ اسد الغابہ تذکرہ حضرت بلال مؤذن رسول اللہ صلعم ع۲ مشکوۃ باب دفن المیت۔

قرآن پڑھنے کی نیت سے ٹھہرنا اور وہاں ٹھہر کر قرآن پڑھنا مشروع ہے۔ ایسی صورت میں
کوئی کس طرح کہ سکتا ہے کہ قبر نبوی پر سلام کہ کر فوراً ہی ہٹ آنا چاہیئے۔ برخلاف اسکے
جو آثار و احادیث اوپر مذکور ہوئے ہیں۔ اُن سے ذیل کی باتیں مستنبط ہوتی ہیں۔

اول۔ قبر نبوی پر حاضر ہونا اور بے اختیاری محبت کی وجہ سے رونے کے سلسلے میں ٹھہرنا جائز ہے۔

دوئم۔ قبر نبوی پر ٹھہرنا۔ اور ایک دوسرے سے ملنا اور باتیں کرنا جسمیں کچھ نہ کچھ وقت لگتا ہے۔ جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت بلال اور حضرات حسنین نے کیا تھا۔

سوئم۔ قبر نبوی پر قرآن پڑھنے کیلئے ٹھہرنا جائز ہے۔ بلکہ اس غرض کیلئے اگر کوئی زیادہ عرصہ بھی ٹھہرے۔ جب بھی جائز ہے۔ کیونکہ قبر پر قرآن پڑھنا مشروع قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر کی روایت سے ظاہر ہے۔

چہارم۔ قبر نبوی پر درود شریف پڑھنے۔ اور دعا کرنے کی غرض سے ٹھہرنا جائز ہے۔ کیونکہ حدیثوں سے ثابت ہے۔ کہ جو کوئی آپکی قبر کے پاس آپ پر درود پڑھے آپ اُسے سنتے ہیں۔ اس سے اشارہ اس بات کا ہے کہ آپکی قبر پر جاکر درود پڑھنا مشروع اور بہتر ہے۔ اور اس پر صحابہ کا عمل بھی پایا جاتا ہے۔ وہاں اپنے لئے دعا کرنا اور رسول اللہ صلعم کا توسل لینا جائز ہے۔ جیسا کہ باب دوئم میں بیان کیا گیا ہے۔

پنجم۔ قبر پر جاکر اہل قبر کیلئے دُعا کرنا مشروع ہے۔ جب یہ مشروعیت تمام قبور کی نسبت ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ قبر نبوی پر جاکر دُعا کرنا مشروع نہ ہو۔ پس اس قسم کی تمام باتوں کیلئے قبر نبوی پر جانا اور ٹھہرنا جائز ہے۔ اس پر اگر کوئی اعتراض کرے۔ تو یہ اسکی آثار و احادیث سے عدم واقفیت کا ثبوت ہے۔ بات یہ ہے کہ ایسی تفصیل باتوں کیلئے احادیث و آثار کا بکثرت ملنا قریباً محال ہے۔ اور یہ حُسن اتفاق کی بات ہے کہ کہیں کہیں ایسی سند حدیثوں سے مل جاتی ہے۔ مگر

ہمیں تو ہر فعل اور ہر کام کا نتیجہ سوچ لینا چاہیئے۔ اگر کوئی قبر نبوی پر دیر تک اسلئے ٹھہرتا ہے۔ کہ وہ اسے معبد سمجھتا ہے۔ تو پھر ایسا کرنا کفر ہے۔ لیکن اگر کوئی فرط حُب کیوجہ سے قبر کے پاس ٹھہرتا۔ اور وہاں سلام و درود پڑھتا۔ دعا کرتا اور قرآن پڑھتا ہے تو پھر ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ نتیجہ اعمال کا نیتوں پر ہے۔ قبر نبوی پر ٹھہرنے کے متعلق ایک عام حکم بلا سند قائم کرنا درست نہیں۔ اگر امام مالک یا کوئی اور بڑے سے بڑا امام بھی کوئی ایسی بات کہ جائے جس کیلئے کوئی سند موجود نہ ہو۔ تو ہم ایسا قول قبول کرنے کیلئے تیار نہیں بالخصوص اس صورت میں جبکہ اسکے مقابل ہم کو کوئی حدیث یا اثر مل جائے۔ جیسا کہ یہاں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت بلال کے متعلق صورت پائی گئی ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ امام مالک رح مبسوط میں یہ لکھتے ہیں۔ کہ میں نہیں دیکھتا کہ کوئی قبر نبوی کے پاس ٹھہرے اور دعا کرے۔ بلکہ سلام کرے اور چلا جائے[1] یہ گویا امام مالک کی اپنی رائے ہے۔ اور محض رائے ہے۔ بیان ہی امام مالک کی نسبت یہ مروی ہے۔ کہ جب نبی صلعم پر درود پڑھے اور دعا کرنے اور ٹھہرے تو اسکا منہ قبر کی طرف ہو۔ نہ کہ قبلہ کیطرف اور نزدیک آئے اور سلام کہے لیکن قبر کو ہاتھ سے نہ چھوئے[2] یہ روایت پہلی روایت کے کچھ مخالف معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں یقف کے لفظ سے یہ اشارہ ہے کہ قبر کے پاس ٹھہرنا جائز ہے۔ تاکہ کوئی وہاں ٹھہر کر درود پڑھ سکے اور پہلے قول میں لا اری کا لفظ ذاتی خیال کا حوالہ پیش کرتا ہے۔ پس یہ کسطرح ہو سکتا ہے کہ امام موصوف نے قبر کے پاس دعا کیلئے ٹھہرنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عمر کیطرف یہ بات جو منسوب کیگئی ہے کہ وہ سلام کے بعد فوراً ہی ہٹ آتے تھے۔ درست نہیں کیونکہ خود موطا میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت ابن عمر قبر نبوی کے پاس ٹھہرتے۔ نبی صلعم

[1] لا اری ان یقف عند قبر النبی صلعم یدعو ولکن یسلم ویمضی شفاء قاضی عیاض جلد ۲ باب حکم زیارت قبر النبی صلعم

[2] وقال مالک فی روایۃ ابن وہب اذا سلم علی النبی صلعم ودعا یقف ووجہہ الی القبر لا الی القبلۃ ویدنو ویسلم ولا یمس القبر بیدہ شفاء جلد ۲ ص

اور شیخین کو سلام کرتے - اور شیخین کے لئے دعا کرتے یہ اس روایت میں یہ کہیں بھی نہیں - کہ آپ فوراً ہی پیچھے ہٹ آتے تھے - حضرت ابن عمر کو مرتبہ رسول کا اسقدر ادب تھا - جو کسی اور کو مشکل ہوگا - آپ جب مسجد نبوی میں داخل ہوتے - تو رسول اللہ صلعم کے ممبر پر بیٹھنے کی جگہ پر ہاتھ پھیرتے اور پھر وہ ہاتھ اپنے منہ پر ملتے تھے [۵۲] قاضی عیاض لکھتے ہیں جیسا کہ اسحٰق بن ابراہیم فقیہ کی رائے ہے - کہ رسول اللہ صلعم کے روضہ کو - آپکے ممبر کو آپکی قبر کو - آپکے بیٹھنے کی جگہ کو - آپکے ہاتھوں کی چھوئی چیزوں کو - آپکے قدموں سے لگی ہوئی چیزوں کو - اور اس ستون کو جس سے آپ خطبے کیوقت سہارا لیتے تھے دیکھنے سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے [۵۳] ایسی صورت میں قبر نبوی کے پاس ٹھہرنا اور اسکے دیکھنے سے تبرک حاصل کرنا اور پھر وہاں درود و سلام پڑھتے رہنا - یا دعا کرنا یا قرآن پڑھنا کہاں کی قباحت ہے - ہاں اگر قباحت ہے - تو صرف ان لوگوں کے نزدیک جو کمالات رسالت و ولایت سے نابلد ہیں - اور ایسے نااہل لوگوں سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں -

امر سوئم - اسکی نسبت شفا قاضی عیاض کی عبارت یہ ہے جس میں امام مالک کا قول بھی درج ہے "مالک نے مبسوط میں کہا ہے - کہ جو اہل مدینہ سے مسجد نبوی میں داخل ہوں یا اس سے نکلیں - ان کیلئے قبر نبوی پر ٹھہرنا لازم نہیں - یہ تو مسافروں کیلئے لازم ہے - اور امام مالک مبسوط میں ہی کہتے ہیں - کہ جو شخص سفر سے آئے یا سفر کو نکلے اسکے لئے قبر نبوی کے پاس ٹھہرنا رسول صلعم پر درود بھیجنا - اور ابوبکرؓ و عمرؓ کیلئے دعا کرنا ممنوع نہیں - امام موصوف سے کہا گیا ہے - کہ اہل مدینہ کے لوگ نہ تو سفر سے آتے ہیں - اور نہ سفر کا ارادہ رکھتے ہیں - مگر وہ دن میں ایک یا زیادہ بار ایسا کرتے ہیں اور ایسا اوقات وہ جمعہ کے روز یا دیگر ایام میں ایک یا دو یا زیادہ بار قبر کے پاس ٹھہرتے سلام بھیجتے - اور دعا کرتے ہیں - تو امام نے کہا کہ ہمارے شہر میں جو اہل فقہ

[۵۲] شفاء قاضی عیاض جلد ۲ - ص ۷۰ [۵۳] شفاء جلد ۲ - ص ۷۰ [۵۴] شفا جلد - ص ۶۹ -

ہیں - اُن میں سے کسی سے مجھے یہ بات نہیں پونچی ہے - اسکا ترک وسیع ہے - یہ رائے امام مالک کی اس لئے ہے کہ قبر نبوی کو معبد یا مسجد نہ بنایا جائے - اور اسکی بے حرمتی اور سوء ادبی نہ ہو اور لوگ وہاں خوشیاں منانے کیلئے نہ ٹھہریں - لیکن اگر ایسا احتمال موجود نہ ہو - تو پھر قبر نبوی کی زیارت ممنوع نہیں - خواہ کبھی کبھی ہو خواہ بار بار - ساتھ ہی اسکے امام مالکؒ یہی کہتے ہیں - کہ انکو انکے شہر کے کسی فقیہ سے یہ بات نہیں پونچی ہے - لیکن اگر اُن کو کوئی بات پونچ جاتی تو پھر وہ اپنی رائے سے رجوع کرتے - معلوم ہوتا ہے - کہ امام مالک کو حضرت معاذ بن جبل اور حضرت بلال والی حدیثیں نہیں پونچی تھیں - اگر انکو یہ حدیثیں پونچتیں - تو وہ فوراً اپنی رائے کو بدل لیتے - اور اس طرح کی کوئی بات نہ کہہ جاتے - شیخ ابن تیمیہ جیسے فقیہ اور مجتہد کو ایسے اختلافی مسئلوں میں لکیر کا فقیر نہ بننا چاہئے - ایسی فروعی باتوں میں بڑے بڑے امام غلطیاں کر جاتے ہیں اور انکی ایسی غلطیاں اجتہادی ہوتی ہیں - ان غلطیوں کا حال اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں - تو اصول فقہ کی کتابیں اٹھا کر پڑھیئے - یا کم از کم ہدایہ فقہ کو ایک نظر دیکھ لیجیئے - کبار آئمہ تو ظاہر شریعت کے معاملات میں بھی غلطیاں کر جاتے تھے - یہ معاملہ قبر نبوی کے پاس ٹھہرنے کا تو برزخ کا ہے جسکے حالات پر خفا کا پردہ پڑا ہوا ہے - اور ان حالات سے وہی لوگ واقفیت حاصل کر سکتے ہیں - جنہیں کشف قبور کا مرتبہ حاصل ہو اور یہ مرتبہ مشکل کسی عالم ظاہر کو حاصل ہوا ہوگا - جیسا کہ ایسے لوگوں کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے - مثال کے طور میں ایک مسئلہ پیش کرتا ہوں - مسئلہ یہ ہے - کہ کیا قرآن پڑھنے کا ثواب میت کو پونچتا ہے - امام شافعیؒ کی رائے میں نہیں پونچتا - باقی آئمہ ثلاثہ کی رائے میں پونچتا ہے - امام احمد حنبل کا بھی پہلے یہی خیال تھا کہ قرئت کا ثواب میت کو نہیں پونچتا - لیکن جب انکو اسکے متعلق اثر کا پتہ لگا تو انہوں نے اپنی اس رائے سے رجوع کیا اور مان لیا کہ قرآن کے پڑھنے کا ثواب میت

کو پہنچتا ہے۔ وہ اثر یہ ہے حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ تم میں سے کوئی فوت ہو۔ تو اسے نہ روکو۔ بلکہ اسے جلد قبر کیطرف لے جاؤ۔ اور اسکے سر کیطرف خاتمۃ الکتاب پڑھو[1]۔ اسی طرح کی دوسری روایت طبرانی کی ہے[2]۔ پس حدیثوں اور عمل صحابہ کی موجودگی میں امام مالک کی ذاتی رائے پر کوئی حصر نہیں ہوسکتا۔ اور نہ اس رائے کیوجہ سے عمل بالحدیث ترک ہو سکتا ہے۔ شیخ ابن تیمیہ بھی ان حدیثوں سے ناواقفیت کیوجہ سے امام مالک کی رائے پر زور دیتے ہیں۔ الانسان عدو ما جھل۔ شیخ ابن تیمیہ امام مالک کی یہ رائے بھی پیش کرتے ہیں۔ کہ جو مدینہ سے سفر کو نکلے یا سفر سے آئے اسکے لئے قبر نبوی پر جانا اور وہاں ٹھہرنا ممنوع نہیں۔ لیکن مدینہ والوں کیلئے وہاں ٹھہرنا لازم نہیں۔ اور نہ ان کیلئے بار بار جانا جائز ہے۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت بلال میں ہے۔ کہ جب آپ شام سے تشریف لائے اور قبر نبوی پر حاضر ہوئے تو حضرات حسنین بھی وہاں پونچے۔ اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب بھی اسوقت وہاں سے گذرے۔ جبکہ معاذ بن جبل قبر نبوی پر بیٹھے رو رہے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل کو کون سا سفر درپیش تھا کہ وہ قبر پر گئے۔ اسی طرح حضرات حسنین کو کون سا سفر درپیش تھا جسکے لئے وہ اسی دن قبر پر حاضر ہوئے۔ جیسا کہ حضرت بلال حاضر ہوئے تھے۔ قبر نبوی پر بار بار حاضر ہونے کے متعلق خود شیخ ابن تیمیہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ نافع کہتے تھے کہ میں نے سینکڑوں مرتبہ حضرت ابن عمر کو قبر پر آتے دیکھا[3]۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا ہے کہ وہ ہر بار سفر سے آتے اور سفر کو نکلتے تھے۔ ان آثار و احادیث کی موجودگی میں ہمارے لئے کوئی چارہ نہیں۔ کہ شیخ ابن تیمیہ یا کسی اور امام کے

[1] و [2] طبرانی و شعب الایمان بیہقی کتاب شرح الصدور باب ما یقال عند الدفن والتلقین۔ مشکوۃ باب دفن المیت۔ [3] کتاب الوسیلہ ص ۱۰۹ و ۱۱۰۔

قول کو ترک کریں۔ کسی اثر یا حدیث کی موجودگی میں کسی بڑے سے بڑے امام کے قول سے تمسک جائز نہیں۔ اب ہم حضرت معاذ بن جبل۔ حضرت عمر بن الخطاب حضرات حسنین۔ حضرت بلال اور حضرت ابن عمر کے عمل کی پیروی کریں۔ یا امام مالک یا شیخ ابن تیمیہ کے قول کو سامنے رکھیں۔ ان آثار کیساتھ احادیث ذیل بھی رکھیے۔ طبرانی اور سنن بیہقی میں ہے۔ کہ جسنے حج کیا۔ اور پھر میری قبر کی زیارت کی۔ وہ اس شخص کیطرح ہے۔ جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی[1]۔ شعب الایمان بیہقی اور کامل ابن عدی میں ہے کہ جسنے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوئی[2]۔ شعب الایمان بیہقی میں ہے۔ کہ جسنے ثواب کے خیال سے مدینہ میں میری زیارت کی۔ اس کیلئے میں قیامت کے دن شہید اور شفیع ہونگا[3]۔ طبرانی میں ہے۔ کہ جو میرے پاس زائر کی حیثیت میں آئے۔ اور اسکا ارادہ صرف میری زیارت کا ہو۔ تو مجھ پر واجب ہے کہ میں قیامت کے دن اسکا شفیع بنوں[4]۔ مسند ابو داود الطیالسی اور سنن بیہقی میں ہے۔ کہ جس نے بعد موت کے میری زیارت کی۔ اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی الخ[5]۔ شعب الایمان بیہقی میں ہے کہ کہ جس نے قصداً میری زیارت کی۔ وہ قیامت کے روز میری ہمسائیگی میں ہوگا[6]۔ شیخ ابن تیمیہ ان حدیثوں کی نسبت یہ کہہ کر جھگڑا چکا دیتے ہونگے۔ کہ یہ سب ضعیف ہونگی۔ لیکن اسناد پر جرح و قدح کئے بغیر ایسا قول مدلل اور قابل قبول نہیں ہوسکتا اسلئے لازمی طور پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ ان حدیثوں سے بھی ظاہر ہے کہ قبر نبوی کی زیارت قربات و عبادات سے ہے۔ اور جب صورت یہ ہے تو پھر قبر نبوی کی بار بار زیارت کسطرح غیر مستحسن ہے۔ قبر نبوی کی نسبت جو امتناع شرعی

[1] و [2] و [3] منتخب جلد ۲ ص ۳۹۲۔ فصل فی زیارۃ قبرہ صلعم۔ [4] [5] و [6] منتخب جلد ۲۔ ص ۳۹۲۔

واقع ہوا ہے - وہ صرف اسقدر ہے - کہ قبر کو مسجد معبد یا عید نہ بنایا جائے عید کے مفہوم پر استدلال کر کے امام مالک یا شیخ ابن تیمیہ کی رائے ہوگی - کہ قبر نبوی کی زیارت کثرت سے یا بار بار نہ ہو - عید کا مفہوم مختلف طور ادا کیا گیا ہے - جیسا کہ اوپر مذکور ہوا[1] اور جیسا کہ مجمع البحار ہے[2] ایک یہ کہ عید کا سا اجتماع ہو - دوسرے یہ کہ عید کا سا سرور و انبساط ہو - تیسرے یہ کہ اس کثرت سے ہو - کہ اس سے زیارت کا مقصد فوت ہو - اور زائرین کے دلوں سے نبی صلعم کی حشمت و عزت اٹھ جائے تیسرے مفہوم کی وجہ سے شیخ ابن تیمیہ اس امر کی قید لگاتے ہیں - کہ زیارت ہفتہ میں بار بار اور ہر روز نہ ہو - یہ قید بے معنی ہے - کیونکہ حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے - کہ زیارت اسقدر بالتواتر نہ ہو - کہ اس سے رفع حشمت اور سوء ادب واقع ہو - پس اسبات پر زور دینا کہ اہل مدینہ کیلئے زیارت کرنا اور قبر کے پاس ٹھہرنا مناسب نہیں - اور کہ ان کیلئے بار بار قبر کی زیارت کرنا جائز نہیں - ایک بے دلیل اور کمزور بات ہے - ان کیلئے صرف اسقدر واجب ہے کہ قبر نبوی کی زیارت اس تواتر سے نکریں کہ انکے دل سے عزت و عظمت رسول اٹھ جائے - اور یہی قول فیصل ہے - اور یہی امام مالک کے قول کا مآل ہو سکتا ہے -

۱۲ —— شیخ ابن تیمیہ کا خیال ہے کہ نبیوں اور ولیوں کو وفات کے بعد پکارنا اور ان سے التجا کرنا شرک تک لے جاتا ہے - وہ صاف طور کہتے ہیں کہ " اگر ملائکہ کا پکارنا روا نہیں تو مرے ہوئے انبیا و اولیا کا پکارنا اور ان سے دعا و شفاعت چاہنا بھی روا نہیں - اگرچہ وہ خدا کے ہاں دعا و شفاعت کرینگے اور یہ اسلئے کہ (۱) جسکے بارے میں خدا انہیں دعا و شفاعت کا حکم دیدیگا - وہ لامحالہ کرینگے - خواہ استدعا کی جائے یا نہ - اور جسکے بارہ میں حکم نہ ہوگا -

[1] نقرہ ۲ باب ہذا دیکھو - [2] دیکھو مجمع البحار لفظ عید -

ہرگز زبان نہ کھولینگے خواہ کوئی کتنی ہی ناک رگڑے - اسلئے ان سے درخواست کرنا فضول ہے - اور اسلئے (۲) کہ موت کے بعد انہیں پکارنا اور التجا کرنا شرک تک لے جاتا ہے - لہذا اگر اسمیں کوئی مصلحت بھی ہو جب بھی شرک کی یہ مضرت ایسی موجود ہے جسکی وجہ سے ہر مصلحت ترک کی جائیگی - لیکن یہاں تو سرے سے کوئی مصلحت ہی موجود نہیں جس میں بحث کی جائے - اسلئے ان سے درخواست کرنا روا نہیں رہا انکی زندگی اور موجودگی میں التجا کرنا تو روا ہے - کیونکہ کوئی مضرت موجود نہیں بلکہ اسمیں منفعت ہے - اور وہ یہ کہ خود انہیں اس دار العمل میں مخلوق کی خدمت و فائدہ رسانی کا ثواب ملیگا "[1] اس تقریر سے ذیل کی باتیں نکلتی ہیں -

اول - اگر ملائکہ کا پکارنا روا نہیں - تو مرے ہوئے نبیوں کا پکارنا بھی روا نہیں -

دوئم - دعا اور شفاعت کی نبی سے التجا کرنا فضول ہے - کیونکہ جسکے بارہ میں خدا تعالیٰ انکو شفاعت کا حکم دینگے - شفاعت کرینگے -

سوئم - نبی کو وفات کے بعد پکارنا اور ان سے التجا کرنا شرک تک لے جاتا ہے -

امر اول کے متعلق یہ معلوم رہنا چاہئے کہ ملائکہ ادنی مخلوق ہیں - اور انسان اعلیٰ - اعلیٰ ادنیٰ سے خواستگاری نہیں کر سکتا - اور نہ شارع علیہ السلام نے بنی آدم اور ملائکہ کے درمیان سائلیت و مسئولیت کا رابطہ قائم کیا ہے - نبیوں کی صورت دوسری ہے - وہ مطاع ہیں - اور عامہ افراد مطیع - اگر ملائکہ کا پکارنا روا نہیں تو اس سے نبیوں کے پکارنے کے متعلق نتیجہ اخذ کرنا قیاس مع الفارق ہے ہم نبی کو ہر جگہ بیٹھکر درود بھیج سکتے ہیں - اور انہیں خطاب کر کے پکار سکتے ہیں -

[1] کتاب الوسیلہ ص ۵ -

نماز میں کئی بار خطاب کر کے نبی کو پکارا جاتا ہے۔ السلام علیك ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ ہر دو رکعت میں پڑھا جاتا ہے۔ اور اگر یہ خطاب اور یہ پکار عبث اور بے معنی ہے۔ تو اس کیلئے شارع علیہ السلام ذمہ وار ہے۔ ہمیں تو یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اسطرح نماز میں پکارنا ضروری ہے خود نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے جو دعا نابینا کو سکھائی ہے۔ اور جواب بھی مشروع ہے۔ اسمیں نبی کو خطاب کیا جاتا اور پکارا جاتا ہے۔ اسکے الفاظ یہ ہیں۔ یا محمد انی توجھت بك الی ربی فی حاجتی ھذہ اگر یہ دعا بے معنی تھی۔ یا آپکی وفات کے بعد ناجائز تھی۔ تو آپ خود یا آپ کے صحابہ بتا دیتے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپکی وفات کے بعد بھی آپکو خطاب کرنا اور پکارنا جائز ہے۔ بالخصوص جبکہ ہمارا پکارنا اور درود پڑھنا آپ تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اس کا جواب بھی ہمکو ملتا ہے۔ معلوم نہیں کہ شیخ ابن تیمیہ کی اسطرح کے شبہات پیدا کرنے میں کیا غرض ہے۔ ادب المفرد للبخاری میں ہے۔ کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر کا پاؤں بے حس ہوگیا۔ ان سے کہا گیا۔ کہ اپنے محبوب ترین کو یاد کیجئے۔ انہوں نے اسی وقت یا محمد کہکر پکارا تو ان کا پاؤں درست ہوگیا۔ طبرانی میں ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان کی خدمت میں آیا کرتا تھا۔ مگر آپ اسکی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے۔ آخر اس نے عثمان بن حنیف سے یہ معاملہ بیان کیا۔ اور انہوں نے اسکو دعا انی اسئلك واتوجہ الیك بنبینا محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بك الی ربی فیقضی حاجتی بتائی مجب اس نے یہ دعا پڑھی تو حضرت عثمان نے اسے بلایا۔

---

[1] یہ روایت صحاح ستہ۔ اور مسلم۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے۔ حصن حصین ذکر التشہد۔

اپنے پاس بٹھایا۔ بہنایت مہربانی سے پیش آئے۔ اور فرمایا کہ تم کو کوئی حاجت ہو۔ تو میرے پاس آیا کرو۔ وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف کے پاس آیا۔ اور سارا ماجرا سنایا۔ انہوں نے کہا کہ یہ وظیفہ ایک دفعہ رسول اللہ صلعم نے ایک اندھے کو بتایا تھا[1] اسکے علاوہ صحابہ اور دیگر مقتدر ہستیوں نے رسول اللہ صلعم کو بعد وفات پکارا ہے۔ مائی صفیہ رسول اللہ صلعم کو پکارتے ہوئے کہتی ہیں ؎

الا یا رسول اللہ کنت رجاءنا — وکنت بنا برا و لم تك جافیا

وکنت رحیما ھادیا معلما — لیبك علیك الیوم من کان باکیا

علیك من اللہ السلام تحیۃ — وادخلت جنات من العدن راضیا[1]

امام زین العابدین نے آپکو اسطرح پکارا ہے ؎[2]

یا رحمۃ للعالمین ادرك لزین العابدین — محبوس ایدی الظالمین فی المرکب والزحم

مائی زینب بنت فاطمہ نے بوقت مصیبت اس طرح رسول اللہ صلعم کو پکارا ہے ؎

یا حدی من شکلی وطول مصیبتی — لمار عاینہ اقوم وا قعد

امام اعظم بھی اپنے مشہور قصیدہ میں نبی صلعم کو یوں پکارتے ہیں۔ ؎

یا اکرم الثقلین یا کنز الوریٰ — جد لی بجودك وارضنی برضاك

انا طامع بالجود منك ولم یکن — لابی حنیفۃ فی الانام سواك[3]

امام اعظم کا رسول اللہ صلعم کو اسطرح پکارنا بے مطلب نہیں۔ اور نہ آپکی نسبت یہ خیال ہوسکتا ہے۔ کہ یہ آپ کا شاعرانہ تخیل ہے۔ اوروں کی نسبت آپ خیال

مستدرک عثمان بن حنیف [1] یا رسول اللہ آپ ہمارا امید گاہ تھے۔ آپ ہم سے نیکی کرنیوالے تھے۔ اور جفا کرنے والے نہ تھے۔ آپ رحیم۔ ہادی معلم تھے۔ جو کوئی رونے والا ہے وہ آج آپ پر روئے۔ آپ پر اللہ کی طرف سے سلام و تحیہ ہو اور آپ جنت عدن میں خوشی خوشی داخل ہوگئے۔ مواہب اللدنیہ جلد دوم۔ ص ۳۸۶ [2] یعنی اے رحمۃ العالمین زین العابدین کی امداد کو پہنچ۔ وہ ظالموں کے ہاتھوں میں محبوس ہے۔ [3] اے دونوں جہانوں کے بزرگ ترین ہستی اور اے کائنات

کرسکتے ہیں کہ ان کا کلام شاید شاعرانہ انداز میں ہوگا مگر امام ابوحنیفہ جیسے فقیہ اعظم کی نسبت ایسا خیال کرنا سخت غلطی ہے. ایسے لوگوں کا کلام ہر حال میں. دوسروں کیلئے سند ہے ؎

غوث اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کہتے ہیں ؎

یارسول الله اسمع قالنا — یاحبیب الله انظر حالنا

اننی فی بحر غم مغرق — خذ یدی سہل لنا اشکالنا

لیس یا سیدی الی لاحد — ؎ اعتقامی سوی جنابك لی

ترجمہ۔ اے رسول اللہ ہماری عرضداشت سنئے۔ اے حبیب اللہ ہمارے حال کو دیکھئے میں بحر غم میں غرق ہوں۔ میرا ہاتھ پکڑئے۔ اور ہماری مشکلیں آسان کیجئے۔

ترجمہ۔ اے میرے سردار آپکی جناب سوا، میرے لئے کوئی جائے اعتصام نہیں۔ امام بوصیری مصنف قصیدہ بردہ کہتے ہیں۔

یا خیر من یمم العافون ساحته — سعیًا وفوق متون الاینق الرسم

یا اکرم الخلق مالی من الوذ به — سواك عند حلول الحادث العمم

اذا الکریم تجلی باسم منتقم — ولن یضیق رسول الله جاہك بی

ترجمہ۔ اے بہترین اُن اشخاص کے جنکی درگاہ کا سائل پیادہ یا اور تیز رو ناقہ ہائے پر سوار ہوکر قصد کرتے ہیں۔ اے بزرگ ترین مخلوقات حادثہ عام کے نزول کیوقت میں تیرے سوا کس کی پناہ لوں۔ یارسول اللہ آپ کا عرصہ قدر میری وجہ سے تنگ نہ ہوگا۔ جبکہ کریم اسم منتقم کیساتھ جلوہ فرما ہوگا۔

مصنف قصیدہ لامیہ کہتے ہیں ؎

واہل بیتك فینا رحمۃ نزلت — اہر اطہار عن جنس عن دخل

یا سید المرسلین المکرمین آدم — شفاعتہ بیعتیك منازع دجل

ترجمہ۔ اور تیرے اہل بیت ہم میں رحمت ہیں۔ درحالیکہ وہ پلیدی اور عیب سے پاک ہیں۔ اے سردار رسلوں مکرموں کے ہمتہ جاری رکھئے شفا واسطے غلام کے جو عاجزی کرنے والا اور ڈرنے والا ہے۔

شاہ ولی اللہ حکیم امت قصیدہ ہمزیہ میں کہتے ہیں ؎

ینادی صارخا بخضوع قلب — وذل وابتہال والتجاء

رسول الله یا خیر البرایا — نوالك ابتغی یوم القضاء

ترجمہ بلانے والا بلائے خضوع قلب — عاجزی۔ تذلل اور پیش دستی سے

یارسول اللہ یا خیر البرایا — یوم قضا کو میں آپکی عنایت کا خواستگار ہوں

طبرانی میں ہے کہ جب کوئی مدد چاہے تو کہے اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔ اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔ اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔ بالتحقیق یہ بات مجرب ہے[1] گویا اس حدیث کے رُو سے دیگر بندگان خدا کو بھی پکارنا جائز ہے۔ چہ جائیکہ رسول کا پکارنا۔ اسی لئے غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کہتے ہیں۔ من استغاث لی فی کربۃ کشفت عنہ ومن نادی باسمی فی شدۃ فرجت عنہ ومن توسل بی الی الله عزوجل فی حاجۃ قضیت لہ۔ ترجمہ جو کوئی مصیبت میں مجھے بلائے تو میں اسکی مصیبت دور کرتا ہوں۔ اور جو کوئی سختی میں مجھے نام سے بلائے۔ تو میں اسکی سختی کو دور کرتا ہوں۔ اور جو کوئی مجھسے اپنی حاجت میں اللہ تعالی کیطرف توسل لے۔ تو اسکی حاجت لگاتا ہوں۔ (بہجۃ الاسرار)[2]

صحابہ کرام شام اور روم کے جنگوں میں جبکہ میدان کارزار گرم ہوتا بعض وقت

---

[1] حصن حصین ص ١٦٣ [2] نبیوں اور ولیوں سے توسل لینا امر آور ہوتا ہے۔ جنیساکہ باب دوم میں بیان کیا گیا ہے غوث اعظم کا انجا۔ خواسج کرنا آپکی دُعا کے پل پر ہے۔ اور نبیوں ولیوں کی دعائیں بعد وفات بھی پر اثر ہوتی ہیں جیساکہ گذشتہ ابواب میں اور اس باب میں بیان کیا گیا ہے۔

یا محمدؐ یا محمد بول اٹھتے تھے۔ اور اسی وقت فتح و نصرت حاصل کرتے تھے۔ اور کیوں نہ حاصل کرتے جبکہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں رسول اللہ صلعم کی ذات اقدس دشمنان اسلام کیلئے شمشیر بُرّان ہے۔ کعب بن زبیر کیا خوب کہتے ہیں ؎

ان رسول اللہ لسیف یستضاء بہ ۔۔۔ مهند من سیوف اللہ مسلول[1]

ترجمہ بے شک رسول اللہ شمشیر ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ آپ برہنہ شمشیر ہندی ہیں منجملہ شمشیر ہائے حق کے۔

یہ صفت شمشیر براں کی جناب رسول اللہ صلعم کی روح کو حاصل ہے۔ اور یہ آپکی صفت قاسمیت کا ایک پرتو ہے[2] آپکے کامل تابعداروں کی روحوں کو بھی آپکی اس صفت کا ظل حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی کی بناء پر شیخ عبدالقادر جیلانی کہتے ہیں ؎

مریدی لا تخف واشٍ فانی ۔۔۔ عزوم قاتل عند القتال[3]

مجھ سے الفت رکھنے والے کسی عیب جو سے نہ ڈر کیونکہ میں لڑائی کیوقت بڑا حملہ آور اور تیغ زن ہوں۔

چنانچہ اسی بناء پر خواجہ بزرگ نقشبند کہتے ہیں ؎

اے پیر دستگیر دست مرا بگیر ۔۔۔ دستم چناں بگیر کہ گویند دستگیر

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں۔ کہ کسی کامل مومن کی قبر پر جاکر استمداد ہوسکتی ہے، استمداد لینے والے کو یہ الفاظ کہنے چاہئیں۔ اے حضرت من میں فلاں کام کیلئے جناب الہی میں دعا کی التجا کرتا ہوں۔ آپ بھی دعا و شفاعت سے مدد کیجئے۔ پھر قبلہ کیطرف منہ کرکے اپنا مطلب باری تعالیٰ سے مانگے[4] یہاں خطاب فوت شدہ مومن کی روح سے ہے۔ اور اسی کو پکارنے کی ہدایت محدث موصوف کرتے ہیں۔

---

[1] قصیدہ بانت سعاد۔ [2] انا قاسم واللہ یعطی۔ بخاری کتاب العلم مشکوۃ کتاب العلم صحیحین [3] قصیدہ غوثیہ شریف۔ [4] فتاوی عزیزیہ جلد اول ص ۱۷۶ تا ۱۷۸

اسی طرح اور بہت سے آئمہ نے رسول اللہ صلعم کو وفات کے بعد خطاب کیا ہے

امام عبدالرحیم برعی یمنی کہتے ہیں ؎

وکن لی ملجاء فی کل حال ۔۔۔ فلیس الی سواک لی التجاء
علیک صلوۃ ربک ما تواءت ۔۔۔ نحو الجوا وعصفت رخاء

ترجمہ۔ میرے لئے ہر حال میں ملجاء ہوجائیے کیونکہ میری التجا سوائے آپکے اور کسی کے پاس نہیں تجھ پر میرے پروردگار کی رحمت ہے۔ جبتک کہ آسمان کے ستارے چمکتے رہیں اور نرم ہوا چلتی رہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ؎

نبی اللہ یا خیر البرایا ۔۔۔ بجاهك اتقی فصل القضاء

ترجمہ۔ اے نبی اللہ۔ اے بہترین خلائق تیری جاحت کے طفیل ہی ہر فیصلہ قضاء سے بچتا ہوں

امام مجدالدین وتری ؎

بمدحك ارجوا اللہ یغفر زلتی ۔۔۔ ولو کنت عبداً طول عمری اذنب

ترجمہ۔ تیری مدح کی وجہ سے میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ میری لغزشوں کو معاف کردیگا اگرچہ میں وہ بندہ ہوں۔ جو تمام عمر گناہ کرتا رہا۔

امام تقی الدین بن دقیق العید ؎

یا رسول الملیك دعوة من زا ۔۔۔ د بہ شوقہ وصح ودادہ
لك اشكو حالاً من الدین الدنیا ۔۔۔ شدید غلوہ واشتدادہ۔

ترجمہ۔ اے رسول مالک اس شخص کی آواز پر پہنچئے۔ جس کا شوق بڑھ گیا ہے۔ اور جسکی محبت صحیح ہے۔ میں تجھ سے شکایت کرتا ہوں۔ اپنے دین کے حال سے درحالیکہ دنیا کا غلو اور غلبہ سخت ہے۔

امام عمر بن الوردی۔ ؎

یاخاتم الانبیاء قد کان مفتقرا الی جودك اهل النفع والضرر
فکن شفیعی وذخری فی المعاد اذا اقبلت من حفرتی فبا مفتقری

اے خاتم الانبیاء تیری طرف ہی اہل نفع اور اہل ضرر محتاج ہیں۔ سو میرے شفیع اور میرے مددگار ہوجائیے۔ جبکہ میں اپنی قبر سے محتاج کی طرح نکلوں۔

امام کمال الدین بن المکانی سے

یاصاحب الجاہ عند الله خالقه ما ردّ جاهك الا کل افاك
علیك من ربك الصلوة کما منا علیك السلام الطیب الزاکی

اے وہ ذات جو اللہ تعالیٰ خالق کے یہاں صاحب جاہ ہے۔ تیری وجاہت کو کسی نے رد نہیں کیا سوائے کاذب کے۔ مجھ پر تیرے پروردگار سے رحمت ہو۔ جیسا کہ ہم سے تجھ پر طیب اور پاک سلام ہو۔

امام حسن بن مسعود یوسی سے

یارسول الاله انی محب بك والله مغرم مستهام
یارسول الاله جئتك اسعی اثقلتنی الذنوب وهی عظام

ترجمہ اے اللہ کے رسول میں خدا کی قسم تیرا محب اور عاشق مفتوں ہوں۔ اے اللہ کے رسول میں تیرے پاس دوڑتا آتا ہوں۔ مگر بڑے گناہوں کا بوجھ میرے جسم پر ہے۔

امام یحییٰ صرصری سے

یاحبیب الرحمن فی الخلق یامن تعرف الارض فضله والسماء
فاغثنی وکن نصیری مجیرا فی مقام تخافه الاتقیاء

ترجمہ۔ اے وہ جو خلق میں رحمٰن کے دوست ہیں۔ اے وہ جسکی فضیلت کو زمین وآسمان پہچانتے ہیں۔ میری مدد کو پہنچئے اور میرے ضعف کو مٹائیے۔ اس مقام میں جس کا متقیوں کو بھی خوف ہے۔

امام عبدالرحمن مکودی سے

فکن شفیعا یوم لا یغنی امرا ما ضم من مال الدنیا وما حوی
خذ بیدی وامنن بلطف منك فی دینی ودنیائی وجد لی بالرضا

ترجمہ۔ آپ ہوجائیے شفیع اس دن کو جبکہ آدمی کو فائدہ نہ دیگا۔ دنیا کا مال جو اس نے جمع کیا ہوگا۔ میرا ہاتھ پکڑیئے اور اپنے لطف سے مجھ پر میرے دین اور میری دنیا میں احسان کیجئے۔ اور مجھ پر راضی ہوجائیے۔

امام جلال الدین صرصری سے

اعددت مدحك للحوادث جنة وعلی الذنوب الموبقات سلاحا
فامنن علی بنظرة یحیا بها قلبی ویقبح راضیا مرتاحا

میں نے بنالیا ہے۔ تیری مدح کو حادثوں کیلئے ڈھال اور ہلاک کرنے والے گناہوں کیلئے سلاح۔ مجھ پر ایک نظر سے احسان کیجئے۔ ایسی نظر سے جس سے دل زندہ اور راضی اور خوش وخرم ہو۔

امام ابو محمد شقراطیسی سے

یاصفوة الله قد واصلت فیك صفا صفا الوداد بلا شوب ولا دخل
الست اکرم من یمشی علی قدم من البریة فوق السهل والجبل

ترجمہ اے اللہ کے چنے ہوئے تحقیق تجھ میں صفائی اور محبت کی صفائی بلا کسی ملاوٹ کے انتہا کو پہنچی ہے۔ کیا تو اس تمام مخلوق سے افضل نہیں۔ جو پہاڑوں اور میدانوں میں چلتی ہے

امام جلال الدین سیوطی سے

یااکرم الرسل یامن فی شفاعته حور المنی وبلوغ القصد من امم
فطلبی ننت اولی فی النجاح له وانت ادری به یا منبع النعم

ترجمہ اے وہ ذات جو رسولوں میں سے بزرگ ترین ہے۔ اے وہ ذات جسکے اشا

ہیں۔ تمام امتوں کے مقاصد اور تمام آرزوئیں جمع ہیں۔ میرا مقصود تو تو ہے۔ تو ہی اسے بطریق اولیٰ پورا کر سکتا ہے۔ اور تو ہی اسے جانتا ہے۔ اے نعمتوں کے اتمام کرنے والے ۵۱

جناب رسول اللہ صلعم نے قتلیٰ بدر کو خطاب کے صیغہ سے پکارا۔ اور صحابہ کی میتوں کو بھی پکارا ہے۔ جسکے شواہد باب چہارم کے اعتقاد (۳) میں درج کئے گئے ہیں۔ زندوں اور مردوں کو پکارنا۔ تو در کنار۔ جناب رسول اللہ صلعم نے جمادات کو بھی ندا کے صیغہ سے پکارا ہے۔ چنانچہ ابو داؤد میں ہے۔ جب رسول اللہ صلعم سفر پر ہوتے۔ اور رات آتی تو کہتے۔ یا ارض ربی و ربك اللہ اعوذ باللہ من شرك وشر ما فیك وشر ما یدب علیك الخ یعنی اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے میں تیرے شر سے اور تیرے اندر کی چیزوں کے شر سے اور تجھ پر چلنے والوں کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ۵۲ ایسی صورت میں ایک مطلق حکم قائم کر دینا کہ غیر اللہ کو پکارنا اور ندا دینا شرک ہے معقولیت سے کوسوں دور ہے۔ نبیوں ولیوں وغیرہ کو پکارنا اس وقت شرک تک لے جاتا ہے۔ جبکہ پکارنے والا یہ اعتقاد رکھے کہ جسے پکارا گیا ہے۔ وہ فعل کا موجد اور موثر حقیقی ہے۔ حالانکہ ہر فعل کا خالق اور ہر اثر کا موثر حق تعالیٰ ہے۔ انسان کے لئے اگر کوئی چیز فعل سے باقی ہے تو وہ کسب ہے۔ خالق فعل خدا ہے۔ اور کاسب فعل انسان۔ جیساکہ قرآن میں ہے۔ واللہ خلقکم وما یعملون۔ مجرد ندا سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا۔ کہ ندا دینے والا جسے ندا دیتا ہے۔ اسے خدا کے اوصاف سے موصوف سمجھتا اور افعال کا فاعل حقیقی جانتا ہے۔ اگر کوئی ایسا سمجھے تو وہ کافر ہے۔ یہاں ان لوگوں کو جنہیں نداء کی مشروعیت سے انکار ہے ایک بڑا مغالطہ ہوا ہے۔ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر زندہ یا مردہ کو بلایا جائے۔ تو اس

۵۱ غیر خدا سے استمداد کے متعلق دیکھو اعتقادات ۱۲-۱۳-۱۴-۱۴ باب چہارم
۵۲ یہ حدیث نسائی اور مستدرک حاکم میں بھی موجود ہے۔ دیکھو حصن حصین باب ما یدعو فی السفر ص ۱۲۰

سے شرک لازم آتا ہے۔ کیونکہ اس ندا سے اسے موثر حقیقی سمجھا جاتا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ زندہ اور مردہ دونو کو بلایا جا سکتا ہے۔ جیساکہ نابینا والی حدیث میں ہے۔ اور اُن احادیث میں بھی ہے۔ جو مقابر میں داخل ہونے کے متعلق ہیں۔ مقابر میں عام طور پہ پڑھا جاتا ہے۔ یا اهل القبور۔ یا اهل الدیار۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح نماز میں السلام علیك ایها النبی۔ کہا جاتا ہے۔ دوسرا مغالطہ ان لوگوں کو یہ ہوا ہے کہ وہ ہر ندا کو دعا اور ہر دعا کو عبادت سمجھتے ہیں۔ اور چونکہ عبادت کا مستحق صرف حق تعالیٰ ہے۔ اسکے ندا کا مستحق بھی وہی ہے۔ یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ ہر ندا دعا نہیں ہوتی۔ قرآن میں ہے۔ لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا۔ یعنی رسول کے بلانے کو ایسا نہ سمجھو جیساکہ تم میں سے بعض کا بعض کو بلانا۔ یہاں دعا سے عبادت مراد نہیں۔ بلکہ صرف ندا مراد ہے۔ صرف وہی ندا عبادت ہو سکتی ہے جس ندا میں منادیٰ کو عبادت کا مستحق سمجھ کر بلایا جائے ان حالات میں ظاہر ہے کہ زندہ اور فوت شدہ نبی۔ ولی اور مومن کو ندا دینا اور پکارنا جائز ہے۔ اور لوگ اس نداء کی مشروعیت سے انکار کرتے ہیں۔ وہ صریح طور غلطی پر ہیں۔ جو لوگ ندا کی مشروعیت کے منکر ہیں۔ وہ اپنے دعویٰ کے اثبات میں کچھ نصوص پیش کرتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں ہے۔ لیس لك من الامر من شیئ او یتوب علیهم او یعذبهم فانهم ظلمون۔ یعنی رسول کو کوئی اختیار نہیں۔ نہ تو آپ کسی کو عذاب دے سکتے ہیں۔ یہاں توبہ اور عذاب کے بارے میں رسول اللہ صلعم سے موثر حقیقی ہونے کی نفی کیگئی ہے۔ نہ کہ تسبب کی۔ آپ کسی بات کا سبب بن سکتے ہیں۔ فاعل یا موثر حقیقی نہیں بن سکتے۔ یہی صورت اسی طرح کی دوسری آیتوں میں ہے۔ قرآن میں ہے۔ قل لا املك لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء اللہ۔ یہاں بھی رسول سے موثر حقیقی ہونے کی نفی کیگئی ہے۔ دوسری جگہ ہے

الذین یدعون من دونہٖ لا یستجیبون لھم بشیٔ الا کباسط کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ھو ببالغہٖ وما دعاء الکفرین الا فی ضلال۔ یہاں دعا سے وہ دعا اور ندا مراد ہے۔ جس میں کافر اور مشرک بتوں اور جھوٹے معبودوں کو الوہیت کے اوصاف سے متصف سمجھتے ہیں۔ یہی صورت آیات ذیل میں ہے۔ والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا الخ۔ ان الذین یدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا الخ ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ

پس ظاہر ہے کہ ان آیات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نبیوں اور نیک بندوں سے توسل مشروع نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ انکو پکارا جاسکتا ہے اور کہ ان کی شفاعت ہر حال میں بے اثر ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے۔ کہ استغاثہ سوائے حق تعالی کے اور کسی سے نہیں کیا جائے۔ کیونکہ استغاثہ دعا ہے۔ اور دعا عبادت ہے۔ اور اللہ تعالی کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں ہوسکتی۔ اسمیں شک نہیں کہ استغاثہ اس لحاظ سے کہ حق تعالی ہی فاعل و موثر حقیقی ہے۔ اللہ تعالی سے کیا جاتا ہے لیکن چونکہ ہر ایک قسم کا استغاثہ دعا نہیں۔ اور ہر دعا عبادت نہیں۔ جیساکہ اوپر مذکور ہوا اسلئے استغاثہ دوسروں سے بھی ہوسکتا ہے۔ اور استغاثہ سے توسل اور تسبب مراد ہے جیساکہ قرآن میں ہے۔ فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہٖ فوکزہ موسی فقضی علیہ۔ قصص۔ ۱۵۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ غیر اللہ سے استغاثہ حد جوازیت کے اندر آتا ہے۔ دیکھو باب دوم فقرہ ۱۵۔

امر دوم کے متعلق بھی شیخ ابن تیمیہ کی رائے غلط ہے۔ شفاعت کی خواستگاری پہلے اسلئے ضروری ہے کہ رسول اللہ صلعم کو اس پر آمادہ کرنا ہے۔ اور ان سے انتہائی مہربانی چاہنے کی کوشش کرنا ہے۔ اگر کوئی الحاح سے شفاعت کی خواستگاری

پیش نہ کریگا۔ تو ممکن ہے کہ وہ شفاعت سے اسقدر فائدہ حاصل نہ کرسکے جسقدر وہ خواستگاری کی صورت میں حاصل کرسکتا تھا۔ اگرچہ ایسے افراد اقل قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔ علاوہ اسکے یہ بھی ظاہر ہے کہ جب تک رسول اللہ صلعم حق تعالی سے شفاعت کی اجازت نہ چاہینگے۔ تب تک حق تعالی شفاعت کی اجازت نہ دینگے[1] اگر شیخ ابن تیمیہ کی رائے کو ذرا اور بھی وسعت دی جائے۔ تو پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی کو کسی وقت بھی دعا کرتے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ مغفرت کا سزاوار ہوگا تو حق تعالی اسے خود بخود بخش دیگا۔ اسی طرح کسی کو رزق کی تلاش بھی نہ کرنا چاہیے کیونکہ رزق پہلے سے ہی مقسوم ہے۔ وہ خود بخود پونچیگا اسی طرح انسانوں کو تداوی یعنی علاج چھوڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ جس نے راضی ہونا ہے۔ وہ خود بخود راضی ہوجائیگا نبی صلعم تو یہ حکم دیں کہ تم دوا کرو[2] مگر شیخ ابن تیمیہ یہ کہیں کہ دوا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جسکی قسمت میں راضی ہونا ہے وہ خود بخود راضی ہوجائیگا حق تعالی تو یہ کہیں لیس للانسان الا ما سعی مگر ابن تیمیہ یہ کہیں کہ کسی سے دعا کے حصول کیلیے سعی کی ضرورت نہیں۔ کوئی بھائی اللہ کے یہاں زیادہ مکرم ہوتا ہے۔ اور کوئی کم ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کسی بڑے متقی پرہیزگار اور اللہ کے دوست سے دعا کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر ہماری قسمت میں ہوگا۔ تو وہ خود بخود دعا کر دیگا۔ نبی صلعم شفاعت پر مامور ہیں۔ اور وہ اپنی امت کی شفاعت کرینگے۔ اسی طرح وہ اپنی امت کیلئے دعا پر مامور ہیں۔ اور وہ اپنی امت کی بہتری کیلئے دعا کرینگے۔ کوئی امتی چاہتا ہے

---

[1] اس امر کے متعلق کہ قیامت کے روز شفاعت کس طور ہوگی مشکوۃ کا باب شفاعۃ پڑھیے۔

[2] یا عباد اللہ تداووا فان اللہ لم یضع داءً الا وضع لہ دواءً غیر داءٍ واحد الھرم۔ احمد ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ منتخب جلد ۴۔ ص ۹۵۔ ۴۔ فصل فی الطب۔

کہ اسکو زیادہ فائدہ دعا اور شفاعت کا پونچے۔ اور وہ بھی لازمی طور اس زمرہ میں آجائے جو شفاعت چاہنے والے ہوں۔ اس لئے وہ آپ سے دعا اور شفاعت کی استدعا کرتا ہے۔ مگر شیخ ابن تیمیہ اس سے بخل کرتے اور کہتے ہیں کہ بھائی۔ ایسی دعا اور شفاعت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر تمہاری شفاعت کا حکم اللہ میاں کے یہاں سے ہوگا۔ تو ضرور تمہاری شفاعت ہوجائیگی۔ تمہیں دعا کرانے کی بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اگر تم نے جنت میں داخل ہونا ہوگا۔ تو ضرور داخل ہوجاؤگے اس سے زیادہ بے معنی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔

امر سوئم۔ امر اول کے جواب کو دیکھئے وہاں اسکا جواب بھی موجود ہے۔ نبی کو پکارنا کسطرح شرک لے جاتا ہے۔ جبکہ نماز میں انکو کئی بار پکارا جاتا ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرح سنتے اور انجاح حوائج کرتے ہیں۔ اور اس طرح اس کائنات میں فاعل حقیقی کی طرح مؤثر ہیں۔ اس نتیجہ کو صغریٰ و کبریٰ سے دور کی بھی نسبت نہیں۔ رسول اللہ صلعم کیطرف ہم وہی صفات و افعال منسوب کرسکتے ہیں۔ جو قرآن و حدیث میں منسوب کئے گئے ہیں۔ انکی طرف منسوب ہے کہ وہ اپنے امتیوں کے درود و دعا کو قبر کے نزدیک خود سنتے ہیں۔ اور دور سے ملائکہ کے ذریعہ سنتے ہیں۔ اور اسکے جواب میں دعا و استغفار کرتے ہیں۔ آپکی طرف نابینا والی دعا منسوب ہے۔ جسطرح نابینا نے آپکو پکارا تھا۔ ہم بھی آپ کو پکار سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ دعا مشروع ہے۔ اسی طرح آپ نے جائز رکھا ہے۔ کہ ہم نبیوں اور صالح مومنوں کا وسیلہ اللہ کیطرف لے جائیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سی باتیں آپکی طرف منسوب ہیں۔ یہ تمام باتیں جائز ہیں۔ اور ہم کہتے ہیں۔ کہ ان کے کرنے میں کوئی شرک نہیں۔ ہر ایک امتی نبی علیہ الصلوٰۃ سے آپکی وفات کے بعد دعا کی استدعا کرسکتا ہے۔ اور آپکی ذات اور دعا کا وسیلہ لے سکتا ہے۔ جیساکہ اس باب

میں اور دوسرے باب میں بھی تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے۔ آپ زیادہ سے زیادہ قاسم یعنی تقسیم کرنے والے ہیں۔ دینے والا حق تعالیٰ ہے[1] پس آپ تمام کائنات کیلئے بہترین واحد مشروع وسیلہ ہیں۔ اور بس۔ وسیلہ کا توسل حاصل کرنے کیلئے اُس کا پکارنا اور اسکی طرف رجوع کرنا بھی جائز ہے۔ جیساکہ اوپر مذکور ہوا۔ وسیلہ کا توسل وسیلہ کی استعانت و استمداد کے بغیر منعقد نہیں ہوسکتا اس لئے وسیلہ سے استعانت و استمداد بھی ضروری ہے۔ اس استعانۃ مشروعہ کے مبحث پر اعتقادات ۱۲ تا ۱۴ میں بحث کیگئی ہے۔

۱۳ ——— شیخ ابن تیمیہ کا خیال ہے۔ کہ "وسیلہ تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک آپکی اطاعت سے وسیلہ۔ یہ فرض ہے۔ دوسرے آپکی دعا و شفاعت کا وسیلہ۔ جو آپ کی زندگی میں تھا۔ اور قیامت کے دن ہوگا۔ تیسرے خدا کو آپکی قسم دلانا۔ اور آپکی ذات بیچ میں رکھکر سوال کرنا۔ تو اسے صحابہ نے کبھی نہیں کیا۔ نہ استسقاء میں اور نہ کسی اور موقعہ پر۔ نہ آپکی زندگی میں اور نہ آپکی وفات کے بعد نہ آپکی قبر پر اور نہ کسی اور کی قبر پر۔ اور نہ آپکی مشہور دعاؤں میں یہ کہیں وارد ہے" شیخ موصوف یہ بھی کہتے ہیں "پس وسیلہ کی پہلی صورت دین کی جڑھ ہے۔ اور کوئی ایک مسلمان بھی اسکا انکار نہیں کرسکتا۔ رہا آپکی دعا اور شفاعت کے ذریعہ سے وسیلہ جیساکہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ تو یاد رہے کہ وہ آپکی دعا سے وسیلہ ہے۔ نہ آپکی ذات سے۔ اسی لئے وفات کے بعد آپ سے وسیلہ چاہنے کی بجائے آپکے چچا عباس کا وسیلہ چاہا گیا۔ ورنہ اگر آپ کی ذات سے وسیلہ ہونا تو ظاہر ہے۔ آپ عباس سے کہیں اولیٰ تھے لیکن جب صحابہ نے وفات کے بعد آپ کا نہیں عباس کا وسیلہ چاہا۔ تو ظاہر ہوا کہ دعا جو آپکی زندگی میں ہوتی تھی وصال کے بعد ناممکن ہوگئی بخلاف اس وسیلہ کے جو

---

[1] انما انا قاسم واللہ یعطی۔ بخاری۔ کتاب العلم۔ وسلم۔

آپکے ایمان واطاعت کے ذریعہ سے ہے ۔ تو وہ ہمیشہ بصورت مشروع ہو ومطلوب ہے [1]

شیخ موصوف کی اس عبارت سے یہ اغلاط ظاہر ہوتے ہیں ۔

اول ۔ نبی کی ذات کا وسیلہ جائز نہیں ۔

دوئم ۔ نبی کی دعا کا وسیلہ زندگی میں ہو سکتا ہے ۔ بعد وفات نہیں ۔

مغالطہ اول کی نسبت اوپر تفصیل سے بحث کیگئی ہے ۔ کہ آپ کی ذات کا وسیلہ جائز ہے ۔ استسقا والی حدیث میں بھی ذات کا ہی وسیلہ ہے ۔ اس استسقا میں نبی صلعم کی ذات کا بھی وسیلہ لیا جا سکتا تھا ۔ مگر چونکہ اسوقت رسول اللہ کے محترم عم جن کو رسول اللہ صلعم باپ برابر سمجھتے تھے ۔ اور باپ برابر اُنکی عزت کرتے تھے ۔ موجود تھے ۔ اسلئے انکی ذات کا وسیلہ لے لیا گیا ۔ ذات کا وسیلہ لینے کے متعلق بخاری کی مشہور حدیث موجود ہے جو اوپر آداب دعا میں درج ہوئی ۔ دیکھو باب دوئم فقرات ۱۴ و ۱۵ [2]

باقی رہا امر دوئم ۔ سو یہ تو شیخ موصوف کی سراسر غلطی ہے ۔ اس غلطی کو باب اول میں واضح کر دیا گیا ہے ۔ اور اس باب میں بھی اور آئندہ باب میں بھی ۔ بات یہ ہے کہ نبی اور ولی کی دعا کا وسیلہ ہر وقت لیا جا سکتا ہے ۔ اور خاتم النبیین کی دعا کا وسیلہ تو تا قیامت لیا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ آپ رہتی دنیا تک نبی ہیں ۔ ورنہ اگر آپ کی دعا کا وسیلہ آپکی وفات کے بعد نہیں لیا جا سکتا ہو ۔ تو پھر دوسرا نبی آنا چاہیے ۔ جو تزکیہ کا اہم فرض بجا لاسکے ۔ اور دین اسلام کو دوسرے دینوں پر غلبہ دے اور یہ کام نبی کی دعا کے بغیر سرانجام پذیر نہیں ہو سکتا ۔ دیکھو ابواب گذشتہ ۔

۱۴ ! ــــــ اس سلسلہ میں ترمذی کی ایک روایت قابل ملاحظہ ہے ۔ اور

[1] التوسل ص ۷۵ تا ۷۶ ۔
[2] اس بحث پر باب چہارم میں بھی استدلالات موجود ہیں ۔

وہ یہ ہے کہ ایک اندھا آپکی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اور عرض کرنے لگا ۔ کہ میرے لئے دعا کیجئے ۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے ۔ تو میں دعا کروں ۔ اور اگر تو چاہے تو صبر کر ۔ اور صبر کرنا تیرے لئے بہتر ہے ۔ اس نے عرض کی کہ دعا فرمائیے ۔ پس آپ نے اسکو اچھی طرح وضو کرنے اور یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا ۔ اَللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک نبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی اللھم فشفعہ فی [1] (ابن ماجہ) اس سلسلہ میں وہ حدیث بھی پڑھ لیجئے جسمیں مذکور ہے ۔ کہ ایک اعرابی آپکی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اور اس نے کہا ۔ فانا نستشفع بک علی اللہ ونستشفع باللہ علیک [2] پہلے فقرے پر تو آپ نے کوئی اعتراض نہیں کیا لیکن دوسرے فقرے پہ آپنے اعتراض کیا ۔ اس سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ قیامت کے پہلے بھی آپ سے استشفاع جائز ہے ۔ اور ایسا استشفاع آپ کی زندگی میں بھی ہوتا رہا ۔ اور اسی طرح اب بھی جاری ہے ۔ ہاں تو اس حدیث نابینا میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات کا وسیلہ لیا گیا اور اس طرح کا وسیلہ لینا خود آپنے ہی سکھایا ہے ۔ اسلئے یہ مشروع وسیلہ ہے ۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں ۔ کہ آپ نے اس نابینا کیلئے دعا بھی کی ۔ مگر ساتھ ہی اسکے نابینا کو ذات نبوی کا وسیلہ لینے کا حکم بھی ہوا ۔ اور جب ایک دفعہ آپ نے یہ دعا سکھا دی ۔ تو پھر دعا ہمیشہ کیلئے مشروع ہوئی ۔ آپکی زندگی میں بھی اور آپکی وفات کے بعد بھی ۔ چنانچہ اسی دعا مشروعہ کی بنا پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جو ہندوستان میں خاتم المحدثین مانے جاتے ہیں ۔ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں کہ "بعض قبر والے کمال میں مشہور ہیں ۔ اور اُن کا کمال منوا

[1] ترمذی ۔ جلد ۲ ۔ ص ۱۹۷ ۔ ابواب الدعا ۔ منتخب جلد ۲ ۔ ص ۱۰۴ ۔ [2]
بدء الخلق و ذکر الانبیاء ۔

تک پونچا ہوا ہے۔ اُن سے استمداد کا طریق یہ ہے۔ کہ انکی قبر کے سر کیطرف ہوکر اور قبر پر انگلی رکھکر سورہ بقرہ مفلحون تک پڑھے۔ پھر اس قبر کے بائیں طرف آئے اور آمن الرسول تا آخر سورہ پڑھے۔ اور زبان سے کہے۔ اے حضرت میں فلاں کام کیلئے جناب الہی میں دعا کی التجا کرتا ہوں۔ آپ بھی دعا و شفاعت سے میری مدد کیجئے۔ پھر قبلہ کیطرف منہ کرے اور اپنا مطلب باری تعالیٰ سے مانگے۔ جن اہل مقابر کا کمال معلوم نہ ہوا ور نہ مشہور و متواتر ہو۔ انکے کمال کے دریافت کرنے کا یہ طریقہ ہے۔ کہ فاتحہ درود اور ذکر سبوح کے بعد اپنے دل کو اہل قبر کے سینے کے مقابل رکھے۔ اور اگر اسے تسلیبن۔ راحت اور نور کا احساس ہو۔ تو جان لے کہ اہل قبر صاحب صلاحیت و کمال ہے۔ لیکن استمداد ارباب کمال سے ہونا چاہیئے[1] ان حالات میں اس حدیث نابینا سے ذیل کی باتیں اخذ ہوتی ہیں۔

اول۔ زندہ یا فوت شدہ نبی یا کامل مومن کی طرف توجہ روح کی ہوسکتی ہے جبکہ توجہ کرانے والے کو کوئی ضرورت دینی یا دنیوی درپیش ہو۔

دویم۔ فوت شدہ نبی یا ولی سے انجاح حوائج میں استمداد و استشفاع کی استدعا کی جاسکتی ہے۔ اور اسے پکارا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ نابینا نے رسول اللہ صلعم کو پکارا تھا۔

سویم۔ کامل مومن کی روح اقدس کو یہ طاقت حاصل ہوتی ہے۔ کہ وہ اہل حاجت کی کاربرآری میں مدد دے۔ اور اسکی مشکل کشائی کرے۔ اور ایسی ...ئی روح کی دعا سے ہوتی ہے۔

... یہ مشکل کشائی نبی کی صورت میں معجزہ کہلاتی ہے اور ولی کی صورت

[1] ... عزیزیہ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۶ تا ۱۷۸۔ اصل عبارت فارسی میں ہے۔

میں کرامت۔

پنجم۔ ایسی استدعا فوت شدہ نبی یا ولی کی خدمت میں قبر کے پاس بھی اور قبر سے دور بھی پیش ہوسکتی ہے۔ جب دعا کی استدعا کرنا مقصود ہو۔ تو نبی یا ولی کی استمداد کے ساتھ توجہ ذات باری کیطرف ہوتی ہے۔ اور ذات باری کا نبیوں اور ولیوں کی روحوں سے ایک واسطہ حُب شدید کا ہوتا ہے۔ ویسے بھی انبیاء اور اولیاء خواہ زندہ ہوں۔ خواہ فوت شدہ اس نور حق کے بل پر جو انکے جسم و جان میں سرایت کر گیا ہوتا ہے۔ حق کیساتھ دیکھتے۔ سنتے۔ ادراک کرتے اور سمجھتے بولتے چلتے پکڑتے ہیں۔ اور اُن میں ایک ایسی فراست پیدا ہو گئی ہوتی ہے جسکی وجہ سے وہ نور حق سے دیکھتے ہیں[1]

جام جہاں نماست ضمیر منیر دوست   اظہار احتیاج خود آنجا چہ حاجت ست

اسلیئے وہ ایسی استدعاؤں کو کسی نہ کسی طرح سُن پاتے۔ یا معلوم کر لیتے ہیں۔ اسی لیئے قال علماؤنا لا فرق بین موتہ وحیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مشاھدتہ لامتہ ومعرفتہ باحوالھم دنیاتھم وعزائمھم وخواطرھم۔ یعنی اپنی امت کے مشاہدہ کرنے۔ ان کی حالتوں۔ نیتوں۔ ارادوں۔ دل کی باتوں کے جانتے میں۔ آپکی موت وحیات میں کوئی فرق نہیں[2] اس حدیث نابینا کے راوی یہ ہیں۔ محمود بن غیلان۔ عن عثمان بن عمر عن شعبۃ عن ابوجعفر عن عمارۃ بن خزیمۃ بن ثابت۔ عن عثمان بن حنیف (۱) عثمان بن حنیف اوسی ہیں۔ کنیت ابوعمر۔ صحابی تھے۔ اُحد و دیگر غزوات میں شریک تھے حضرت عمر کے عہد

[1] اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔ ترمذی منتخب جلد اول۔ فراستہ۔ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ الحدیث۔ بخاری۔ مشکوۃ باب ذکر اللہ۔

[2] امام ابن الحاج مکی۔ مدخل۔ وامام قسطلانی۔ مواہب اللدنیہ۔

خلافت میں ملک عراق کی پیمائش پر مامور ہوئے۔ اور انہوں نے وہاں کی زمین کی پیمائش کی حضرت علی کے عہد میں بصرہ کے عامل رہے۔ آخر عمر میں کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے ابوامامہ بن سہل۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ عمارة بن خزیمہ بن ثابت۔ نوفل اور ہانی بن معاویہ صوفی وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ عثمان بن حنیف حضرت معاویہ کے زمانہ تک زندہ رہے۔ یہ حدیث نابینا مسلسل روایت کیساتھ اُن سے پوہنچی ہے۔ اور یہ حدیث ان سے انکے بھتیجے ابوامامہ بن سہل انکے بیٹے عبد الرحمٰن۔ اور ہانی بن معاویہ صوفی نے روایت کی ہے[1] (۲) عمارة بن خزیمہ بن ثابت۔ یہ صحابی عثمان بن حنیف کے علاوہ اپنے باپ۔ اپنے عم اور عمرو بن العاص۔ عبد الرحمٰن بن ربی قراد۔ کثیر بن السائب وغیرہ سے روایت کرتے ہیں ۱۰۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ثقہ تھے بہت کم حدیثیں انہوں نے روایت کی ہیں[2] (۳) ابوجعفر نے عمارة بن خزیمہ سے روایت کی ہے۔ اور اس سے شعبہ نے۔ (۴) شعبہ بن الحجاج بن الورد العتکی ہیں۔ جو مشہور امام حدیث کے ہیں۔ اپنے زمانہ میں آپ اپنی نظیر تھے۔ ثوری سے انکو بہتر مانتے ہیں۔ فن حدیث اور فن رجال کے بڑے نقاد تھے۔ ثوری کہتے تھے کہ شعبہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حدیث میں اصدق الناس تھے بڑے عابد تھے۔ فن رجال کے پہلے اُستاد ماہر ہیں۔ ۸۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۰ھ میں فوت ہوئے۔ علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ان کا مفصل حال لکھا ہے۔ انہوں نے بڑوں بڑوں سے روایت کی ہے۔ اور ان سے بھی بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے۔ (۵) عثمان بن عمر بن فارس نے شعبہ کے

[1] اسد الغابہ۔ تذکرہ عثمان بن حنیف۔ تہذیب التہذیب۔ [2] تہذیب التہذیب للعسقلانی۔

علاوہ اوروں سے بھی روایت کی ہے۔ اُن سے احمد۔ اسحٰق وغیرہ بڑے بڑے محدثوں نے روایت کی ہے۔ احمد۔ ابن معین اور ابن سعد کی رائے میں ثقہ ہیں العجلی کی بھی یہی رائے ہے۔ حاتم کی رائے میں صدوق ہیں۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں گنا ہے۔ ۲۰۹ھ یا ۲۰۸ھ میں فوت ہوئے۔ (۶) محمود بن غیلان سے بہتوں نے روایت کی ہے۔ اور انہوں نے بھی ایک جماعت سے روایت کی ہے۔ ثقہ پائے گئے۔ ۲۳۹ھ میں فوت ہوئے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔ بہرحال اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ اور شیخ ابن تیمیہ نے بھی اس حدیث کو تسلیم کیا ہے۔ اس حدیث میں شفاعتہ کا لفظ آیا ہے۔ شفاعت دو طرح کی ہے۔ ایک شفاعت کبریٰ جو مقام محمود سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ شفاعت قیامت کے دن خاتم النبیین فرمائینگے۔ کیونکہ آپ ہی کو یہ درجہ شفاعت کا عطا ہوا ہے۔ دوسری شفاعت لوگوں کے انجاح حوائج سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسا کہ نابینا کی دنیا میں ہے۔ اور وہ لوگوں کے انجاح حوائج سے تعلق رکھتی ہے۔ پس آپ یہاں بھی شفاعت فرما سکتے ہیں۔ اور وہاں بھی ایک صورت میں ہے۔ پس آپ یہاں بھی شفاعت فرما سکتے ہیں۔ اور وہاں بھی ایک صحابی آپ کا دنیا میں اپنی استدعا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ اور وہاں سے اسے اس دعا کا حکم ہوتا ہے۔ ایسی دعا چونکہ مشروع ہے اس لئے آپکی روح عظمیٰ سے اب بھی ہوسکتی ہے۔ دنیا میں بھی یہ شفاعت آپ کی روح مقدس سے تعلق رکھتی ہے جس کو حق تعالیٰ کے ہاں قرب عظیم حاصل تھا۔ اور ہے پس یہ دعا ہر وقت ہوسکتی ہے۔ اور ہر مقام میں۔ خواہ کوئی آپ کی قبر کے نزدیک ہو یا کہیں دور۔

۱۵ — شیخ ابن تیمیہ کا خیال ہے۔ کہ ممکن ہے کہ کہا جائے کہ اگر رسول اللہ صلعم پر ایمان اور آپکی محبت و طاعت سے وسیلہ چاہتا کبھی ثواب حق تعالیٰ اور جنت

کیلئے ہوتا ہے۔ جو بقول تمہارے سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ اور کبھی اجابت دعا کیلئے
ہوتا ہے۔ جیسا کہ تم مثالوں میں بتا چکے ہو۔ تو "اسئلك نبيك محمد" کو اس
معنے پر کیوں محمول نہ کیا جائے۔ کہ میں محمد صلعم کے ایمان و محبت کے ساتھ
سوال کرتا اور ایمان و محبت کو وسیلہ بناتا ہوں۔ اور تم کہہ چکے ہو کہ یہ بلا نزاع صحیح
ہے۔ جواب یہ ہے کہ اگر سائل کی نیت میں یہ معنے ہوں۔ تو اسکے درست ہونے
میں کلام نہیں۔ اور اگر یہی معنے بعض صحابہ و تابعین و امام احمد وغیرہ کے نبی صلعم
کو کے بعد بھی وسیلہ قرار دینے کے لئے [1] جائیں تو درست ہے۔ اس صورت
میں مسئلہ صاف اور تسلیم شدہ ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اس طرح کے الفاظ
بول کر یہ معنی مراد نہیں لیتے۔ جو کچھ اعتراض و انکار ہے۔ انہیں پر ہے"۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رہا ابو حنیفہ انکے اصحاب اور دوسرے علماء کا یہ کہنا کہ خدا سے کسی
مخلوق کے واسطہ سے سوال جائز نہیں۔ عام اس سے کہ انبیا ہوں یا کوئی
اور۔ تو اس کے دو مطلب ہیں۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ ایک یہ کہ خدا کو اسکی
مخلوق کی قسم دلانا اور یہ جیسا کہ بیان ہو چکا۔ باتفاق جماہیر علما اسی طرح ممنوع ہے
جسطرح باتفاق علما کعبہ و مشاعر کی خدا کو قسم دلانا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ
کسی مخلوق کے ذریعہ سے سوال و دعا۔ اسے بعضوں نے جائز بتایا ہے۔ اور بعض
سلف سے بھی اس باب میں آثار منقول ہیں۔ اور بہت سے اور لوگوں کی دعاؤں
میں بھی اس طرح کے الفاظ آئے ہیں۔ لیکن نبی صلعم سے اس بارے میں جو کچھ مروی ہے
وہ ضعیف بلکہ موضوع ہے۔ کوئی حدیث بھی ایسی نہیں جس سے استدلال کیا
جاسکے۔ سوائے ایک نابینا والی حدیث کے جسمیں نبی صلعم نے اسے تلقین کی۔ کہ
قل اسئلك واتوجه اليك نبيك محمد نبي الرحمة۔ لیکن یہ حدیث بھی حجت
نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ صاف بتا رہی ہے۔ کہ اندھے نے نبی صلعم کی دعا و شفاعت

کہ نابینا نے آپ سے دعا کی درخواست کی۔ اور
سے وسیلہ چاہا ہے۔ واقعہ یوں ہے
آپ نے اسے تلقین کی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ یہ آپکے معجزات کی قسم سے ہے۔ ورنہ
اگر اور اندھے ہیں جسکے حق میں آپ نے دعا نہیں کی اسطرح کا وسیلہ چاہتے یا چاہیں۔ تو ان
کا یہ حال نہ ہوگا۔ رہی امیر المومنین عمر بن الخطاب کی استسقا میں دعا جو مہاجرین
وانصار میں مشہور ہے۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ جب ہم پر قحط پڑتا تھا۔ تو ہم تیرے پاس
نبی کا وسیلہ لاتے تھے۔ اور تو ہمیں سیراب کر دیتا تھا۔ اب ہم نبی کے چچا کا وسیلہ
لاتے ہیں۔ اس بات پر دال ہے کہ جسطرح کا وسیلہ صحابہ میں مشہور و معروف تھا
وہ آپکی دعا و شفاعت کا وسیلہ تھا نہ کہ آپ کی ذات کو درمیان میں رکھکر سوال کرنا
کیونکہ اگر یہ مشروع ہوتا۔ تو حضرت عمر اور مہاجرین و انصار آپکو چھوڑ کر دعا میں حضرت
عباس کا حوالہ نہ دیتے [1]

ان تقاریر سے ذیل کی باتیں پائی جاتی ہیں۔
۱۶ —— کہ میں محمد صلعم
اول۔۔ اسئلك نبيك محمد سے یہ مراد لینا بہتر ہوگا۔
پر ایمان و محبت کیساتھ سوال کرتا۔ اور اس ایمان و محبت کو وسیلہ بناتا ہوں۔
دوئم۔ خدا سے کبھی مخلوق کے واسطہ سے سوال ناجائز ہے۔ خواہ نبی ہو یا
کوئی اور۔
سوئم۔ کسی مخلوق کے ذریعہ سے سوال و دعا بعضوں نے جائز رکھا ہے۔ مگر
کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی۔ جس سے اسکے متعلق استدلال کیا جاسکے سوائے نابینا
والی حدیث کے۔ یہ حدیث بھی حجت نہیں کیونکہ نابینا نے آپ سے دعا کی درخواست
کی اور آپ نے دعا کی تلقین کی۔ اور یہ آپ کے معجزات سے ہے۔
چہارم۔ استسقا والی حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت عباس کی دعا کا وسیلہ

[1] کتاب الوسیلہ۔ ص ۹۹ تا ۱۰۲

لیا گیا نہ کہ ذات کا۔

امر اول کے بارہ میں یہ صاف ظاہر ہے کہ شیخ ابن تیمیہ کی یہ تاویل جو انہوں نے اس نابینا والی حدیث کی کی ہے۔ غلط ہے۔ حدیث کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وسیلہ دعا میں آپکی ذات اور عزت وحرمت کا لیا گیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ذات کے وسیلہ کیساتھ آپکی دعا کا وسیلہ بھی لیا گیا۔ دوسرے مغالطہ کی نسبت یہ بات ظاہر ہے۔ کہ وسیلہ ذات کا لیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ باب دوئیم فقرات ۱۴ و ۱۵۔ تیسری بات بھی بودی ہے۔ شیخ صاحب ایک طرح خود مان لیتے ہیں۔ کہ مخلوق کے ذریعہ سے سوال دعا بعضوں نے جائز رکھا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ آپکی دعا معجزہ تھی۔ اسلئے وہ بطور سند استعمال نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ بھی ایک بے معنی بات ہے۔ اگر نبی کی دعا معجزہ ہے۔ تو ہر ولی اور ہر کامل مومن کی دعا کرامت ہے۔ اور جو دعا مومن کی مقبول ہوتی ہے۔ وہ ہر حالت میں کرامت ہے۔ تو پھر اس نابینا والی دعا کی تخفیص کیا معنے رکھتی ہے۔ چوتھی بات بھی غلط ہے۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ دیکھو باب دوئم فقرات ۱۴ و ۱۵۔

تقاریر بالا سے ذیل کی باتیں پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہیں۔

۱ — قبر نبوی کی زیارت کرنا اور وہاں جاکر درود و سلام کہنا مشروع ہے۔ فقرات ۵ و ۶۔

۲ — اپنے لئے قبر نبوی کے پاس دعا کرنا قبولیت کے اسباب سے ہے۔ فقرات ۳ و ۷ و ۹۔

۳ — قبر نبوی کی زیارت کیلئے شد رحال مستحب ہے۔ فقرات ۴ تا ۶۔

۴ — قبر نبوی کو معبد یا مسجد بنانا اسباب شرک سے ہے۔ اسے عید

بنانا بھی ممنوع ہے۔ تاکہ قبر مقدس کی بے حرمتی نہ ہو۔ فقرہ ۶۔

۵ ۔ مصیبت کے وقت رسول اللہ صلعم کو یا کسی کامل مومن کو پکارنا اور ان سے مدد لینا جائز ہے۔ فقرہ ۱۲۔

۶ ۔ نبیوں اور صالح مومنوں کی ذات اور دعا کا وسیلہ لینا جائز ہے۔ فقرات ۱۳ ۔ ۱۴ ۔ ۱۵ ۔ و ۱۶۔

۷ ۔ قبر نبوی کے پاس درود کہنے۔ قبر سے تبرک لینے۔ اور وہاں اپنے اور رسول اللہ صلعم اور شیخین کے لئے دعا کرنے کی غرض سے ٹھیرنا جائز ہے۔ فقرہ ۱۱ ۔

صبا خاکِ وجودِ ما بآں عالی جناب انداز

بود کاں شاہ خوباں را نظر بر منظر اندازیم

چوتھا باب

شیخ ابنِ تیمیہ کے عقائد اور ان پر جرح قدح

بازِ یاراں چشم یاری داشتیم — خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم
شیوہ حشمت فریب جنگ داشت — ما غلط کردیم و صلح انگاشتیم

(پہلے عقائد نمبروار درج ہیں۔ پھر ان کے بعد ان کے جوابات ہیں)

ا۔ توسل کے تین معنے لئے جاتے ہیں۔ دو مسلمانوں میں متفق علیہ ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

اول نبی صلعم پر ایمان اور آپ کی اطاعت کے ذریعہ وسیلہ چاہنا۔

دوئم۔ آپ کی دُعا و شفاعت کا وسیلہ یعنی جن کے حق میں رسول اللہ صلعم نے دُعا و شفاعت کی۔ وہ اس سے وسیلہ حاصل کریں گے[1]

۲۔ رسول اللہ صلعم سے آپ کی وفات کے بعد دعائے مغفرت چاہنا۔ تمام صحابہ تابعین اور آئمہ اسلام کے اجماع کے قطعی خلاف ہے۔

۳۔ ملائکہ اور انبیائے صالحین سے ان کی وفات کے بعد اس طرح کا خطاب عام اس سے کہ ان کی قبروں کے واسطہ سے ہو۔ یا ان کی عدم موجودگی میں ہو یا ان کے بتوں اور تصویروں کے سامنے ہو۔ ایک عظیم ترین شرک ہے یعنی کہ ملائکہ اور انبیاء سے اُن کی موت کے بعد یا ان کی غیر حاضری میں دُعا چاہنا۔ التجا کرنا۔ استغفار چاہنا۔ شفاعت طلب کرنا دین کا وہ حصہ ہے جس کا خدا نے حکم نہیں دیا۔ نہ کسی صحابی نے اس پر عمل کیا۔ نہ کسی تابعی نے اور نہ کسی امام نے اسے جائز رکھا۔ مردوں کی شان میں قصیدے لکھ کر ان سے دُعائیں چاہنا۔ مرادیں مانگنا منتیں ماننا اور امداد و اعانت چاہنا۔ اسلام میں نہ

---

[1] کتاب الوسیلہ ص ۱۸۔ کتاب الوسیلہ ص ۲۶

مشروع ہے نہ واجب نہ مستحب[1]۔

۴۔ نہ نبی صلعم نے اور نہ آپ سے پہلے کسی اور نبی نے کہا۔ کہ ملائکہ اور انبیاء وصالحین سے دعائیں مانگو۔ شفاعت چاہو نہ ان کی قبروں سے نہ ان کی غیبت میں اور نہ کسی مُردہ نبی یا بزرگ کو اس طرح مخاطب کرنا جائز ہے کہ اے نبی اللہ اے رسول اللہ خدا سے ہمارے حق میں دُعا کرو۔ مغفرت طلب کرو وغیرہ وغیرہ[2]۔

۵۔ کسی امام نے اس کا ذکر بھی نہیں کیا کہ مناسکِ حج یا کسی اور موقع پر کسی مسلمان کے لئے مستحب ہے کہ رسول اللہ صلعم کی قبر کے سامنے جا کر شفاعت کی درخواست کرے یا اُمت کی دینی یا دنیوی مصیبتوں کی شکایت کر کے دعا کی التجا کرے۔ خود صحابہ پر آپ کی وفات کے بعد طرح طرح کی سختیاں آئیں۔ قحط پڑا۔ غربت نے ستایا۔ خطرہ پیش آیا۔ دشمن کا غلبہ ہوا۔ گناہوں نے گھیرا۔ مگر کہیں ثابت نہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی نبی صلعم کی قبر پر گیا ہو اور اُسنے کہا ہو کہ ہم آپ سے یہ شکایت یا شکوہ کرتے ہیں۔ اللہ سے ہمارے لئے یا اپنی اُمت کے لئے رزق، فتح یا مغفرت کی دعا کیجئے[3]۔

۶۔ نبی صلعم نے انبیاء و صالحین کی قبروں کو مسجد بنانا حرام ٹھہرایا ہے۔ یہ اس لئے کہ مبادا لوگ ایسی مسجدوں میں محض صاحب قبر کی عقیدت سے اس سے دعا مانگنے یا قبر کو متبرک جان کر اُس کے پاس اللہ سے دُعا مانگنے کو افضل سمجھ کر آنا جانا شروع کر دیں۔ لہذا آپ نے ایسی جگہوں کو اللہ واحد کی عبادت کے لئے کام میں لانے ہی سے روک دیا کہ شرک کا ذریعہ بن جائیں[4]۔

۷۔ مسلمانوں کی قبروں کی زیارت دو قسم کی ہو گئی۔ شرعی اور بدعتی۔ شرعی زیارت یہ ہے کہ مُردہ کے لئے دُعا کی غرض سے جائیں۔ جس طرح نمازِ جنازہ میں شرکت دعا کی غرض سے ہوتی ہے۔ قبر پر جانا اور نمازِ جنازہ پڑھنا دونوں ایک ہی قبیل سے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں

[1] ص ۲۷۔ الوسیلہ۔ [2] الوسیلہ ص ۲۸۔ [3] الوسیلہ ص ۲۹۔ [4] الوسیلہ ص ۳۱-۳۲۔

ہے۔ ولا تصل علیٰ احد منہم مات ابدا ولا تقم علیٰ قبرہ[1] الآیہ پس مومنوں کے جنازوں پر نماز پڑھنا اور ان کی قبروں پر جانا سُنّتِ متواترہ سے ہو گیا ہے۔ اس ضمن میں وہ زیارت بھی ہے جسے زیارتِ مشترکہ کہتے ہیں۔ اور جو کفار کی قبروں کے لئے جائز ہے۔ اس سے مقصود محض عبرت اور ذکرِ موت ہے[2]۔

۸۔ زیارت کی دوسری قسم بدعتی ہے۔ اس سے مقصود مُردہ سے منت ماننا۔ دُعا چاہنا۔ شفاعت طلب کرنا۔ یا براہِ راست خدا سے یہ سمجھ کر دُعا کرنا ہوتا ہے کہ اس قبر کی بندگی کی وجہ سے دُعا قبول ہو گی۔ یہ زیارت اسبابِ شرک سے ہے۔ یہی چیز تھی جس کی وجہ سے پہلے قومِ نوحؑ میں اور پھر دوسری قوموں میں بت پرستی شروع ہوئی[3]۔

۹۔ بعض بے وقوف لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھتے ہیں۔ یا یہ کہ انہوں نے نبی صلعم یا خضر علیہ السلام یا کسی اور بزرگ کو دیکھا ہے۔ حالانکہ وہ شیطان ہی ہوتا ہے۔ جو مختلف بھیسوں میں آکر دھوکہ دیتا ہے۔ جن کسی نے اس طرح کی کوئی بات دیکھی۔ یا دیکھنے والے کی تصدیق کی۔ اُس نے ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کر لیا کہ شخص واحد ایک وقت اور ایک حالت میں دو جگہ موجود ہو سکتا ہے۔ جو صریحاً خلافِ عقل ہے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ دکھائی دینے والی شکل میت کی روحانیت یا معنوی ہیئت ہے۔ جس نے مادی صورت اختیار کر لی ہے۔ یہ سب تاویلیں رکیک ہیں۔ اور واقعہ بھی ہوتا ہے کہ جن مُردہ کی صورت اختیار کرتا ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس طرح کی چیزیں دیکھ کر خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے فرشتہ دیکھا۔ حالانکہ وہ فرشتہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ فرشتوں اور جنّوں میں بہت فرق ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگوں کو شیاطین ہوا میں دُور دراز ملکوں تک اُڑا لے جاتے ہیں۔ چنانچہ کبھی یوم عرفہ میں مکہ پہنچا دیتے اور اسی دن لوٹا لاتے ہیں۔ جسے کرامت سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ کرامت نہیں شیطانی فعل ہے[4]۔

[1] ۹ آیت ۸۴۔ [2] الوسیلہ ۳۲ تا ۳۴ [3] الوسیلہ ص ۳۴ و ۳۶۔ [4] الوسیلہ ص ۴۱-۴۲۔

۱۰۔ اس تفصیل سے واضح ہوا کہ انبیاء و صالحین کو اُن کی قبروں پر سے یا اُن کی غیوبت میں پکارنے والے لوگ اُن مشرکین کے زمرہ میں داخل ہیں جو غیر اللہ سے رجوع کرتے ہیں۔ ستاروں کو یا انبیاء و ملائکہ کو ارباباً مِن دُونِ اللہ بناتے ہیں۔ اس قسم کی آیتیں قرآن میں بکثرت موجود ہیں جن میں ماسوائے اللہ سے رجوع کرنے کی قطعاً ممانعت کی گئی ہے۔ عام اس سے کہ ملائکہ ہوں یا انبیاء یا کوئی اور۔ [۱]

۱۱۔ ملائکہ سے دُعا کی التجا کرنا تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ وہ بغیر اس کے بھی مومنین کے لئے دُعا استغفار کرتے ہیں۔ اسی طرح مروی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین بھی بغیر کسی التجا کے اُن اخیار اُمت کے لئے دُعا کریں گے جن کے بارہ میں خدا اُن کو اجازت دیدیگا۔ اگر ملائکہ کا پکارنا روا نہیں۔ تو مرے ہوئے انبیاء و اولیاء کا پکارنا اور اُن سے دُعا و شفاعت چاہنا بھی روا نہیں۔ اگرچہ وہ خدا تعالےٰ کے ہاں دُعا و شفاعت کریں گے۔ اور یہ اس لئے کہ (۱) جس کے بارہ میں خدا انہیں دُعا و شفاعت کا حکم دیدے گا۔ وہ لامحالہ کریں گے۔ خواہ درخواست کی جائے یا نہ کی جائے۔ اور جس کے بارہ میں حکم نہ ہوگا ہرگز زبان نہ کھولیں گے۔ خواہ کتنی ہی کوئی ناک رگڑے۔ اس لئے ان سے درخواست کرنا فضول ہے۔ (۲) اور اس لئے کہ مرے پیچھے ان کو پکارنا اور ان سے التجا کرنا شرک تک لے جاتا ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ مصلحت بھی ہو۔ تو چونکہ شرک کی مضرّت موجود ہے اس لئے اس کی وجہ سے ہر مصلحت چھوڑ دی جائے گی لیکن یہاں تو سرے سے ہی کوئی مصلحت موجود نہیں۔ البتہ ان کی زندگی میں یا ان کی موجودگی میں دُعا و شفاعت کی التجا کرنا روا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی مضرّت موجود نہیں بلکہ منفعت ہے۔ [۲]

۱۲۔ مخلوق سے سوال اصل میں حرام۔ ضرورۃً مباح۔ اور توکّل کی رُو سے اس کا ترک کرنا افضل ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلعم نے صحابہ کی ایک جماعت سے بیعت لی اور اُن کے کان

---

[۱] الوسیلہ ص ۴۷ و ۴۸ [۲] الوسیلہ ص ۴۹-۵۰۔

میں کہا کہ لوگوں سے کچھ بھی نہ مانگنا۔ ان میں سے بعض کا چابک بھی گر جاتا تو کسی سے نہ کہتے کہ اُٹھا کر دو۔ صحیحین میں ہے کہ میری اُمت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ وہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کرلتے نہ داغ لگواتے اور نہ شگون لیتے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جھاڑ پھونک بھی ایک قسم کی دُعا ہے۔ اس سے ظاہر ہے وہ لوگ کسی سے دُعا کی بھی خواہش نہیں کرتے تھے۔ خود نبی صلعم اپنے اور دوسروں کے حق میں دُعا کیا کرتے تھے۔ مگر کسی اور سے دُعا یا پھونک کی خواہش نہ کرتے تھے۔ نہ صرف آپ ہی بلکہ تمام انبیاء کا یہی حال تھا نماز میں دُعا کا حکم ہے۔ سجدہ۔ قیام۔ رکوع میں بھی دعا جائز ہے۔ غرض بندہ کا اپنے رب سے سوال کرنا مستحسن اور مشروع ہے۔ یہ تو خود خدا سے دُعا و سوال کا معاملہ ہے۔ برخلاف اس کے مخلوق سے سوال و دُعا کرنا ایک ایسا فعل ہے جس کی اجازت نہیں دی گئی۔ البتہ علم کے لئے سوال و التجا جائز ہے۔ دیکھو آیات ۱۷-۱-۱۱-۱۵-۲۵-۱۰۔ اور یہ اس لئے کہ علم کی اشاعت واجب ہے نیز حقوق کا طلب کرنا مال فئ وغیرہ مشترک اموال میں اپنا حِصّہ طلب کرنا۔ وقف۔ میراث۔ وصیت میں حق مانگنا ضیافت لینا۔ قرض کا مطالبہ کرنا یہ ایسے سوال ہیں جو مباح ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر اور دوسرے اکابر صحابہ کبھی اپنے لئے آپ سے کوئی سوال حتیٰ کہ دُعا کی بھی درخواست نہ کرتے تھے۔ البتہ مسلمانوں کے حق میں دُعا کی التجا کرتے تھے لیکن عامہ مسلمین اپنے حق میں رسول اللہ صلعم سے دُعا کی درخواست کرتے تھے جیسا کہ اندھے نے بینائی کے لئے اور اُم سلیم نے آپ کے خادم انسؓ کے لئے دُعا چاہی اور ابوہریرہؓ نے دُعا کی التجا کی کہ انہیں اور ان کی ماں کو خدا مومنوں کی نظروں میں محبوب بنا دے۔ [۱]

---

[۱] الوسیلہ ص ۵۰ تا ۵۹

۱۳۔ مخلوق سے سوال کرنا نہ واجب ہے نہ مُستحب۔ بجز بعض موقعوں کے کیونکہ مخلوق سے سوال کرنے میں تین خرابیاں ہیں۔ اول غیر اللہ کی طرف احتیاج جو شرک کی قسم سے ہے دوم مسئول کی ایذا دہی جو ظلم خلق کی قسم سے ہے۔ سوم غیر اللہ کے سامنے عاجزی جو ظلم نفس کی قسم سے ہے۔ رہا امت کو حضور کا حکم کہ رسول کے لئے دعا کریں۔ یہ تو منجملہ ان حکموں کے ہے جن سے خود اُمت کو نفع ہوتا ہے اور بلاشبہ مسلمانوں کی دعا سے رسول اللہ کو فائدہ ہوتا ہے۔ مگر یہ ویسا ہی فائدہ ہے جیسا کہ آپ کی بتائی ہوئی دوسری عبادات و اعمال صالح پر مسلمانوں کے عمل سے ہوتا ہے۔ کیونکہ راہِ راست دکھانے والے کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے۔ جتنا کہ اس پہ چلنے والے کو۔ مگر والدین کی یہ حالت نہیں۔ انہیں اولاد کے تمام اعمال کا ثواب نہیں ملتا۔ بلکہ اُن کی دُعا وغیرہ سے نفع ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اذا مات ابن آدم انقطع عملہ الا من ثلاث صدقۃ جاریۃ وعلم ینفع بہ و ولد صالح یدعولہ[50]

۱۴۔ پھر نبی صلعم نے اُمت سے دعا کی طلب جو کی ہے۔ وہ حکم و ترغیب ہے۔ سوال نہیں۔ چنانچہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجیں۔ اور خود خدا نے بھی یہی حکم دیا ہے۔ اس طرح آپ نے حکم دیا ہے کہ ہم آپ کے لئے وسیلہ فضیلہ اور مقامِ محمود کی دعا کریں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ اسی قبیل سے وہ حدیث بھی ہے۔ جو احمد۔ ابُو داؤد۔ ترمذی اور ابنِ ماجہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے نبی صلعم سے عمرہ کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دی۔ اور فرمایا۔ لا تنسنا یا اخی من دعائک اس میں رسول اللہ صلعم نے حضرت عمرؓ سے دعا کی اس طرح خواہش کی جس طرح باقی اُمت سے صلوٰۃ و سلام۔ وسیلہ۔ فضیلہ کی طلب کی خواہش کی۔ اگر کوئی کسی سے کہے کہ میرے لئے دعا کرو۔ اور نیت یہ ہو کہ خود دُعا کرنے والے کو اپنی دعا سے

[50] الوسیلہ۔ ص ۶۲۔

نفع ہو۔ نیز کہنے والے کو بھی اپنی اس نیک تعلیم کا اجر ملے تو ایسا شخص نبی صلعم کے نقشِ قدم پہ چلنے والا ہے۔ لیکن اگر نیت یہ نہ ہو اور دُعا کرنے والے کے نفع کا خیال نہ ہو تو ایسا سوال ناپسندیدہ اور قابلِ اعتراض ہے۔ برخلاف اس کے میّت سے سوال نہ مشروع ہے نہ واجب اور نہ مستحب بلکہ مباح بھی نہیں۔ اسے صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے بھی اختیار نہیں کیا۔ نہ سلف صالحین میں سے کسی نے اسے مستحب بنایا۔ جنازہ پہ نماز اور اس کے لئے دُعا اور قبور مومنین کی زیارت عبادات سے ہے۔ لیکن شیطان نے اپنے پیروؤں کو گمراہ کر دیا ہے۔ اور وہ انبیاء و صالحین کی قبروں کی زیارت محض اس لئے کرتے ہیں کہ اُن سے سوال کریں یا اُن کے پاس سوال کریں۔ اس سے یہ لوگ مُشرک بن جاتے ہیں[51]

۱۵۔ کہاں صرف ایک اکیلے خدا کی طرف رجُوع۔ رغبت۔ امید۔ توکل کے ذریعہ سے توحیدِ خالص کا نمونہ بننا اور کہاں مخلوق کی طرف رجوع۔ رغبت۔ امید اور غیر اللہ سے خدا کی سی محبت کر کے خالق کے ساتھ شرک کرنا[52]

۱۶۔ وہ وسیلہ جس کے چاہنے کا خدا ابتغوا الیہ الوسیلہ میں حکم دیتا ہے۔ تمام تر یہی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کی پیروی کے ذریعہ سے تقرب حاصل کیا جائے۔ اس کے سوا خدا تک کسی کے لئے کوئی اور وسیلہ نہیں۔ ایک وسیلہ خاص رسول اللہ صلعم کے لئے ہے۔ جیسا کہ آتِ محمداً الوسیلہ والفضیلہ وابعثہ مقاما محمودا الذی وابعثہ کی دُعا میں ہے۔ آپ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ کے لئے یہ دعا کریں۔ نیز آپ نے بشارت دی ہے کہ جو کوئی آپ کے لئے وسیلہ طلب کرے گا۔ اس کے لئے قیامت کے دن آپ کی شفاعت ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلعم کے لئے دعا کریں گے اور آپ ہمارے لئے دعا کریں گے۔ کیونکہ شفاعت بھی دعا کی قسم سے ہے۔[53]

[51] الوسیلہ ص ۶۳ تا ۶۶ [52] الوسیلہ ص ۶۷ [53] الوسیلہ ص ۷۴ و ۷۵

۱۷۔ تیسری قسم وسیلہ کی یہ ہے کہ خدا کو رسول اللہ صلعم کی قسمیں دلائیں یا آپ کی ذات سے وسیلہ چاہیں۔ یہ معنی وسیلہ سنت میں کہیں بھی وارد نہیں ہوا ہے۔ صحابہ نے نبی صلعم کی وفات کے بعد آپ کے چچا عباس کا وسیلہ چاہا۔ جیسا کہ استسقا کے باب میں وارد ہے یہ وسیلہ عباس کی دعا کا تھا۔ ذات کا نہ تھا۔ جب آپ کی دعا کا وسیلہ نہیں چاہا گیا بلکہ عباس کی دعا کا وسیلہ چاہا گیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ دعا جو آپ کی زندگی میں ہوتی تھی آپ کے وصال کے بعد ناممکن ہو گئی [49]

۱۸۔ آپ کی ذات کا وسیلہ نہ تو استسقا میں نہ کسی اور موقع پر نہ آپ کی زندگی میں نہ آپ کی وفات کے بعد۔ نہ آپ کی قبر پر نہ کسی اور کی قبر پر اور نہ آپ کی مشہور دعاؤں میں کہیں وارد ہے۔ یہی امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ بشر الولید نے ابو یوسف سے روایت کی ہے کہ ابو حنیفہ ہم سے کہا کرتے تھے کہ کسی کے لئے خدا سے بجز اس کی ذات کے حوالے سے دعا روا نہیں۔ میں دعا میں بحق خلقک کہنا ناپسند کرتا ہوں اور یہی قول ابو یوسف کا بھی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میں دعا میں بحق فلاں یا بحق انبیائک ورسلک وبحق البیت الحرام والمشعر الحرام کہنا ناپسند کرتا ہوں۔ قدوری کا قول ہے۔ کہ خدا سے اس کی مخلوق کا واسطہ دے کر سوال کرنا جائز نہیں۔ [50]

۱۹۔ کسی محترم چیز کے حوالہ سے سوال مثلاً انبیاء کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرنا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ اے خدا تیرے ملائکہ و انبیاء و صالحین میں سے فلاں فلاں کے حق عزت و حرمت کا تجھے واسطہ دیتا ہوں تو یہ بات اس وقت مفید مطلب ہوگی۔ جب کہ ان کی لائی ہوئی ہدایت کی اطاعت کی جائے۔ لیکن اگر اطاعت موجود نہ ہو۔ تو پھر ان کی عزت و حرمت کے حوالہ سے دعا کچھ مفید نہ ہوگی۔

[49] الوسیلہ ص ۷۵ ۔ [50] الوسیلہ ص ۷۶ و ۷۷

ہاں اگر سائل محمد صلعم پر اپنے ایمان۔ آپ کی محبت و اطاعت کا حوالہ دے کر سوال کرے۔ تو بلاشبہ یہ دعا ایک بڑے سبب پر مبنی ہوگی۔ جو اجابت کا ایک ذریعہ ہے [51]

۲۰۔ انبیاء کے حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوال جائز ہے۔ [52]

۲۱۔ اگر اللّٰھم انی اسئلک بنبیک محمد کو اس معنی پر محمول کیا جائے کہ میں محمد صلعم کے ایمان و محبت کے ساتھ سوال کرتا۔ اور اس ایمان و محبت کو وسیلہ بناتا ہوں۔ تو پھر اس کے درست ہونے میں کلام نہیں۔ اور اگر یہی معنی بعض صحابہ و تابعین و امام احمد وغیرہ کا نبی صلعم کو وصال کے بعد بھی وسیلہ قرار دینے کے لئے جائیں تو ٹھیک ہے۔ اگر اس طرح نبی صلعم کی دعا و شفاعت کا وسیلہ چاہنا مراد ہو۔ جیسا کہ اصحابہ کا دستور تھا۔ تو یہ بھی بلا نزاع جائز ہے۔ اسی طرح رشتہ کا حوالہ دیکر سوال کرنا درست ہے۔ جیسا کہ واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام میں ہے [53]

۲۲۔ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ خدا سے کسی مخلوق کے واسطے سے سوال کرنا جائز نہیں۔ عام اس سے کہ انبیاء ہوں یا کوئی اور اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کو اس کی مخلوق کی قسم دلانا۔ اور یہ باتفاق جمہور علماء ممنوع ہے۔ دوم یہ کہ کسی مخلوق کے ذریعہ سے سوال دعا۔ تو اسے بعض نے جائز بتایا ہے۔ اور بعض سلف سے بھی اس میں آثار منقول ہیں۔ اور بہت سے اور لوگوں کی دعاؤں میں بھی اسی طرح الفاظ آئے ہیں لیکن نبی صلعم سے جو کچھ مروی ہے۔ وہ ضعیف بلکہ موضوع ہے۔ نابینا والی حدیث بھی حجت نہیں ہو سکتی کیونکہ اندھے نے آپ کی دعا و شفاعت کا وسیلہ چاہا تھا۔ اور یہ آپ کے معجزات سے تھا اور اندھے اب اس دعا کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ کیونکہ اب اس طرح کے وسیلہ سے ان کی بینائی واپس نہ آئے گی [54]

۲۳۔ قسم اور سوال میں فرق ہے۔ سوال عاجزی ہے۔ مگر قسم اس سے مختلف ہے۔

[51] الوسیلہ ص ۸۶ تا ۸۸ و ۹۰ تا ۹۶ [52] الوسیلہ ص ۹۰ و ۹۶ [53] الوسیلہ ص ۹۹ و ۱۰۰ [54] الوسیلہ ص ۱۰۱ و ۱۰۲

حق تعالیٰ کے حضور میں سوال ہو سکتا ہے۔ اور ہر ایک کی دُعا قبول ہو سکتی ہے۔ مگر قسم پوری کر دینے کا امتیاز اس نے اپنے خاص خاص بندوں کو دیا ہے۔ [۱ھ]

۲۴ - انبیاء کے حوالہ سے سوال ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے ناجائز قرار دیا ہے مشہور مذہب مالکی ہیں اس کے خلاف کوئی بات نہیں ملتی۔ امام مالک اور ان کے اصحاب سے اس بارے میں کوئی روایت منقول نہیں۔ یہ کہیں مذکور نہیں کہ صحابہ میں سے کسی نے بھی خود آپ کی زندگی میں آپ کی ذات یا کسی اور مخلوق کی ذات کے واسطہ سے استسقاء یا کسی اور موقع پر سوال کیا ہو۔ [۲ھ]

۲۵ - امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے اصحاب نے کہا ہے کہ استسقاء میں اہلِ خیر و صلاح کی دعا کا وسیلہ ڈھونڈنا چاہیئے۔ اگر رسول اللہ صلعم کے رشتہ دار موجود ہوں تو حضرت عمر کی پیروی میں اُن کا وسیلہ افضل ہے۔ لیکن کسی اہلِ علم نے بھی نہیں کہا کہ نبی یا غیر نبی یا کسی مخلوق کی ذات کے حوالہ سے استسقاء میں دُعا کرنا روا ہے۔ [۳ھ]

۲۶ - قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفا میں وہ روائیتیں نقل کی ہیں جو امام مالک اور اصحاب مالک سے مشہور ہیں۔ بلاشبہ اُنہوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ نبی صلعم کی عزّت و حُرمت وفات کے بعد بھی ویسی ہی ضروری ہے جیسی کہ حیات میں تھی۔ [۳ھ]

۲۷ - امام مالکؒ اور دوسرے آئمہ نے بھی کہا ہے کہ مسجدِ نبوی میں رسول اللہ صلعم پر سلام کے بعد اگر اپنے لیئے دُعا کا ارادہ ہو تو قبلہ کی طرف رُخ کرنا چاہیئے۔ نہ کہ آپ کی قبر کی طرف۔ ہاں سلام اور آپ کے لیئے دُعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف رُخ کرنا چاہیئے امام مالکؒ نے قبرِ نبوی کے پاس زیادہ دیر تک کھڑے ہونے کو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔ [۴ھ]

۲۸ - قاضی عیاض نے مبسوط میں امام مالک سے نقل کی ہے۔ کہ "میرے نزدیک قبرِ نبوی پر کھڑے ہو کر دعا نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ سلام کر کے ہٹ جانا چاہیئے۔ کیونکہ نافع

[۱ھ] الوسیلہ ص ۱۰۲ [۲ھ] الوسیلہ ص ۱۰۳ و ۱۰۴ [۳ھ] الوسیلہ ص ۱۰۴۔ [۳ھ] الوسیلہ ص ۵ [۴ھ] الوسیلہ ص ۱۰۹۔

کہتے ہیں۔ کہ ابن عمر کو میں نے سینکڑوں مرتبہ دیکھا۔ کہ قبر مبارک پر آتے اور کہتے نبی صلعم پر سلام۔ ابوبکرؓ پر سلام۔ میرے باپ پر سلام پھر چلے جاتے۔ نیز ابن عمر کو دیکھا گیا کہ منبر پر نبی صلعم کی نشست پہ ہاتھ رکھتے۔ پھر اپنے چہرہ پر ملتے تھے۔ [۱ھ]

۲۹ - دوسرے لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ مالک نے مبسوط میں کہا کہ اہل مدینہ میں سے جو کوئی مسجد میں داخل ہو یا باہر نکلے اس کے لیئے قبر پر کھڑا ہونا ضروری نہیں۔ یہ صرف پردیسیوں کے لیئے ہے۔ نیز مبسوط میں مالک کا قول ہے کہ سفر پر جانے اور سفر سے لوٹنے والوں کے لیئے قبرِ اطہر پر کھڑے ہونا ناجائز نہیں اور جو لوگ بغیر سفر کے ایسا کرتے ہیں اور کبھی دن میں ایک مرتبہ۔ کبھی اس سے بھی زیادہ مرتبہ قبر کے پاس کھڑے ہوتے سلام کرتے اور دیر تک دُعا کرتے رہتے ہیں۔ اس کا ترک کرنا امام مالک کے نزدیک اولیٰ ہے۔ کیونکہ حدیثِ نبوی ہے۔ لا تجعلوا قبری عیداً یعنی میری قبر کو بار بار آنے جانے کی جگہ نہ بناؤ۔ [۲ھ]

۳۰ - نبی صلعم کی قبر کے پاس یا آپ کے وصال کے بعد آپ سے دُعا کرنا مراد یں مانگنا۔ سفارش و شفاعت چاہنا۔ ایک ایسا فعل ہے جو سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔ اگر ایسا کرنا مشروع ہوتا۔ تو صحابہ ضرور کرتے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ ایک منقطع حکایت میں امام مالک کی طرف یہ الفاظ منسوب کرنا کہ رسول اللہ صلعم کی طرف رخ کرو اور آپ سے شفاعت چاہو۔ امام موصوف پر بہتان باندھنا ہے۔ [۳ھ]

۳۱ - قبر شریف کے پاس سلام کو امام احمد اور دوسرے اماموں نے حیوہ ابن شریح المصری کی حدیث کی بنا پر جائز بتایا ہے۔ اس میں ہے مامنا احد یسلم علی الا رد اللہ روحی حتی ارد علیہ السلام مگر قبرِ انور کی زیارت کی حدیثیں سب کی سب ضعیف اور ناقابلِ التفات ہیں۔ [۴ھ]

[۱ھ] الوسیلہ ص ۱۰۹ و ۱۱۰ [۲ھ] الوسیلہ ص ۱۱۰ و ۱۱۱ [۳ھ] الوسیلہ ص ۱۱۲ [۴ھ] الوسیلہ ص ۱۱۳

۳۲ - قبرِ نبوی کی زیارت باتفاق جملہ اہلِ اسلام واجب نہیں ۔ بلکہ اس کے ارادہ سے سفر کا بھی حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ اس سفر سے منع ہی کر دیا گیا ہے۔ ہاں مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ میں نماز کے لئے سفر مُستحب اور حج کے لئے کعبہ کا سفر فرض ہے [1]

۳۳ - تمام آئمہ متفق ہیں کہ اگر نبی صلعم یا دوسرے انبیاء و صالحین کی قبروں کی زیارت کے لئے منّت مانی گئی۔ تو اسے پورا کرنا روا نہیں۔ اس کے خلاف مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ میں نماز کی منّت کا پورا کرنا ضروری ہے ۔ اس بارے میں امام شافعی سے دو قول مروی ہیں - ایک یہ کہ اس منت کا پورا کرنا واجب ہے ۔ اور یہی امام احمد اور امام مالک کا مذہب ہے۔ دوسرا قول یہ کہ واجب نہیں اور یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے ۔ کیونکہ ان کا اصول یہ ہے کہ نذر اُسی فعل کی واجب ہو گی جو خود شرعاً واجب ہے ۔ [2]

۳۴ - امام مالک اس قول تک کو مکُروہ قرار دیتے ہیں ۔ کہ "میں نے قبرِ نبوی کی زیارت کی" کیونکہ اس میں بدعتی زیارت بھی داخل ہے ۔ بدعتی زیارت مُردوں سے دعائیں مانگنا منتیں ماننا ۔ قبروں کے پاس دُعائیں مانگنا یا فوت شدہ انبیاء و صالحین کے ذات کے حوالہ سے سوال کرنا ہے ۔ چونکہ لفظ زیارت مشتبہ و مجمل اور حق و باطل دونوں کو مشتمل ہے ۔ اس لئے امام مالک نے اسے ناپسند کیا [3]

۳۵ - جو لوگ انبیاء و صالحین کی قبروں پر جاتے ہیں تاکہ وہاں نماز پڑھیں یا دُعا کریں وہ حرام کے مرتکب ہوتے ہیں ۔ البتہ مُردہ کے حق میں دُعا کرنے کے لیے جانا درست ہے [4]

۳۶ - مخلوق کی ذات کے حوالے سے دُعا کے متعلق جتنی حدیثیں بھی مروی ہیں وہ نہایت ضعیف بلکہ سراسر موضوع ہیں ۔ آئمہ اسلام میں سے کسی نے بھی ان سے استدلال نہیں کیا ہے ۔ اسی طرح کی وہ حدیث ہے جو عبدالملک بن ہارون بن عمرہ عن ابیہ عن جدہ

[1] الوسیلہ ص ۱۱۴ [2] الوسیلہ ص ۱۱۴ و ۱۱۵ [3] الوسیلہ ص ۱۱۵ [4] الوسیلہ ص ۱۱۶ -

سے روایت کی جاتی ہے ۔ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں :- اللھم انی اسئلک بحمد نبیک و با براھیم خلیلک الخ ۔ اسی طرح کی وہ حدیث ہے ۔ جو عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ اور دادا کے واسطہ سے حضرت عمرؓ سے مرفوعاً و موقوفاً روایت کی ہے ۔ اس حدیث میں آدم علیہ السلام کی دعا ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے یا اب انی اسئلک بحقِ محمدؐ اسی قبیل سے وہ حدیث ہے ۔ جسے موسیٰ بن عبدالرحمٰن صفال نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے ۔ اس باب میں جو آثار سلف سے مروی ہیں وہ بھی اکثر ضعیف ہیں [1]

۳۷ - نابینا والی حدیث وسیلہ کی دوسری قسم میں داخل ہے ۔ یعنی اس میں نبی صلعم کی دعا سے وسیلہ ہے نہ کہ آپ کی ذات سے [2]

۳۸ - آپ کی ذات کے حوالے سے دُعا کرنا بہت سے علماء نے ناجائز بتایا ہے اور اگر بعض نے جائز بتایا ہے تو پھر یہ مختلف فیہ مسئلہ ہُوا ۔ بہت سے علماء نے اس طرح دعا کرنے سے منع کیا ہے [3]

۳۹ - اللہ تعالیٰ نے ماسوا سے دلوں کا رشتہ بالکل کاٹ دیا ہے ۔ نہ رغبت جائز رکھی ہے نہ رہبت نہ عبادت اور نہ استعانت ۔ غرضیکہ کوئی ایسی چیز باقی نہیں رکھی ہے ۔ جس میں شرک کا ادنےٰ سا شائبہ بھی ہو ۔ ہاں ایک شفاعت رکھی ہے مگر اس کے بارے میں بھی فرمادیا ہے ولا ینفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ آیت ۲۲-۹) [4]

۴۰ - مخلوقات کے حوالہ سے دعا جن کی خدا نے قسم کھائی اور جنہیں بزرگی دی - اگر جائز ہے تو ان سب کے حوالہ سے جائز ہے ۔ اگر جائز نہیں تو کسی کے حوالہ سے بھی جائز نہیں ۔ رہی محترم مخلوقات میں تفریق کہ بعض کے حوالہ سے دعا کریں گے اور بعض کے حوالہ سے نہیں ۔ سو یہ تفریق ویسی ہے جیسی کہ بعضوں نے قسم کے معاملہ میں کی ہے ۔ کہ فلاں مخلوق کی قسم کھانا جائز ہے اور فلاں کی نہیں ۔ یہ دو تو تفریقیں باطل

[1] الوسیلہ ص ۱۳۱ تا ۱۳۴ [2] الوسیلہ ص ۱۴۵ تا ۱۵۶ - ۲۶۲ - ۲۱۲ تا ۲۱۴ - [3] الوسیلہ ص ۳۶۳ تا ۱۶۹ - ۲۲۸
[4] الوسیلہ ص ۱۴۳

اور بے بنیاد ہیں۔ اسی طرح اگر یہ تفریق کی جائے کہ جن مخلوقات پر ایمان لانا ضروری
ہے۔ ان کی قسم کھائی جائے۔ اور اُن کے واسطہ سے دعا کی جائے اور جن پر ایمان لانا
ضروری نہیں ان کی قسم نہ کھائی جائے اور نہ ان کے واسطہ سے دعا کی جائے تو اس صورت
میں بھی کہا جائے گا۔ کہ کیا ملائکہ۔ انبیا۔ منکر نکیر۔ جنت کے حور و غلمان وغیرہ تمام چیزوں
کی قسم کھاؤ گے اور ان کے واسطہ سے دعا کرو گے۔ کیونکہ ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی تفریق نہ دعا میں ہو سکتی ہے اور نہ قسم میں۔ یہ سب ناجائز
ہے۔ [1]

۴۱- نبی صلعم کی دُعا و شفاعت سے وسیلہ دو طرح پر ہوگا۔ ایک یہ کہ آپ سے درخواست
کی جائے اور آپ دُعا و شفاعت فرمائیں۔ جیسا کہ آپ کی زندگی میں ہوتا تھا۔ اور جیسا کہ
قیامت کو ہوگا۔ دوسرے یہ کہ آپ سے درخواست کے ساتھ خدا سے دُعا کی جائے
کہ آپ کی دعا و شفاعت اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ جیسا کہ نابینا والی حدیث میں ہے
کہ آپ نے نابینا کو دُعا کا بھی حکم دیا تھا۔ آپ کی دُعا و شفاعت سے وسیلہ اُسی وقت
وسیلہ ہے۔ جب کہ آپ دُعا کریں ورنہ وہ وسیلہ ہی نہیں ہے۔ اس طرح رسول اللہ
صلعم کی اطاعت اور آپ کی شفاعت دونوں وسیلوں کے لئے ضروری ہے۔ کہ خود
وسیلہ چاہنے والا بھی ساتھ ساتھ دُعا کرے۔ [2]

۴۲- استشفاع اور توسل کی حقیقت صرف دُعا چاہتی ہے نہ کچھ اور۔ [3]

۴۳- رسول اللہ صلعم سے استسقا۔ استشفاع اور توسل صرف آپ کی زندگی میں
ہو سکتا تھا۔ بعد وفات ممکن نہیں۔ [4]

۴۴- آپ کا اُمت سے اپنے لئے دُعا چاہنا۔ مخلوق کے مخلوق سے سوال کرنے کی
قسم میں داخل نہیں۔ [5]

۱؎ الوسیلہ ص ۱۶۷ ۱۶۸-۱۷۵ تا ۱۹۱ ۲؎ وسیلہ ص ۱۹۹ ۳؎ الوسیلہ ص ۲۰۰ تا ۲۰۲ ۴؎ الوسیلہ ص ۲۰۵-۲۰۶-۲۱۰ ۵؎ الوسیلہ ص ۲۶۵ تا ۲۱۷

۴۵- جن چیزوں کی قدرت خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ان میں ملائکہ و انبیا کی طرف رجوع
جائز نہیں۔ پس خدائے تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی مخلوق سے یہ کہنا روا نہیں کہ ہمیں بخش دو۔
سیراب کرو۔ کافروں پر فتحیاب کرو ہدایت دو۔ کیونکہ ان باتوں کا اختیار صرف اللہ ہی کو
ہے۔ [1]

۴۶- انبیاء و ملائکہ کے پکارنے اور اُن سے دعا طلب کرنے سے اللہ تعالیٰ نے
ہمیں منع کر دیا ہے۔ حالانکہ خود اُسی نے ہمیں یہ خبر بھی دی ہے کہ ملائکہ ہمارے لئے
دعائیں کرتے اور مغفرت چاہتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے ہمارے لئے روا نہیں۔ کہ
ہم اُن سے اس کی درخواست کریں۔ اسی طرح انبیاء و صالحین گو کہ وہ اپنی قبروں میں
زندہ ہی ہوں۔ گو کہ وہ زندوں کے حق میں دعا ہی کرتے ہوں لیکن کسی کے لئے جائز
نہیں کہ اُن سے یہ چیز طلب کرے۔ بالخصوص جب کہ سلفِ صالح میں سے کسی ایک نے
بھی کبھی ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ یہ اُن کی عبادت اور ان کے شرک کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ برخلاف
اس کے زندگی میں اُن سے اس طرح کی التجا کرنے سے شرک کا اندیشہ نہیں۔ [2]

۴۷- ملائکہ اور انبیاء و صالحین موت کے بعد زندوں کے لئے جو کچھ دعائیں کرتے
ہیں وہ قانونِ قدرت کے ماتحت کرتے ہیں۔ اور برابر کرتے رہیں گے۔ عام اس سے کہ اُن
سے دُعا کی درخواست کی جائے یا نہ کی جائے۔ سائل کی درخواست اُن پر بالکل غیر مؤثر
ہے۔ کیونکہ سائل کی غرض پوری کرنے کا حکم اس دار التکلیف میں ہے۔ جس سے مرجانے
کے بعد وہ قدرتاً مستثنیٰ ہو گئے ہیں۔ [3]

۴۸- مخلوقات سے پناہ مانگنا بھی جائز نہیں۔ پناہ صرف اللہ اور اس کے اسماء و
صفات سے ہی مانگنا چاہیے۔ [4]

۴۹- وسیلہ کا دوسرا نام اعمال صالح ہے۔

۱؎ الوسیلہ ص ۲۱۳ و ۲۱۷- ۲؎ الوسیلہ ص ۲۱۸ و ۲۱۹ ۳؎ الوسیلہ ص ۲۱۹ تا ۲۲۲، ۲۲۶ ۴؎ الوسیلہ ص ۲۲۷

۵۰ - میت سے کوئی درخواست کرنا بالکل بے فائدہ ہے۔ کیونکہ وہ اس سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتے۔ جو کچھ قدرت نے مقدر کر دیا ہے۔ اُس پر مُردے عمل کرتے ہیں اور جو نہیں کیا اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جیساکہ ملائکہ صرف حکم خداوندی کی تعمیل کرتے ہیں [1]

۵۱ - مخلوق سے سوال و دُعا کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ البتہ علم کے لئے سوال و التجا جائز بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون (۱۷-۱) نیز حقوق کا طلب کرنا مال فی وغیرہ مشترکہ اموال میں اپنا حق طلب کرنا۔ وقف۔ میراث۔ وصیت میں حق مانگنا۔ ضیافت لینا۔ قرض کا مطالبہ کرنا ایسے سوال ہیں جو مباح ہیں [2]

۵۲ - جو نام اکثر عبادت گزار اور عام لوگوں کی زبانوں پر جاری ہیں۔ مثلاً غوث جو مکہ میں ہوتا ہے اور چار اوتاد۔ سات قطب۔ چالیس ابدال اور تین سو نجباء یہ نام کتاب اللہ میں موجود نہیں۔ اور نہ یہ نبی صلعم سے مروی ہیں۔ نہ تو اسناد صحیح سے اور نہ ضعیف محتمل سے سوائے لفظ ابدال کے جن کی نسبت ایک حدیث منقطع الاسناد حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے مروی ہے۔ اور یہ نبی صلعم تک مرفوع ہے۔ یہ نام اس ترتیب پر کلام سلف میں بھی نہیں پائے گئے ہیں۔ اور نہ اس ترتیب پر ان مشائخ سے منقول ہیں جو عامۃ الناس کے نزدیک مقبول ہیں۔ [3]

۵۳ - یہ نام اس عدد۔ ترتیب اور ان طبقوں کے ساتھ ہر تہ ماننے میں حق نہیں ہو سکتے۔ بلکہ قطعی طور پر یہ بات واجب ہے کہ یہ نام اس عموم اور اطلاق کی بنا پر باطل ہیں۔ کیونکہ مومن کبھی کم ہوتے ہیں۔ اور کبھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اور مختلف مقامات میں ہوتے ہیں اور یہ لازمی بات نہیں کہ اولیاء اللہ اہل تقویٰ و ایمان اور مقربون السابقون تمام زمانوں میں ایک مقام میں ہوں [4]

[1] الوسیلہ ص ۲۴۶ [2] الوسیلہ ص ۵۶-۵۷ [3] و [4] مجموعۃ الرسائل ابن تیمیہ جلد اول۔ ص ۴۴ و ۴۷

۵۴ - رسول اللہ صلعم نے اور آپ کے صحابہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور مدینہ دار ہجرۃ و سنتہ و نصرت تھا۔ اور مستقر نبوت و مقام خلافت اور نبوت تھا۔ اُسی کے اندر خلفائے راشدین حضرت ابوبکرؓ عمر عثمان اور علی سے بیعت منعقد ہوئی۔ اور یہ محال ہے کہ اس زمانے میں مکہ میں کچھ ایسے لوگ موجود تھے جو ان سے افضل تھے۔ پھر اسلام مشارق و مغارب میں پھیلا۔ اور مومنوں میں اولیاء اللہ ہر وقت موجود ہوتے تھے۔ بلکہ صدیق۔ سالک کی تعداد اس قدر تھی جن کا حساب سوائے پروردگار عالمین کے کوئی نہ جانتا تھا۔ ان کی تعداد ۳۰۰ یا تین ہزار نہ تھی۔ اسی طرح ان قرونِ ثلاثہ کے بعد بھی قرونِ گزشتہ میں اولیاء اللہ تھے جو کوئی ان کی تعداد معین کر دے وہ ظالم ہے۔ [1]

۵۵ - لفظ غوث یا غیاث کا مستحق اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔ وہی مستغیثین کا غیاث ہے۔ اُس کے بعد کسی سے استغاثہ جائز نہیں۔ نہ ملک مقرب سے اور نہ نبی مرسل سے۔ اور جس نے یہ خیال کیا کہ اہلِ ارض اپنی حاجتیں جن کے ذریعہ وہ تکلیف کا ازالہ اور نزولِ رحمت چاہتے ہیں تین سو کے پاس لے جاتے ہیں۔ تین سو ستر کے پاس ستر چالیس کے پاس۔ چالیس سات کے پاس۔ سات چار کے پاس اور چار غوث کے پاس لے جاتے ہیں۔ وہ کاذب گمراہ اور مشرک ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے مشرکوں کی نسبت خبر دی ہے۔ واذا مسکم الضر فی البحر ضل من تدعون الا ایاہ امن یجیب المضطر اذا دعاہ الآیہ پس مومن کس طرح اللہ کے پاس حجاب کے چند واسطوں سے اپنی حاجتیں لے جا سکتے ہیں۔ جب کہ وہ خود کہتا ہے واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلہم یرشدون۔ الآیہ۔ اور حضرت خلیل علیہ السلام نے اہلِ مکہ کے لئے دُعا کرتے ہوئے یہ کہا۔ ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلٰوۃ

[1] مجموعۃ الرسائل والمسائل ابن تیمیہ حصہ اول ص ۴۷ و ۴۸۔

فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون۔ ربنا انک تعلم ما نخفی وما نعلن وما یخفی علی اللہ من شیئ فی الارض ولا فی السماء الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسماعیل واسحاق ان ربی لسمیع الدعاء۔ اور نبی صلعم نے اپنے اصحاب کو کہا جب کہ انہوں نے تلبیہ میں آوازیں بلند کیں۔ اے لوگو! آہستگی سے کام لو کیونکہ تم گونگے کو نہیں بُلاتے ہو اور نہ غائب کو۔ بلکہ تم تو جس کو بلاتے ہو وہ تمہاری رگ جاں سے بھی زیادہ تمہارے نزدیک ہے۔ [1]

۵۶۔ قطب کا لفظ بھی ان کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ کہ فلاں شخص قطبوں میں سے ہے اور فلاں قطب ہے۔ جس شخص پر کسی امر دین و دنیا کا باطنی یا ظاہری طور مدار ہو۔ وہ اس امر کا قطب اور اس کا مدار ہے۔ خواہ اس پر اس کے گھر۔ دیہہ اور شہر کا کوئی دینی یا دنیوی امر باطنی ظاہری طور منحصر ہو اور اس معنی میں سات کے ساتھ یا اس سے کم یا زیادہ کے ساتھ اختصاص نہیں لیکن اس معنی میں ممدوح وہ ہے جو صلاح دنیا چھوڑ کر صلاح دین کا مدار ہو۔ یہی شخص ان کے عُرف میں قطب ہے۔ اور کبھی اتفاق ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں اللہ کے یہاں دو یا تین فضیلت میں ہم مرتبہ ہوں۔ لیکن یہ لازمی بات نہیں کہ ہر زمانے میں ایک ہی شخص ہو اور وہ اللہ تعالےٰ کے یہاں تمام خلقت سے افضل ہو۔ اور اسی طرح لفظ بدل اُن کے کلام میں بہت آیا ہے لیکن حدیث مرفوع کی نسبت زیادہ مناسب یہ ہے کہ وہ نبی صلعم کے کلام سے نہیں۔ کیونکہ ایمان فتوح شام کے قبل حجاز اور یمن میں تھا۔ اور شام اور عراق کفر کا گھر تھے۔ اس کے علاوہ خلافتِ علیؓ کے متعلق نبی صلعم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نکلنے والے (خوارج) نکلیں گے۔ مسلمانوں کے ایک بہتر فرقہ پر۔ اور اُن کے ساتھ مسلمانوں میں سے وہ فرقہ لڑے گا جو حق پر ہوگا۔ سو علی اور ان کے اصحاب حق کے زیادہ نزدیک تھے۔ ان لوگوں سے جو ان کے ساتھ لڑے اور جو اہل شام سے

[1] مجموعۃ الرسائل والمسائل جلد اول ص ۴۷ و ۴۸

تھے۔ ان لوگوں سے افضل تھے۔ جو معاویہ کے ساتھ تھے۔ سعد بن ابی وقاص اور ان جیسے جو شامل جنگ نہ ہوئے وہ دونوں فرقوں سے افضل تھے۔ پس اس بات کی موجودگی میں یہ اعتقاد کس طرح رکھا جا سکتا ہے کہ تمام ابدال جو افضل خلق ہیں شام میں ہوتے ہیں۔ یہ بات قطعی طور پر باطل ہے۔ اگرچہ شام اور اہلِ شام کے بارے میں فضائل مفروضہ وارد ہوئے ہیں [1]

۵۷۔ اسی طرح جو چالیس ابدالوں کی نسبت یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ وہ لوگ ہیں۔ جن کی وجہ سے لوگوں کی مدد کی جاتی ہے۔ اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ یہ باطل ہے۔ بلکہ مدد اور رزق مختلف اسباب سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان اسباب میں سے زیادہ موکد مسلمانوں مومنوں کی دعا اُن کی نمازیں اور اُن کا اخلاص ہے۔ اور یہ بات چالیس کے اندر مقید نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ ان سے تھوڑی تعداد میں اور نہ زیادہ میں۔ جیسا کہ مشہور حدیث میں ہے۔ کیا اس کو بھی وہی حصہ ملتا ہے۔ جو ضعیفوں کو ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا اے سعد کیا تم مدد نہیں کئے جاتے اور رزق نہیں دئے جاتے۔ مگر ضعیفوں کی وجہ سے اُن کی دعاؤں اُن کی نمازوں اور اُن کے اخلاص کی وجہ سے اور کبھی مدد اور رزق کے اور اسباب بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ کافر اور فاجر بھی مدد اور رزق دئے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ مسلمانوں پر بھی قحط ڈالتا ہے۔ اور اُن کو اُن کے دشمن سے ڈراتا ہے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کرے۔ اور اپنے گناہوں سے تائب ہوں۔ سو وہ اُن کے لئے گناہوں کا بخشنا اور تکلیفات کا دُور کرنا جمع کرتا ہے۔ اور وہ کبھی کافروں پر استغناء اور کثرت بھیجتا ہے اور اُن پر باران رحمت برساتا ہے۔ اور اُن کے لئے اموال و اولاد بڑھاتا ہے۔ اور اُن کو درجے درجے سے گزارتا ہے۔ اس طرح سے کہ لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہوتا۔ اور یہ اس لئے کہ وہ یا تو اُن کو دُنیا میں ہی پکڑتا ہے۔ جیسا کہ عزیز و مقتدر کا

[1] مجموعہ الرسائل المسائل ابن تیمیہ جلد اول ص ۴۹ - ۵۰ -

کا بیکو ڈنل ہے یا اُن پر آخرت میں عذاب دُگنا کرنا ہے۔ پس ہر ایک انعام کرامت نہیں اور نہ ہر ایک امتحان عقوبت ہے [1]۔

۵۸۔ اولیاء متفنین کیا بلکہ انبیائے مرسلین میں بھی ایسا کوئی نہیں جو کہ ہمیشہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو۔ بلکہ یہ بات اسی طرح کی بات ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ علیؓ بادل میں ہے۔ محمدؐ بن حنیفہ جبال رضوی میں ہے۔ محمدؐ بن حسن سرداب سامرہ میں ہے۔ حاکم جبل مصر میں ہے۔ اور کہ ابدال رجالِ غیب جبل لبنان میں ہیں۔ یہ بات اور اسی طرح کی اور باتیں جھوٹ اور بہتان ہیں۔ البتہ کسی شخص کو یہ خرقِ عادت حاصل ہوتی ہے کہ وہ کبھی لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ یا تو دفع دشمن کے لئے یا کسی اور غرض سے۔ لیکن یہ بات کہ وہ تمام عمر اس حالت میں رہتا ہے باطل ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے دل کا نور اس کے دل کی ہدایت اُس کے اسرار اس کی امانت اُس کے انوار اور اس کی معرفت لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہیں۔ اور کہ اس کی صلاحیت اور ولایت اکثر لوگوں سے مستور ہو۔ ایسا ضرور ہو سکتا ہے اور کہ اسرارِ حق اُس کے اور اس کے اولیاء کے درمیان ہو سکتے ہیں۔ درحالیکہ لوگ نہ جانتے ہوں [2]۔

۵۹۔ یہ قلندر لوگ جو ڈاڑھیاں مونڈتے ہیں یہ اہل ضلالت و جہالت سے ہیں۔ ان میں سے اکثر اللہ اور رسول کے منکر ہیں۔ وہ صوم و صلوٰۃ کی فرضیت کے قائل نہیں اور نہ اللہ و رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں۔ اور نہ دینِ حق پر چلتے ہیں بلکہ اکثر ان میں سے یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ کفر میں مُبتلا ہیں۔ یہ نہ تو اہلِ ملّت سے ہیں اور نہ اہل سُنت سے۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مسلمان ہوتے ہیں لیکن وہ اہلِ بدعت و ضلالت یا اہلِ فسق و فجور ہیں [3]۔

۶۰۔ نذر قبروں کے لئے یا قبر والوں کے لئے یا اُن لوگوں کے لئے جو قبروں پر معتکف

[1] مجموعۃ الرسائل والمسائل ابن تیمیہ جلد اول ص ۵۰-۵۱ [2] مجموعۃ الرسائل والمسائل ابن تیمیہ حصہ اول ص ۵۱ [3] مجموعۃ الرسائل والمسائل حصہ اول ص ۵۳-۵۴

ہوں۔ خواہ وہ قبریں نبیوں کی ہوں یا صالح مومنوں کی۔ حرام مطلق ہے۔ اور وہ اس نذر کے مشابہ ہے جو بتوں کے لئے رکھی جاتی ہے۔ خواہ وہ تیل کی یا شمع کی یا اور طرح کی نذر ہو۔ کیونکہ نبی صلعم نے فرمایا ہے۔ لعن اللہ زوارات القبور و المتخذین علیہا المساجد والسرج۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے لعنت کی ہے اُن پر جو قبروں کی زیارت کریں اور اُن کو مسجدیں بنائیں اور چراغ جلائیں [1]۔

۶۱۔ جس نے یہ خیال کیا کہ ملائکہ اور انبیاء رگانے پر حاضر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کو اس سے محبت و رغبت ہوتی ہے وہ مفتری کاذب ہے۔ بلکہ ایسے موقع پر شیاطین حاضر ہوتے ہیں۔ شیطان کے آثار اہلِ سماع جہلی پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے جھاگ کا منہ سے نکلنا۔ بدن کا پھڑپھڑانا اور مکروہ آوازیں نکالنا [2]۔

۶۲۔ ایک حدیث جسے بعض غزوۂ تبوک کے بارے میں روایت کرتے ہیں یہ ہے۔ رجعنا من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر۔ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ اور نہ اس کی کسی ایسے شخص نے روایت کی ہے جو اقوال و افعالِ نبی سے معرفت رکھتا ہو۔ جہاد کرنا تمام اعمال سے اعظم ہے بلکہ وہ تو انسان کی عبادات سے بھی افضل ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم و انفسھم فضّل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین الخ۔

ہم اب ان اعتقادات کو ترتیب وار لیتے ہیں۔

۱۔ درست ہے۔

۲۔ صحابہ۔ تابعین اور آئمہ اسلام کا اجماع کہاں ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد آپ سے دعائے مغفرت چاہنا ممنوع ہے پس کہتا ہوں کہ جناب رسول اللہ

[1] مجموعۃ الرسائل والمسائل ابن تیمیہ حصہ اول ص ۵۳ و ۵۴ [2] مجموعۃ الرسائل والمسائل ابن تیمیہ حصہ اول ص ۵۶

فرائض نبوت ادا کرنے سے قاصر رہیں گے۔ اگر آپ اپنی اُمت کے افراد کے لئے بعد وفات خود دُعا نہ کر سکیں گے۔ تزکیہ کا اہم منصب رسول کا ہے۔ اور اس کی نسبت ابواب اوّل اور دوئم میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ فرض آپ ہرگز ادا نہیں کر سکتے جب تک کہ آپ اپنے اُمت کے قابل افراد کے پاک کرنے کی دُعا نہ کریں۔ استمداد بعد وفات کے متعلق بھی اوپر بحث ہو چکی ہے۔ گذشتہ ابواب کتاب ہذا دیکھیں اور وہاں اس کا حل پڑھیں [1] اگر جناب رسول اللہ صلعم سے دُعا کی کیفیت وفات کے بعد مسلوب ہو چکی ہے تو پھر آپ معاذ اللہ منصب نبوت سے معطل ہیں جو محال مطلق ہے۔ کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں اور اس حیثیت سے آپ اپنے فرائض قیامت تک ادا کرتے رہیں گے۔ ہاں ایک بات ہے اور وہ یہ کہ قبرِ نبوی پر دُعا کرنے کے متعلق صحابہ اور تابعین کے اقوال و افعال بہ تفصیل ہم تک نہیں پہنچے۔ دعا ایک فعلِ قلبی و نفسی ہے۔ لوگ مختلف موقعوں پر اپنے لئے اور اپنے دینی بھائیوں کے لئے دعائیں مانگا کرتے ہیں۔ مگر دل ہی دل میں۔ اُس کا اعلان نہیں کرتے۔ البتہ جو دعائیں مومن نماز جماعت کے بعد اکٹھے مل کر کرتے ہیں اُن کا کبھی اعلان بھی ہو جاتا ہے۔ مگر جو دُعائیں فرداً فرداً مومن مانگتے ہیں۔ اور انہوں نے فرداً فرداً مانگی ہیں اُن کا ریکارڈ کہیں موجود نہیں۔ پس یہی وجہ ہے کہ صحابہ اور تابعین سے ایسی تفصیلی دعاؤں کے متعلق بہت کم ہم تک پہنچا ہے یہی حالت بعض دیگر اعمال صالح کی ہے۔ صحابہ اور تابعین کے متعلق ایسے تفصیلی حالات ہم تک بہت کم پہنچے ہیں۔ کہ کس کس نے کس کس وقت پر کیا کیا دُعا کی اور ہر ایک نے قبروں پر جا کر اہل مقابر کے لئے کیا کیا دعائیں کیں۔ یہ تفصیلی باتیں ہم تک پہنچنی مشکل تھیں اور اسی لئے ہم تک نہیں پہنچیں۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ کسی نے بھی اپنے اور اپنے بھائی کے لئے دُعا نہ کی بالکل غلط ہے۔ اس طرح ہمیں چند اور باتیں ملتی ہیں جن کے

[1] ابواب اول و دوم

متعلق صحابہ اور تابعین سے کچھ بھی ہم تک نہیں پہنچا۔ کیا اب ہم ان سب باتوں سے انکار کر دیں مثال کے طور پر ہم کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں ہے کذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض۔ الآیہ۔ قرآن کے رُو سے ملکوت کے رموز و اسرار کا دکھانا صرف حضرت ابراہیم اور خاتم النبیین کے لئے پایا گیا ہے۔ لیکن ہم تک کوئی بات نہیں پہنچی۔ نہ قرآن کے رُو سے نہ کسی اور طرح کہ کسی اور نبی کو بھی ان رموز و اسرار کے وقوف سے سرفراز کیا گیا۔ خاتم النبیین کے متعلق سورہ اسراء میں نریہ من آیاتنا آیا ہے۔ اور ملکوت آیات میں شامل ہے۔ اسی طرح صدیقوں کامل مومنوں اور دیگر نبیوں کی نسبت اس بارہ میں صحابہ اور تابعین وغیرہ سے کچھ بھی ہم تک نہیں پہنچا ہے۔ کیا اب ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ سوائے خاتم النبیین اور حضرت ابراہیم کے اور کسی کو جنو ابھی ملکوت کے رموز و اسرار نہیں بتائے گئے۔ حالانکہ اصولاً ایسے رموز و اسرار تمام انبیاء اور تمام صدیقوں کو کم و بیش دکھائے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان کی باطنی آنکھ اور باطنی کان کھلتے ہیں۔ تو وہ خود ان رموز و اسرار کا معائنہ کر سکتا ہے۔ اور باطنی آنکھ اور کان اس وقت کھلتے ہیں جب کہ خدا اُس کا ہاتھ پاؤں۔ کان آنکھ دل اور زبان ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بُخاری اور مسند احمد کی روایت میں ہے [1] اسی طرح حیثیت خاتم النبیین کے رسول کا منصب ہے کہ وہ قابل افراد کو اپنی دُعا و استغفار سے پاک کریں اور اپنی دُعا کے ذریعہ دین اسلام کو باقی ادیان پر غالب کریں۔ جو غلبہ ابھی تک اسلام کو حاصل نہیں ہوا۔ جیسا کہ پہلے باب میں بیان کر دیا گیا ہے۔ صحابہ و تابعین سے ہم تک کچھ بھی نہیں پہنچا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم اپنی وفات کے بعد کس طرح تزکیہ اور غلبہ دین کی دعا کرتے ہیں۔ تو کیا اب ہم اس اصلی بات سے انکار ہی کر دیں۔ کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جناب رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں۔ کہ میری آنکھ تو سوتی ہے مگر میرا دل نہیں سوتا۔ جیسا کہ

[1] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ منتخب جلد اول ص ۱۱۲-۱۱۳

بخاری کی روایت میں ہے [۵۱] اصول یہ ہے کہ جس مومن کی آنکھ کان دل زبان وغیرہ خدا
بن جاتا ہے اس کو قلب کی یہ بیداری حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس کا دل نیند میں بھی
بیدار رہتا ہے۔ یہ بیداری خصوصیاتِ انبیاء سے نہیں [۵۲] چونکہ اس کے متعلق صحابہ و
تابعین سے ہم کو کچھ نہیں پہنچا۔ اس لئے ہم یہ فرض کر لیں کہ یہ کیفیت سوائے رسول اللہ
صلعم کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ اور کہ یہ خصوصیاتِ انبیاء سے ہے۔ جیسا کہ بعض
کو مغالطہ لگا ہے۔ ایسی اُونچی اُونچی باتوں کی نسبت تفصیلی حالات صحابہ اور تابعین کے
ہم تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ اور نہ پہنچے۔ مگر اس سے نتیجہ تخصیص کا نکالنا کمال عرفاں کے
اصول کو مٹا دینا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ذکر ذکرِ خفی ہے جیسا کہ مسند احمد اور شعب الایمان
بیہقی کی روایت میں ہے۔ [۵۳] اس بارہ میں کچھ بھی ہم تک صحابہ اور تابعین سے
نہیں پہنچا۔ کیا اب ہم یہ سمجھ لیں کہ یہ ذکرِ خفی رسول اللہ صلعم کا ذاتی عمل ہوگا اور کہ ان کے
بعد یہ ذکر کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ حاشا و کلا۔ اس ذکر کا سکھانا اور اس کے ذریعے پاک
کرنا رسولؐ کا ذاتی منصب ہے۔ ایسا ذکر کامل مومنوں کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ جیسا کہ باب
اول میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ [۵۴] اگر اب بھی کوئی امام ہم کو یہ کہ دیں کہ ہم تک صحابہ
اور تابعین کا عمل اس کے متعلق نہیں پہنچا اس لئے یہ ذکر کسی صحابی اور تابعی نے اختیار
نہیں کیا۔ تو کیا یہ درست ہوگا۔ ہرگز نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ کی قبر پر جا کر لوگ درود و سلام
پڑھتے ہیں۔ مگر ہم تک صحابہ اور تابعین کے بارے میں یہ فرداً فرداً تفصیلی ذکر نہیں پہنچا
ہے۔ کہ کس کس صحابی اور کس کس تابعی نے وہاں کیا کیا الفاظ درود و سلام کے اختیار کئے
یہ حالات ہم تک پہنچیں یا نہ پہنچیں اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ اصول موجود ہے۔ وہ یہ کہ
درود و سلام آپ پر بھیجی جاتی ہے۔ اور کہ اس کا طریقِ مسنون بھی حدیثوں میں بیان کر دیا
گیا ہے۔ اسی طرح تزکیہ کا اصول موجود ہے اور آپ اپنی اُمت کے قابل افراد کو پاک کرتے

[۵۱] بخاری حصہ اول ص ۵۰۶۔ [۵۲] اس کے متعلق بحث باب اول میں ہو چکی ہے دیکھو نقرہ ۲۶۔ [۵۳] منتخب جلد اول
باب فی الذکر ص ۳۲۶۔ [۵۴] دیکھو فقرات ۱۰ تا ۲۶۔

ہیں۔ خواہ وہ پاک کرنا دعا کے ذریعے سے ہو۔ خواہ استغفا کے ذریعے سے۔ خواہ
کسی اور طرح [۱] کیونکہ قرآن کھلے بندوں اس کا اعلان کرتا ہے۔ اور ایسے اعلان کی
صداقت سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلعم ہم کو بتا رہے ہیں کہ افرادِ
مومنین کا پاک کرنا اُن کا کام ہے اور ہم اس بات کو بھی جانتے ہیں کہ یہ تزکیہ افراد
کی صورت میں آپ کی دعا کے بغیر نہیں بن پڑتا۔ اس پر ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ
مولف حصن حصین امام محمد جزری نے حضور کی وفات کے بعد آپ سے دعا کی استدعا
پیش کی۔ اور کہ حضور علیہ الصلوٰۃ نے ان کے لئے دُعا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اور
ان کے ساتھی دشمن سے بچ گئے۔ اسی طرح امام قسطلانی اور مصنف قصیدہ بردہ کی
استدعا دعا کا حال ہم تک پہنچا ہے۔ امام حسن بصری ہم کو بتلاتے ہیں کہ جو دعا قبرِ
نبوی پر کی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے [۲] اب ان باتوں کی موجودگی میں ادا کیا۔
حالات آپ کو چاہئیں جن سے آپ کو معلوم ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ بعد وفات اپنی
اُمت کے افراد کے لئے دعا کیا کرتے ہیں۔ عالمِ برزخ کے تمام حالات ہم پر ظاہر نہیں
ہو سکتے۔ یہ حُسن اتفاق کی بات ہے کہ کوئی چیز وہاں کی ہم تک پہنچ جائے۔ کسی کو معلوم
نہ تھا۔ کہ قبر کے اندر بھی قرآن پڑھا جاتا ہے۔ ایک صحابی نے قبر پر خیمہ لگایا تو دیکھا کہ
ایک شخص سورۂ ملک پڑھ رہا ہے یہ ماجرا رسول اللہ صلعم سے عرض کیا گیا۔ آپ نے
اس کی تصدیق کی۔ اگر یہ واقعہ ہم کو معلوم نہ ہوتا تو کوئی اس بات کو باور نہ کر سکتا تھا
کہ قبر میں بھی قرآن پڑھا جاتا ہے۔ یہی حال حضور علیہ الصلوٰۃ کی اُن دُعاؤں کا ہے۔
جو آپ سے اپنی اُمت کے لئے بعدِ وفات صادر ہوتی ہیں شیخ ابنِ تیمیہ کہتے ہیں۔ کہ
جناب رسول اللہ صلعم سے وفات کے بعد دُعائے مغفرت چاہنا تمام صحابہ تابعین
اور آئمہ اسلام کے اجماع کے خلاف ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ شیخ ابن تیمیہ جیسا عالم اس قسم

[۱] دیکھو باب اول فقرات ۸ تا ۲ [۲] حصن حصین اماکن اجابۃ ص ۳۲-۳۳

کا خیال ظاہر کرے۔ اجماع چار قسم کا ہوتا ہے۔

اوّل :۔ اجماع صحابہ کرام کا کسی حادثہ اور مسئلہ میں زبان سے کچھ کہہ کر۔

دوئم :۔ اجماع صحابہ کا اس طرح پر کہ بعض زبان سے کہیں یا عمل کریں۔ اور دوسرے اس قول یا عمل کو ردّ نہ کریں۔ بلکہ خاموش رہیں۔

سوئم :۔ اجماع تابعین یا تبع تابعین کا ایسے مسئلہ میں جس میں سلف نے کچھ نہیں کہا۔

چہارم :۔ اجماعِ متاخرین کا سلف کے اقوال میں سے کسی قول پر[1]

رسول اللہ سے آپ کی وفات کے بعد دعائے مغفرت کی استدعا کے متعلق اوّل اور دوئم قسم کا اجماع تحریمی نہیں پایا گیا۔ کیونکہ کسی صحابہ نے اس کے متعلق زبان سے کچھ نہیں فرمایا۔ اور نہ کوئی ایسا عمل کیا جسے دوسروں نے ردّ نہیں کیا۔ اس میں چہارم قسم کا اجماع بھی نہیں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ سلف کا کوئی قول اس کے متعلق موجود نہیں جس پر متاخرین نے اجماع کیا ہو۔ اب رہا تابعین یا تبع تابعین کا اجماع ایسے امر کے متعلق جس میں سلف نے کچھ نہیں کہا۔ ایسا اجماع بھی ثابت نہیں۔ کیونکہ اس مسئلہ کے متعلق نصوص و آثار موجود ہیں۔ جن سے ایسی استدعا جائز قرار پاتی ہے۔ اوّل تو تزکیہ کا مسئلہ۔ اس کے متعلق پہلا باب ملاحظہ فرمائیں۔ ہر ایک مومن کی یہ کوشش ہے کہ وہ کسی طرح پاک ہو جائے وہ زہد بھی اختیار کرتا ہے اور کسی کامل اُستاد کے ہاتھ میں ہاتھ بھی دیتا ہے۔ ذکر نفسی و قلبی بھی اختیار کرتا ہے۔ ذکر دائمی بھی اپنا شیوہ بناتا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود اسے رسول اللہ صلعم کی قوتِ تزکیہ سے مدد لینا پڑتی اور آپ سے تزکیہ کی استدعا کرنا پڑتی ہے۔ اور ایسی استدعا آپ کی رُوحِ عظمیٰ سے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ نابینا والی حدیث موجود ہے جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ آپ سے توسّل و تشفع آپ کی حینِ حیات

[1] تفصیل کے لئے دیکھو توضیح تلویح حسامی۔ نور الانوار۔ شرح اصول شاشی فصل اجماع۔

میں اور آپ کی وفات کے بعد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ دُعا اب تک مشروع ہے۔[1]

اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ حوائج دینی و دنیوی کے انجاح کے لئے رسول اللہ صلعم کے حضور میں خشوع و خضوع سے رجوع کیا جائے۔ اور آپ سے استشفاع و توسّل کیا جائے کیونکہ سلوک کی کٹھن منزلیں آپ کی توجہ اور مدد کے بغیر نہیں کٹتی۔ اور نہ آپ کے توسّل کے بغیر کسی سالک کا دامنِ مراد گوہرِ مقصود سے بھرپور ہوتا ہے۔ اور اسی میں ضرورتِ نبوت کا راز مرکوز ہے۔ استسقاء والی حدیث مشہور ہے۔ اسی حدیث کی بنا پر امام جزری کی رائے ہے کہ ہر حالت میں اور ہر وقت نبیوں اور صدیقوں کا وسیلہ لیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ دنیا میں موجود ہوں۔ خواہ زیرِ زمین چھپ گئے ہوں۔ یہ کامل لوگ تلوار برہنہ ہوتے ہیں۔ جب تک بہ قیدِ حیات ہوتے ہیں۔ یہ تلوار میان میں رہتی ہے۔ جب آگے کو سدھارتے ہیں تو پھر یہ تلوار برہنہ ہو جاتی ہے۔ اس وقت ان کی روحانی طاقت متوسلوں کے بڑے بڑے کام نکالتی ہے۔ اسی نے امام جزری امام قسطلانی اور بہت سے کامل مومنوں اور ولیوں نے آپ کے وصال کے بعد آپ کی رُوحِ اقدس سے تکالیف کے وقت توسل کیا ہے۔ جیسا کہ اُوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اب شیخ ابنِ تیمیہ اور ان کے چند ہوا داروں کے اس قول کی بنا پر کہ آپ سے بعدِ وفات دعا کی استدعا نہیں ہو سکتی۔ اسی استدعا کی تحریم پر اجماع منعقد نہیں ہو سکتا۔ صحابہ قبرِ نبوی پر جایا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عمر ابن الخطاب حضرات حسنینؓ۔ حضرت بلالؓ۔ حضرت معاذ بن جبلؓ۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ۔ وغیرہ کے سوانح سے پتہ چلتا ہے۔ ان حضرات کو باطنی مشکلات بھی پیش آتی ہوں گی۔ جیسے کہ خود رسول اللہ صلعم کو پیش آتی تھیں۔ ان مشکلات کے حل کے لئے آپ رسول اللہ صلعم سے توسّل کرتے ہوں گے۔ لیکن اس توسل کا اعلان نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ

[1] دیکھو باب سوم فقرہ ۱۴۔

ایسا توسل باطنی کیفیت سے تعلق رکھتا تھا۔ اس پر ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ صحابہ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فرمانے کے مطابق استسقاء میں آپ کی قبر مبارک سے توسل کیا۔ جیسا کہ دارمی کی روایت میں ہے۔ ؎ ان آثار۔ ان شواہد ان قرائن کی موجودگی میں کوئی کس طرح کہ سکتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ سے دعائے استغفار چاہنا تمام صحابہ۔ تابعین اور تمام آئمہ اسلام کے اجماع کے قطعی خلاف ہے ؎ اس مسئلہ کی نسبت مفصل بحث ابواب گزشتہ میں بھی کی گئی ہے۔ یہاں اختصار کے طور پر دو چار باتیں بیان کئے دیتا ہوں۔

اول۔ کیا رسول اللہ صلعم کی قبر پر جانا جائز ہے۔

دوئم۔ کیا قبر نبوی پر جا کر درود پڑھنا جائز ہے۔

سوئم۔ کیا درود دعا کی ایک قسم ہے۔

چہارم۔ کیا درود کا جواب رسول اللہ صلعم دیتے ہیں۔

پنجم۔ کیا رسول اللہ صلعم میں وفات کے بعد سے وہ تمام روحانی قوتیں موجود ہیں۔ جو ان میں زندگی کے وقت میں موجود تھیں۔

ششم۔ کیا جو نماز انبیا برزخ میں پڑھتے ہیں اور ان میں اوروں کے لئے دعائیں کرتے ہیں کیا وہ دعائیں اُن کی بے اثر و عبث ہوتی ہیں۔

ہفتم۔ کیا مُردے زندوں کے لئے دعائیں کر سکتے ہیں۔

ہشتم۔ کیا دعا کی استدعا رسول اللہ صلعم سے آپ کی وفات کے بعد ہو سکتی ہے۔

نہم۔ آپ سے دُعا کی استدعا کس اصول پر مبنی ہے۔

؎ مشکوٰۃ: باب الکرامات ؎ اس اعتقاد کے متعلق دیکھو جوابات ۳-۴ و ۵- ابواب اول- دوم و سوم میں مفصل بحث ان تمام امور پر ہو چکی ہے۔ ان تقریرات کو یہاں دہرایا نہیں گیا ہے۔ اشارات کو بھی ملاحظہ فرمادیں۔

دہم۔ کیا کسی امام نے رسول اللہ صلعم سے بعد وفات دعا چاہنے کو ممنوع قرار دیا ہے؟

اب ہر ایک امر کے متعلق خلاصہ تقریر سُن لیجیے۔

اول:۔ جائز ہے۔ دیکھو باب دوئم بالخصوص فقرات ۳ تا ۶

دوئم: جائز ہے۔ جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے۔ دیکھو ابواب دوئم و سوئم و کتب احادیث باب الصلاۃ علی النبی صلعم۔

سوم:۔ درود واقعی دعا کی ایک قسم ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ دیکھو مجمع البحار لفظ صلاۃ

چہارم:۔ درود کا جواب رسول اللہ صلعم سے دیا جاتا ہے۔ دیکھو کتب احادیث علی النبی صلعم

پنجم:۔ یقیناً موجود ہیں۔ دیکھو ابواب گزشتہ بالخصوص باب اوّل فقرات ۳۴ تا ۳۹-۔ و باب دوم فقرات ۸ تا ۱۸

ششم۔ ایسی دعائیں بے اثر نہیں ہوتیں کیونکہ نبی اور ولی کوئی فعل عبث نہیں کرتے خواہ وہ اس دُنیا میں ہوں اور خواہ اُس دنیا میں اگر ان کی دعائیں عبث اور بے اثر ہوں تو پھر ان کا نماز میں اوروں کے لئے دعا کرنا ایک فعل لغو ہے جو محال مطلق ہے۔ دیکھو ابواب گذشتہ بالخصوص باب اوّل فقرات ۳۸ و ۳۹- و باب دوم فقرات ۱۶ و ۱۷-

ہفتم: اموات دعائیں مانگ سکتے ہیں۔ جب زندے مُردوں کی قبروں پر جا کر ان کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ اور سلام کرتے ہیں تو مُردے بھی ان کی رشد و ہدایت کی دعا جوابی کرتے ہیں۔ دیکھو ابواب گذشتہ بالخصوص باب سوم۔ فقرات ۱ و ۲ و جواب ۸-

ہشتم:۔ استدعا ہو سکتی ہے۔ دیکھو ابواب گزشتہ بالخصوص باب اوّل۔ فقرات ۲۷ تا ۳۹ باب دوئم۔ فقرات ۶ تا ۲۲ باب سوم۔ فقرات ۷-۱۲-۱۳-۱۵-

نہم:۔ ہر ایک سالک کو کمال ولایت حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ صلعم کی قوتِ تزکیہ کا مرہون منت ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ کوئی مومن آپ کی دُعائے تزکیہ کے بغیر پاک نہیں ہو سکتا۔ پس اصول تقاضا اس بات کا کرتا ہے کہ آپ سے تزکیہ۔ کمالِ معرفت اور فلاحِ تام

کی دعا کی استدعا کی جائے۔ دیکھو بابِ اول فقرات ۸ تا ۲۲۔ ۳۰ و ۲۹۔

دہم:۔ نہیں۔ صرف شیخ ابن تیمیہ اور ان کے بعض ہوادار اس سے منع کرتے ہیں۔
پس رسول اللہ سے اب بعد وفات دعا چاہنا ممنوع نہیں۔ اور جو ایسا خیال کرے وہ غلطی پر ہے۔ اس اعتقاد کے متعلق دیکھو جوابات ۳ تا ۶۔ فوت شدہ نبی یا ولی کی قبر پر جا کر اس سے دعا کا سوال ایک روحانی اصول پر مبنی ہے۔ اس اصول کی تحقیق بجائے خود چند اہم امور پر انحصار رکھتی ہے۔ اور وہ امور یہ ہیں۔

۱۔ کیا فوت شدہ نبی اور ولی کی روح زندہ ہوتی ہے ؟

۲۔ کیا زندہ یا فوت شدہ کامل مومن کی رُوح کسی دوسری رُوح کو دیکھ سکتی ہے۔ اور اُس سے مکالمہ میں مشغول ہو سکتی ہے۔

۳۔ کیا فوت شدہ کامل مومن کی رُوح دیکھتی سنتی اور ادراک کرتی ہے۔ اور اس کے دیکھنے سننے اور ادراک کرنے سے زندوں کا دیکھنا سننا اور ادراک کرنا مشابہت رکھتا ہے۔

۴۔ فوت شدہ نبی یا ولی کی رُوح کا اس قبر سے کیا تعلق ہوتا ہے۔ جس میں اس کا جسم مدفون ہوتا ہے۔

۵۔ برزخ میں اور اس دنیا میں روح کی طاقتوں اور قوتوں میں کیا فرق ہے ؟

۶۔ فوت شدہ نبی اور ولی کی رُوح سے دعا کی استدعا کس طرح کی جا سکتی ہے اور کیا روح اس کا ادراک کرتی ہے۔

۷۔ کیا فوت شدہ ولی کی روح میں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ زندہ مومن کی استدعا سُن کر اس کے انجاح حوائج میں سعی کرے۔ اس بارے میں خاتم النبیین اور دیگر انبیاء اور اولیاء کی روحانی طاقت میں کیا فرق ہے۔

اب ہر ایک امر کو لیتا ہوں۔

۱۔ ہاں زندہ ہوتی ہے۔ نبی اور ولی کی روح تو درکنار برزخ میں تو سب کافروں

کی روحیں بھی زندہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ عذاب قبر سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیثوں میں ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب عذاب قبر۔ اور باب دوم فقرات ۸ تا ۱۱ و ۱۶ تا ۲۱۔ و باب سوم فقرہ ۱۲۔

۲۔ دیکھ سکتی اور مکالمہ میں مشغول ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ معراج کی حدیث اور دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے جو معراج کیا وہ جسم کے ساتھ کیا اور رُوح کی غیر معمولی قوت سے کیا۔ آپ نے اپنی حینِ حیات میں ہی نبیوں کی روحوں اور فرشتوں سے ملاقاتیں کیں۔ صدیقوں کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ وہ بھی زندگی میں ہی فرشتوں کو دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت مریم کے متعلق قرآن میں مذکور ہے۔ اسی کو کشفِ ملکوت کہتے ہیں۔ دیکھو باب پنجم ضمن ششم فرشتہ رُوحِ مجرّد ہے۔ اگر کوئی فرشتے کو دیکھ سکے تو وہ انسان کی روح کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ انسان کی رُوح اور فرشتے میں بلحاظ بساطت کے کوئی فرق نہیں۔ فرق اگر ہے تو فضیلت مقابلہ میں۔ اگر زندہ نبی فرشتے یا روحِ مجرّد سے ملاقات کر سکتا ہے۔ تو زندہ ولی بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ وحی اور الہام حقیقت میں ایک ہی شئے ہیں۔ ان میں جو فرق ہے وہ صرف اضافی ہے۔ ایک شے جب نبی کی طرف منسوب ہو تو وحی کہلاتی ہے۔ اور وہی شے اگر ولی کی طرف منسوب ہو تو الہام کہلاتی ہے۔ نبی مامور من اللہ ہوتا ہے۔ اور تبلیغ کے مقام عالی میں ہوتا ہے۔ ہر ایک ولی کے لئے یہ صورت لازمی نہیں۔ وحی میں فرشتہ نبی سے اور الہام میں ولی سے ہمکلام ہوتا ہے۔ دیکھو باب پنجم ضمنِ الہام۔ فرشتے اور روح میں دید اور مکالمہ باہمی قبر کے اندر ہوتا ہے۔ بلکہ اسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے جب کہ روح تن سے جدا ہوتی ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ و دیگر کتب احادیث باب عذابِ قبر۔ نبی یا ولی کا کسی روح کو دیکھنا باطنی آنکھ کان وغیرہ کے وا ہونے پر منحصر ہے۔ ہر کامل مومن کی باطنی آنکھ کان اور دیگر جوارح اپنی پوری قوت کے ساتھ کارفرما ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس

کی نسبت مفصل بحث باب اول میں کی گئی ہے۔ دیکھو فقرات ۱۱ تا ۱۵ و ۱۹ تا ۲۴ و ۳۰ و ۳۴ و ۳۷ تا ۴۰۔ جب مومن کی باطنی آنکھ اور کان کھل جائیں تو وہ فرشتوں اور ارواحِ انسانی کو دیکھ سکتا اور اُن سے مکالمہ کر سکتا ہے۔ بلکہ وہ تو خدا کا جلوہ بھی تجلّیِ ذاتی کی صورت میں دیکھ پاتا ہے۔ انسان کا بڑا کمال یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں تجلّیِ ذاتی سے سرفراز ہو۔ دیکھو باب پنجم ضمن سوم۔ تجلّیِ ذاتی میں انسان حق تعالیٰ کا جلوہ دیکھتا ہے۔ جیسا کہ حدیثوں میں ہے۔ حق تعالےٰ کا جلوہ دیکھنا ملکوت السموات والارض میں داخل ہے۔ اور ان رموز و اسرار کا کم و بیش دیکھنا نبیوں اور کامل ولیوں کے لئے ممکن ہے۔ جیسا کہ اسی جواب میں اُوپر بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص حق تعالےٰ کا جلوہ اور زمین و آسمان کے انوار و اسرار باطنی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے۔ اس کے لئے روحوں اور فرشتوں کا دیکھنا معمولی بات ہے۔ کیونکہ زمین و آسمان کے اسرار میں فرشتوں اور روحوں کی حقیقت داخل ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں کشفِ قبور اور کشفِ ملکوت سے تعلق رکھتی ہیں۔

۳۔ روح کی طاقت جسم سے جدا ہو کر بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور جو طاقت اس میں زندگی کے وقت پیدا ہو جاتی ہیں۔ وفات کے بعد ان میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ دیکھو بابِ اوّل فقرات ۱۱ - ۱۵ - ۳۸ - و باب دوم فقرات ۸ تا ۱۲ - و ۱۶ تا ۲۱ - ایک زندہ نبی اور ولی کی آنکھ دور دراز فاصلوں سے دیکھ اور سن سکتی ہے۔ اور وہ ان چیزوں کا ادراک کرتے ہیں۔ جن کا ادراک عامی مومنوں کی طاقت سے بالاتر ہوتا ہے۔ وفات کے بعد چونکہ روح کی طاقتوں سے تمام قیود اٹھ جاتی ہیں۔ اس لئے فوت شدہ مومن کی روح کی طاقت زندہ مومن کی روح کی طاقت سے زیادہ ہوتی ہے۔ بلکہ اس کی طاقت کا صحیح صحیح اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ روحیں جسم سے جدا ہوتے ہی اعلےٰ علیین یا اسفل السافلین وغیرہ مقامات میں چلی جاتی ہیں۔ یہ روح کی طاقت سطح مکان و زمان کی ہے۔ فوت شدہ مومن

مومن کی روح عالمِ برزخ اور جنت میں سیر کرتی پھرتی ہے۔ جو بات ایک زندہ مومن کی روح کو مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ فوت شدہ مومن کی رُوح کا تعلق اس قبر سے ضرور ہوتا ہے۔ جہاں اس کا جسم مدفون ہوتا ہے۔ اُس قبر کے اندر بھی رُوح سے فرشتوں کا مکالمہ ہوتا ہے اور وہاں بھی عذاب و ثواب شروع ہو جاتا ہے۔ اور وہاں بھی لوگ جا کر ان کے لئے دعائے مغفرت مانگتے ہیں۔ جسے اموات کی رُوحیں ادراک کرتی اور جوابی دُعا کرتی ہیں۔ جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔ دیکھو باب دوم۔ فقرات ۱۲ و ۱۷ تا ۲۱ و باب سوم فقرات ۱ و ۲۔ قبر میں روحیں قرآن و نماز پڑھتی ہیں۔ جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔ رسول اللہ نے موسیٰ اور دیگر انبیا کو قبر میں نمازیں پڑھتے دیکھا۔ تفصیل کے لئے دیکھو بابِ اوّل فقرہ ۱۷ - ۳۸ و ۳۹ و باب دوم فقرات ۱۶ و ۱۷۔ اگر رُوح کی آمد و رفت قبر میں نہ ہو تو پھر اہلِ قبور کس طرح قبروں میں نماز اور قرآن پڑھ سکتے ہیں۔

۵۔ اس کی نسبت بحث (۳) میں ہو چکی ہے۔

۶۔ دعا کی استدعا زبان سے کہہ کر یا دل میں رکھ کر ہوتی ہے۔ زبان سے کہی ہوئی بات فوت شدہ نبی اور ولی سُن لیتا ہے۔ جیسا کہ بابِ اوّل فقرہ ۱۷ میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ دل میں کہی ہوئی بات کو بھی فوت شدہ نبی یا ولی کی رُوح معلوم کر لیتی ہے۔ کیونکہ رُوح اپنی فراست کی وجہ سے ایسے ادراک کی قوت رکھتی ہے۔ مومن اللہ تعالیٰ کے نُور سے دیکھتا ہے۔ جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں ہے اور یہ دیکھنا رُوح کی آنکھ سے ہوتا ہے۔ اور رُوح فوت شدہ نبی اور ولی کی زندہ ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو باب سوم فقرہ ۱۲ و امر (۵) بالا۔ حدیث میں ہے کہ جب قبر نبوی پر جا کر کوئی درود پڑھے تو نبی صلعم سُن لیتے ہیں۔ دیکھو مشکوٰۃ باب الصّلوٰۃ علی النبیؐ۔ درود دو طرح سے پڑھا جاتا ہے۔ زبان سے اُونچی کہہ کر یا دل میں

ہی کہہ کر۔ زبان سے کہی ہوئی بات کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ آواز سے ہوا میں تموّج
پیدا ہوتا ہے۔ اور آپ کی رُوح اقدس اُسے سُن پاتی ہے۔ گو کہ یہ سُننا بھی غیر معمولی
سُننا ہے۔ کیونکہ جسم پر منوں مٹی پڑی ہوتی ہے۔ جیساکہ اس کی نسبت مفصل ذکر
بابِ اول کے فقرہ ۷ میں کیا گیا ہے۔ اگر درود قبر پر جاکر دل میں ہی پڑھا جائے
اور آواز باہر نہ نکلے تو ایسے درود کا ادراک بھی آپ کی رُوح کرتی ہے۔ جیساکہ حدیث
کا منشا ہے۔ اور یہ ادراک رُوح کا باطنی قوت سے ہوتا ہے پس قبر پر جو درود پڑھا جائے
خواہ وہ درود دل میں ہی پڑھا جائے اس کا ادراک اس حدیث کے رُو سے رُوحِ
نبوی کرتی ہے۔ اور جس طرح آپ کی رُوح اس درود کا ادراک کرسکتی ہے اُسی طرح
دوسری دُعا کا بھی ادراک کرسکتی ہے ۔۔۔ خواہ وہ دُعا دل سے کی جائے اور زبان
پر نہ آئے۔ کیونکہ اصول دونوں کے لئے ایک ہی ہے۔ صلوٰۃ کی تشریح مجمع البحار
اور دیگر کتبِ لغت میں ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ صلوٰۃ بھی ایک طرح کی دُعا
ہے۔ جب ایک طرح کی دُعا کا ادراک آپ کی رُوح کرتی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں
کہ آپ کی رُوح دوسری دعاؤں کا ادراک بھی نہ کرے۔ اسی طرح جب کوئی کسی عامی
مومن کی قبر پر جاکر اُس کے لئے دُعا مانگتا ہے تو میّت اس دُعا کا ادراک کرتی
اور اس کا جواب دیتی ہے۔ یعنی دُعا کرنے والے کے لئے جوابی دُعا کرتی ہے۔
جیساکہ حدیثوں میں ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ بابِ زیارت قبور و بابِ سوم کتاب ہذا فقرات
۱ و ۲۔ وجواب ۸ باب ہذا۔ پس ظاہر ہے کہ فوت شدہ نبی اور کامل ولی تو درکنار عامی
مومنوں کی روحیں بھی زندوں کی دعاؤں اور استدعاؤں کا ادراک کرسکتی ہیں۔

۷۔ ہم نے اوپر تفصیل سے بیان کردیا ہے کہ جو طاقتیں نبی اور ولی کی روح کو
زندگی میں حاصل ہوتی ہیں وہ وفات کے بعد بھی موجود رہتی ہیں۔ دیکھو امر (۳) بالا۔
پس جس طرح نبی کو زندگی میں انجاح حوائج کی طاقت ہوتی ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی

زیادہ وفات کے بعد ہوتی ہے۔ خاتم النبیین کی روح تمام نبیوں اور ولیوں کی روحوں
سے قوی ہے۔ کیونکہ آپ علاوہ اور باتوں کے بروئے حدیث صحیحین اُس باب میں قاسم
ہیں جس باب میں اللہ تعالےٰ معطی ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب العلم۔ حق تعالیٰ عطا کرنیوالا
ہے اور رسول ثقلین تقسیم کرنے والا ہے۔ جب تک حق تعالیٰ کی عطیات اس دنیا کے
لئے جاری ہیں اس وقت تک آپ کی قوتِ تقسیم عطیات کی قائم ہے۔ کوئی عطیہ خیر و
برکت۔ علم و عمل ضیا باطنی و معرفت۔ مال و دولت فیض روحانی اور کمال وغیرہ کا
کسی کو نہیں مل سکتا۔ جب تک رسول اللہ صلعم اسے بانٹ کر نہ دیں۔ اس لئے بھی
ضروری ہے کہ آپ کی تمام قوتیں روحانی وفات کے بعد بھی بحال رہیں۔ اس لحاظ سے
نبی صلعم کی قوت و طاقتِ روحانی سب نبیوں سے زیادہ ہے۔ دیکھو باب اوّل
فقرہ ۳۹ و جواب ۵۵ باب ہذا۔

ان حالات کی موجودگی میں یہ بات صاف ہے کہ فوت شدہ نبی اور ولی سے
دعا کی استدعا ہوسکتی ہے۔ اور کہ ان میں دُعا کی طاقت باحسن وجوہ موجود ہوتی ہے

۸۔ خاتم النبیین سے خطاب وفات کے بعد ہوتا ہے اور ہوتا رہیگا۔ جیساکہ
نماز میں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا جاتا ہے [1]۔ یہ خطاب
بامعنی ہے اور عبث نہیں۔ اور نہ یہ کفر ہے نہ شرک۔ اسے کفر و شرک سے نسبت دینے
والا خود کافر ہے۔ اسی طرح کا خطاب دیگر انبیا و صالحین سے بھی جائز ہے [2] جیساکہ
اہل مقابر کو سلام کے وقت کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اصول ایک ہی ہے۔ جب ایک
بات ایک نبی اور ایک کامل مومن کے لئے جائز ٹھہرتی ہے تو پھر ہر دوسرے کامل
مومن کے لئے بھی جائز ہے۔ یا دلیل تخصیص ہونا چاہئے۔ چنانچہ طبرانی میں ہے کہ جب
کوئی مدد چاہے تو کہے اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔ اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔

[1] دعا تشہد حصن حصین ص ۱۱۱ و ۱۱۲ صحاح ستہ [2] دیکھو باب سوم۔

اے خدا کے بندو میری مدد کرو[1]۔ اور طبرانی کا قول ہے کہ یہ بات تحقیق آزمائی جاچکی ہے[2]۔ غیر اللہ سے استعانت کا مسئلہ جداگانہ ہے۔ اس پر مفصل بحث اعتقادات ۲ و ۴ میں ہوچکی ہے۔ یہاں صرف اشارہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ فرشتوں سے استمداد غیر مشروع ہے۔ تصویروں اور بتوں کے سامنے استمداد شرک و کفر ہے۔ انبیاء سے ان کی وفات کے بعد دُعا و استغفار اور شفاعت کی استدعا ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ اس کی نسبت مفصل بحث گزشتہ ابواب اور جواب بالا میں کی جاچکی ہے۔ وہاں یہ بھی لکھا جاچکا ہے کہ خاتم النبیینؐ کا کام قیامت تک جاری رہے گا۔ اور اس لئے تزکیہ کا فعل بھی آپ سے قیامت تک صادر ہوتا رہیگا۔ اور اس کے لئے آپ دعا بھی مانگتے رہیں گے۔ کیونکہ دعا کے بغیر تزکیہ ناممکن ہے۔ دعا ایک دلی کیفیت ہے۔ اس کی نسبت تفصیلی حالات صحابہ اور تابعین کے قلم بند ہوکر ہم تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ جیسا کہ اُوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ رسول اللہ صلعم سے وفات کے بعد شفاعت چاہنے کے متعلق بھی جوابات ۲ و ۴ ملاحظہ ہوں۔ اموات کی ثناء ہوسکتی ہے۔ جیسے کہ صحیحین میں ہے۔ انس بن مالک کہتے ہیں۔ کہ لوگ جنازہ سے گذرے اور اُنہوں نے میت کی ثنا کی۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اس کے لئے جنت واجب ہوئی۔ الخ[3]۔ مسلم میں بھی یہی حدیث موجود ہے[4]۔ اگر عام مردوں کی زبانی تعریف و ذم ہوسکتی ہے تو تحریری بھی ہوسکتی ہے۔ اور اُسی کا نام قصیدہ مدحیہ یا ہجو ہے۔ حدیث بالا میں ذکر بد کا بھی بیان ہے۔ اس لئے مدحت اور مذمت اموات کی ہوسکتی ہے۔ اگر شیخ ابنِ تیمیہ کو اس میں کچھ شک ہو تو ہم اس کے متعلق

---

[1] حصن حصین ص ۱۶۳۔ [2] حصن حصین ص ۱۶۳ [3] صحیح بخاری باب ثناء الناس علی المیت کتاب الجنائز۔ جلد اول ص ۱۰۲ [4] مسلم۔ کتاب الجنائز باب فیما یثنیٰ علیہ خیراً او شر من الموتیٰ جلد اوّل ص ۳۵۱

شواہد پیش کرسکتے ہیں۔ سنئے اسد الغابہ میں ہے کہ اسید بن سفیان کہتے تھے۔ کہ جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہوئی تو حضرت علیؓ بن ابی طالب تیز چلتے ہوئے اور انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ آج خلافتِ نبوت ختم ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ اس گھر کے دروازے پر کھڑے ہوگئے۔ جس میں ابوبکرؓ تھے پھر انہوں نے کہا کہ اے ابوبکر اللہ آپ پر رحم کرے۔ آپ سب لوگوں سے پہلے اسلام لائے آپ کا ایمان سب سے زیادہ خالص تھا۔ آپ کا یقین سب سے زیادہ تھا۔ آپ سب سے زیادہ بے پروا تھے۔ آپ سب سے زیادہ اسلام کے پشت و پناہ تھے اور سب سے زیادہ رسول اللہ صلعم کے حق میں محتاط تھے۔ اور سب سے زیادہ ان کے اصحاب کو امن دینے والے تھے۔ اور سب سے زیادہ آپ نے رسول اللہ صلعم کا حقِ صحبت ادا کیا۔ آپ کے مناقب سب سے بڑھ کر تھے اسلامی خدمتوں میں آپ سب سے آگے اور مرتبہ میں سب سے بڑھ کر تھے۔ سب سے زیادہ رسول اللہ صلعم کے قریب بیٹھا کرتے تھے۔ اور عادت میں روش میں طریقہ میں اخلاق میں سب سے زیادہ آں حضورؐ کے مشابہ تھے۔ آپ کی منزلت سب سے زیادہ تھی۔ رسول اللہ صلعم کے نزدیک آپ سب سے زیادہ بزرگ اور معتبر تھے۔ خدا آپ کو اسلام کی طرف سے اور رسول اللہ کی طرف سے جزائے خیر دے آپ نے رسول اللہ صلعم کی ایسے وقت میں تصدیق کی جب کہ لوگ ان کی تکذیب کر رہے تھے۔ اسی وجہ سے اللہ نے آپ کا نام اپنی کتاب میں صدیق رکھا[1]۔

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت حمزہ شہید ہوئے تو رسول اللہ صلعم ان کی نعش کے پاس جاکر کھڑے ہوئے۔ حضرت حمزہ کے ناک کان وغیرہ کاٹے گئے تھے۔ حضرت نے کوئی منظر ایسا نہیں دیکھا جس سے آپ کے دل کو زیادہ

---

[1] تذکر سعید بن ابو اناس۔ اسد الغابہ

صدمہ پہنچا ہو۔ آپ نے فرمایا۔ اے چچا اللہ آپ پر رحم کرے بے شک آپ بڑے صلہ رحم کرنے والے اور بہت نیکی کرنے والے تھے[1] حضرت عمرؓ بن الخطاب کے ایک بھائی زید تھے۔ وہ اُحد کے دن شہید ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا خدا زید پر رحم کرے۔ وہ دو نیکیوں میں مجھ سے سبقت لے گئے۔ اسلام بھی مجھ سے پیشتر لائے اور شہید بھی مجھ سے پہلے ہوئے۔ مُتمم بن نویرہ نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کی وفات پر مرثیہ کہا تھا۔ وہ اس نے حضرت عمرؓ کو سنایا۔ حضرت عمرؓ بولے کہ اگر میں بھی شاعری کرتا ہوتا تو میں بھی اپنے بھائی کے بارے میں ویسا ہی مرثیہ کہتا جیسا کہ تم نے کہا ہے۔ متمم نے کہا اگر میرا بھائی بھی آپ کے بھائی کی طرح اللہ کی راہ میں مارا جاتا تو میں ہرگز غمگین نہ ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس سے بہتر میری کسی نے ماتم پُرسی نہیں کی[2] حضرت عاصم بن عمرؓ بن الخطاب نے ۷۰ھ ہجری میں اپنے بھائی عبداللہ کی وفات کے پہلے انتقال کیا۔ بہت نیک اور بڑی فضیلت کے مالک تھے۔ حضرت عبداللہ نے آپ کے مرثیہ میں یہ شعر کہا ؎

ولیت المنایا کن خلفن عاصماً   فعشنا جمیعاً او ذھبن بنا معاً[3]

ترجمہ:- کاش کہ موتیں عاصم کو چھوڑ جاتیں   پس ہم سب اکٹھے رہتے۔ یا ہم سب کو اکٹھا لیجاتیں

یہ عاصم عمر بن عبدالعزیز کے نانا تھے۔ بہت عمدہ شعر کہتے تھے۔ شعر میں فضول گوئی نہ کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن ابن خالد صحابی تھے۔ ان کی وفات زہر خورانی سے واقع ہوئی تھی۔ جب ان کا انتقال ہوا تو کعب بن جعیل نے یہ مرثیہ کہا :۔ ؎

الا تبکی وظلت قریش   ماعوال البکاء علی فتاھا

ولو سُئلت دمشق لاخبر عنکم   وبصریٰ من اباح لکم حماھا

[1] تذکرہ سیدنا حمزہ۔ اسد القابہ۔ [2] اسد القابہ تذکرہ زید بن الخطاب۔ [3] اسد القابہ۔ عاصم بن عمر بن الخطاب۔

وسیف اللہ اوردھا المنایا   وہدم حصنھا وحمی حماھا

ترجمہ :- تو نہیں روتا۔ قریش تو اپنے نوجوان کی موت پر بلند آواز سے رونے میں کوتاہی نہیں کرتے اور اگر دمشق سے پوچھا جائے تو تم کو خبر دے گا اور بصریٰ کا شہر بھی کہ کس نے وہاں کی چراگاہ تمہارے واسطے مباح کر دی۔ اور کس نے سیف اللہ کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ اور کس نے دمشق اور بصریٰ کے قلعے منہدم کئے۔ اور وہاں کی چراگاہیں محفوظ رکھیں[1]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر مکہ گئے ہوئے تھے۔ وہاں سے دس میل کے فاصلہ پر دفعتہً فوت ہوئے۔ اور مکہ لائے گئے۔ اور وہاں دفن کئے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے بھائی تھے۔ جب ان کو ان کی وفات کی خبر پہنچی تو بارادہ حج مکہ گئیں۔ اور ان کی قبر پر کھڑے ہو کر روئیں۔ اور یہ شعر پڑھے ؎

وکنا کندمانی خزیمۃ حقبۃً   من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کانی ومالکا   لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

ترجمہ :۔ اور ہم ایک زمانہ خزیمہ کے دو ہم نشینوں کی طرح رہتے تھے۔ ایک زمانہ یہی حالت رہی۔ حتیٰ کہ کہا گیا کہ ہم دونوں جدا نہ ہوں گے۔ مگر جب ہم اور مالک ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو اس قدر طول یکجائی کے باوجود یہی معلوم ہوتا تھا کہ ہم ایک رات بھی اکٹھے نہ رہے[2]

عثمان ابن مظعون کی وفات پر رسول اللہ صلعم روئے۔ اور ان کی نعش کو بوسہ دیا اور ان کے اُوپر جُھکے پھر سر اُٹھایا۔ پھر جُھکے پھر سر اُٹھایا۔ پھر جُھکے پھر سر اُٹھایا۔ اور بلند آواز سے فرمایا اے ابوالسائب اللہ تم سے درگزر کرے۔ تم دنیا سے اس حالت میں گئے کہ دنیا کی کسی چیز سے ملوث نہ ہوئے۔ بڑے متقی تھے۔ بقیع میں دفن

[1] اسد القابہ۔ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید۔ [2] اسد القابہ۔ عبدالرحمن بن ابوبکر۔ ترمذی میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔ ان میں خطاب میت سے کیا گیا ہے۔ واللہ لو

ہوئے۔ ان کی بی بی اُم جار جہ بنت یزید تھیں۔ اُنہوں نے ان کے مرثیہ میں یہ اشعار کہے۔

یاعین جودی بدمعٍ غیر ممنون — علی رزیۃ عثمان بن مظعون
علی امرئٍ بات فی رضوان خالقہ — طوبیٰ لہ من فقید الشخص مدفون
طاب البقیع لہ سکنی وغرقدہ — واشرقت ارضہ من بعد تعیین
واورث القلب حزناً لاانقطاع لہ — حتی الممات فی ترقی لہ شونی

ترجمہ اے آنکھ آنسو بہا جس کا سلسلہ نہ ٹوٹے۔ عثمان بن مظعون کے حادثہ پر۔ ایسے شخص پر جو اپنے خالق کی رضامندی پر رات بسر کرتا تھا۔ خوش خبری ہو اس کے لئے اس کا جسم دفن ہو چکا ہے۔ بقیع اور اس کا گورستان پاکیزہ ہوگیا۔ زمین اس کے دفن سے روشن ہوگئی۔ اس کی وفات نے دل کو ایسا صدمہ پہنچایا ہے جو میری موت تک قائم رہیگا۔ اور میری یہ حالت نہ بدلے گی۔ [1]

حضرت علی کی وفات پر صحابہ وغیرہ نے بہت سے مرثیے کہے۔ ابوالاسود دولی۔ فضل بن عباس بن عتبہ اور اسماعیل بن محمد حمیری نے بھی قصیدے کہے ہیں تفصیلی حالات قصائد کے ان کے تذکروں میں پڑھیے۔ حضرت عمرؓ کی وفات پر حضرت عائشہ نے بھی مرثیہ کہا۔ اوروں نے بھی مرثئے کہے۔ حضرت حسّان بن ثابت نے بھی ان کا مرثیہ کہا۔ جس کے کچھ اشعار یہ ہیں۔ [1]

ثلثۃ برزو بفضلہم — نفرھم الہم اذانشرو
فلیس من مومن لہ بصر — ینکر تفضیلہم اذا ذکروا
عاشوا بلا فرقۃٍ ثلثتہم — واجتمعوا فی الممات اذ قبروا

ترجمہ :- یہ تین تھے۔ جو اپنے فضائل کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ (رسول اللہ۔ وہ شیخین اُن کے

[1] اسد الغابہ عثمان بن مظعون۔ [2] تذکرہ عثمان بن مظعون۔

پروردگار نے ان کو تر و تازہ رکھا۔ جب کہ وہ ظاہر ہوئے۔ کوئی مومن صاحب بصیرت ایسا نہیں جو ان تینوں کے فضائل کا منکر ہو۔ یہ تینوں زندگی میں اکٹھے رہے اور جدا نہیں ہوئے۔ اور موت کے بعد بھی قبر میں اکٹھے ہو گئے [1]

حضرت عثمان کی شہادت پر بہت سے مرثیئے کہے گئے۔ چنانچہ حضرت حسانؓ نے کہا ہے ؎

من سرّہ الموت صرفاً لامزاج لہ — فلیات مادبۃً فی دار عثمانا
ضحوا باشمط عنوان السجود بہ — یقطع اللیل تسبیحاً وقرآنا
صبراً فدا لکم امی وما ولدت — قد ینفع الصبر فی المکروہ احیانا
لتسمعن وشیکاً فی دیارھم — اللہ اکبر یا ثارات عثمانا [2]

ترجمہ "جسے خالص موت دیکھنے کی خواہش ہو جس میں کسی چیز کی آمیزش نہ ہو۔ اُسے عثمان کے گھر جانا چاہیئے۔ لوگوں نے ایک ایسے شخص کو ذبح کر ڈالا جس کی پیشانی پر سجدے کے نشانات تھے۔ وہ تمام رات تسبیح و تلاوت میں بسر کرتا تھا۔ صبر کرو۔ تم پر میری ماں اور بھائی فدا ہوں مصیبت کے وقت صبر اکثر نفع رساں ہوتا ہے۔ تو ضرور ان کے شہروں میں تاخت و تاراج کی خبر سُنے گا۔ اللہ اکبر عثمان کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔"

حضرت حسانؓ نے ان کی شہادت پر یہ مرثیہ بھی کہا ہے ؎

ان تمس دار بنی عفان موحشۃ — باب صریع وباب محرق خرب
قد یصادف باغی الخیر حاجتہ — فیھا ویاوی الیھا الجود والحسب [3]

ترجمہ :- "اگرچہ بنی عفان کے گھر وحشتناک ہو رہے ہیں۔ کوئی دروازہ گرا ہوا ہے۔ اور کوئی جلا ہوا۔ لیکن اب بھی وہاں طالبانِ خیر کی حاجت روائی ہوتی ہے۔ اور

[1] اسد الغابہ حضرت عمرؓ۔ [2] اسد الغابہ حضرت عثمانؓ۔ [3] تذکرہ حضرت عثمان۔

جُودوحسب وہاں پناہ لیتے ہیں۔

خود رسول اللہ صلعم کی وفات پر بہت سے مرثیئے کہے گئے۔ حسانؓ بن ثابت نے بھی مرثیہ کہا جس کے کچھ بیت یہ ہیں۔

(۱) بطیبۃ رسم للرسول و معھد — منیر وقد تعفو الرسوم و تھمد

کیا ہی عمدہ رسم اور منزل روشن رسول کی ہے — اور رسوم کبھی کبھی مٹ جاتی اور محو ہوجاتی ہیں

(۲) ولا تمتحی الآیات من دار حرمۃ — بھا منبر الھادی الذی کان یصعد

لیکن دار حرم سے نشانیاں نہیں مٹ سکتیں — وہاں تو ہادی کا ممبر ہے جس پر وہ چڑھا کرتا تھا

(۳) وواضح الآیات و باقی معالم — وربع لہ فیہ مصلّی و مسجد

وہاں روشن ترین نشانیاں اور نہ مٹنے والے علامات ہیں — اور فرود گاہ ہے۔ جس میں مصلّٰے اور مسجد ہے

(۴) معارف لم تطمس علی العھد آیھا — اتاھا البلی فالآی منھا تجدد

وہاں مشہور معروف چیزیں ہیں جن کی نشانیاں کبھی نہیں مٹ سکتیں۔ — ان کو کہنہ پن آپہنچا ہے تو پھر وہ نئی صورت میں نمودار ہوتی ہیں۔

(۵) عرفت بھا رسم الرسول وعھدہ — وقبرا بھا واراہ فی الترب ملحد

میں نے ان سے رسم و عہدِ رسول کو پہچان لیا — اور اس میں قبر کو جان لیا جس کی مٹی میں نقش پنہاں ہوگئے ہیں

(۶) اطالت وقوفا تذرف العین دمعھا — علی طلل القبر الذی فیہ احمد

آنکھ کا آنسو بہانا دیر تک قائم رہا — اُس قبر کے نشانوں پر جس میں احمدؐ ہیں

(۷) تحیل علیہ الترب ایدٍ و اعین — علیہ وقد غارت بذلک اسعد

ہاتھ اس پہ مٹی ڈالتے ہیں اور آنکھیں روتی ہیں — اور اس میں مبارک ترین ہستی چھپ گئی ہے

(۸) لقد غیّبوا حلماً و علماً و رحمۃً — عشیۃ عالوہ الثری لا یوسد

بہ تحقیق لوگوں نے علم حلم اور رحمت کو چھپا دیا ہے۔ — اس رات کو جب کہ انہوں نے اس پر مٹی ڈالی جس میں بالیں نہیں بن سکتا۔

۹- مراحوا بحزنٍ لیس فیہ نبیھم — وقد وھنت منھم ظھور و اعضد

وہ چلے گئے غم کے ساتھ جبکہ نبی ان میں نہ تھے — اور ان کی پشتیں اور بازو کمزور ہو چکے تھے

۱۰- یبکون من تبکی السماوات یومہ — ومن قد تبکیہ الارض والناس اکمد

وہ روتے ہیں اس پر جس کی موت پر آسمان روتے ہیں — اور جس پر زمین روتی ہے درحالیکہ لوگ اندوہگیں ہیں

۱۱- وھل عدلت یوما رزیۃ ھالک — رزیۃ یوم مات فیہ محمد

کیا کسی دن ہلاک ہونیوالے کی مصیبت اس دن کی مصیبت کے برابر ہو سکتی ہے جس دن کہ محمدؐ فوت ہوئے

آپ کی وفات پر حضرت صدیقِ اکبرؓ، ابوسفیان، حضرت علیؓ اور دوسروں نے بھی مرثیے کہے ہیں۔[۲] حضرت علی کرم وجہہ اور حضرت حسانؓ نے جناب رسول اللہ صلعم کی زندگی میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی قصائد مدحیہ و مراثی کہے ہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں سے

۱- وقیت بنفسی خیر من وطی الحصی — ومن طاف بالبیت العتیق وبالحجر

میں نے نگاہ رکھا اپنے نفس سے اس شخص کو جو سنگریزہ ہائے پامال کرنے والوں سے بہترین ہیں۔ اور بہترین ہے۔ ان میں سے جنہوں نے خانہ کعبہ اور حجر اسود کا طواف کیا۔

۲- رسول الالہ الخلق اذ مکروا بہ — فنجاہ ذو الطول الکریم من المکر

جب معبود مخلوق کے رسول کے ساتھ لوگوں نے مکر کیا۔ تو ان کو خدائے توانا و بزرگ نے مکر سے بچا لیا

۳- وبت اراعیھم متی ینشرو ننی — وقد وطنت نفسی علی القتل والاسر

میں نے رات گذاری ان کو تاکتے ہوئے۔ جبکہ وہ مجھے پریشانی میں ڈال رہے تھے، اور میرا نفس قتل اور قید پر قائم ہوگیا تھا۔

۴- وبات رسول اللہ فی الغار آمنا — موقّیً و فی حفظ الالہ و فی ستر

رسول اللہ صلعم نے غار میں امان سے رات بسر کی۔ درحالیکہ وہ خدا کی نگہبانی اور حفاظت اور پردے میں تھے

[۱] مواہب اللدنیہ جلد دوم ص ۳۷۰ [۲] مواہب جلد ۲ ص ۳۷۳ تا ۳۷۹ [۳] دیوان حضرت علی ۷۸۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹

۵ - اردت بنصر الالہ تبتلاً   واضمرتہ حتی اوسدہ فی قبری

اُس سے میں نے مدد حق کا ارادہ کیا از روئے قطع تعلق کے اور میں نے پوشیدہ رکھا اس کو

تاکہ میں اُسے اپنی قبر میں تکیہ بناؤں۔

ایسے قصیدے آپ کو بے شمار ملیں گے۔ جو آپ کی تعریف میں آپ کی زندگی میں آپ کے سامنے پڑھے گئے۔ قصائد حضرت حسان اور قصیدہ بانت سعاد اسی صنف سے ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد بھی صحابہ نے اور دوسروں نے قصائد مدحیہ اور مراثی کہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے کہا ہے ؎

کنت السواد لناظری   فبکیٰ علیک الناظر

آپ میری آنکھ کی مردمک تھے   سو روئیں آپ پر آنکھیں

من شاء بعدک فلیمت   فعلیک کنت احاذر

جو چاہے آپ کے بعد زندگی وہ مرے   میں تو آپ کے بارے میں خوف کیا کرتا تھا۔

حضرت علی ایک اور مقام پر کہتے ہیں ؎

۱ - الاطرق الناعی بلیل فراعنی   وارّقنی لما استہل منادیا

۲ - فقلت لما رایت الذی اتیٰ   اغیر رسول اللہ اصبحت ناعیا

۳ - فحقق ما اشفقتُ منہ ولم یبل   وکان خلیلی عدتی وجمالیا

۴ - فواللہ ما انساک احمد ما مشت   بی العیسُ یوماً وجاوزت وادیا

۵ - وکنت متی اہبط من الارض تلعۃً   اری اثراً قبلی حدیثاً وعافیا

۶ - جواداً تشظی الخیل عنہ کانما   یرون بہ لیثاً علیہن ضاریا

۷ من الاسد قد احمی العرین مہابۃً   تفادی سباعُ الارض منہ تفادیا

۸ - شدیداً جری الصدر نہداً مصدراً   ہو اللیث معدیاً علیہ وعادیا

۹ - لیبلک رسول اللہ خیلٌ مغیرۃٌ   تثیر غباراً کالغبابۃ کابیا

۱۰ - لیبلک رسول اللہ صفٌ مقدمٌ   اذا کان ضرب الہام نقفاً تقافیا

ترجمہ ا - دیکھو رات کو موت کی خبر دینے والا آیا۔ سو اُس نے مجھے ڈرایا اور بے خواب کر دیا۔ جب کہ اُس سے منادی کی آواز بلند ہوئی۔

۲ - جب میں نے خبر لانے والے کو دیکھا تو میں نے اُسے کہا کہ کیا تو رسول اللہ کے سوا اور کسی کی خبر مرگ دینے والا ہے۔

۳ - پس وہ بات ثابت ہوگئی جس سے میں ڈرتا تھا۔ اور اس سے کچھ باک نہ کرتا تھا۔ وہ میرا دوست سازگار اور خوبیوں والا تھا۔

۴ - خدا کی قسم جب تک مجھے اُونٹ لے جاتے رہیں گے اور میں وادی سے گذرتا رہوں گا میں اے احمد تمہیں نہ بھولوں گا۔

۵ - جب کبھی میں پشتہ زمین سے اُترتا ہوں۔ میں اپنے آگے نیا اور پُرانا نشان دیکھتا ہوں۔

۶ - وہ جواں مرد ہے۔ اس سے سوار گریز کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ شیر دیکھتے ہیں۔ جو اُن کا شکار کرنیوالا ہے

۷ - ان شیروں میں سے جو جنگل کی ہیبت سے نگاہبانی کرتے ہیں۔ اور جس سے درندے خلاصی ڈھونڈتے ہیں۔

۸ - مرد شدید دلیر۔ فراخ سینے والا وہ شیر ہے جس پر حملہ کیا گیا ہے اور جو حملہ آور ہے۔

۹ - چاہیئے کہ رسول اللہ صلعم پر تیز رو سوار روئیں۔ جو یہاں سیاہ بادل جیسا غبار اٹھاتے ہیں۔

۱۰ - چاہیئے کہ رسول اللہ صلعم پر آگے بڑھنے والی صف روئے جب کہ سروں کو توڑنے ڈھونڈھ کر اُڑانے کا موقع ہو۔

اسی طرح اور بہت سے شواہد کتب رجال سے مل سکتے ہیں۔ ان شواہد سے صحابہ کا یہ عمل ظاہر ہے کہ وہ شہیدوں اور مقتولوں کی وفات پر قصیدے اور مرثیے پڑھا کرتے تھے۔ نبی صلعم نے یا کسی اور نے ان کی اس روش پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ان شواہد کی موجودگی میں اب بھی اگر کوئی کہے کہ ایسا کرنا ناجائز ہے۔ تو

یہ اُسکے سوءِ فہم کا نتیجہ ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کرو۔ اور ان کی بُرائیوں سے رُکا کرو۔ جیسا کہ ترمذی اور ابو داؤد کی روایت میں ہے[۱] باقی رہا اموات سے دُعا چاہنا۔ انبیاء اور صالحین تو اپنے دینی بھائیوں کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ اور دیگر اعمال صالح بھی جو اُن سے ہو سکتے ہیں جاری رکھتے ہیں۔ اور جب وہ دعائیں کرتے ہیں تو اُن سے استدعا دعا کی بھی ہو سکتی ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ ہماری استدعا ان تک کس طرح پہنچ سکتی ہے۔ کامل مومن تو اللہ کے نور سے دیکھتے سُنتے سمجھتے۔ بولتے ہیں[۲] اور یہ دیکھنا۔ سُننا۔ سمجھنا روح کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ان کی قبروں کے سامنے جا کر اگر آپ دل میں کوئی استدعا رکھیں گے تو وہ فوراً معلوم کر لیں گے۔ کیونکہ ان کی رُوح اللہ تعالےٰ کے نُور سے ایک ایسا آئینہ صاف و شفاف بن گئی ہوتی ہے جس پر دوسرے دلوں کا عکس پڑتا رہتا ہے۔ علاوہ اس کے ترمذی میں ہے۔ کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔ کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے[۳] اور یہ فراست روح سے تعلق رکھتی ہے۔ گذشتہ ابواب میں یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ جو کمالات کامل مومن دُنیا میں رہ کر حاصل کرتے ہیں۔ وہ وفات کے بعد اُن سے زائل نہیں ہوتے بلکہ ان میں کچھ اضافہ ہی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں جب کوئی شخص کسی کامل مومن کے مقبرے کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اہلِ مقبرہ کی رُوح آموجود ہوتی ہے۔ اور اپنی فراست کے نور سے حاضر شخص کے دل کے حال سے آگاہی حاصل کرتی ہے اس لئے کامل مومنوں اور نبیوں کی رُوحوں سے استمداد نا جائز نہیں۔ دیکھو اعتقادات

---

۱ مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیہا۔ ۲ بخاری کی مشہور حدیث ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب ذکر اللہ ۳ منتخب جلد اول فراستہ۔

۱۲-۱۳-۱۴- شیخ ابن تیمیہ کا یہ خیال ہے کہ اس طرح مُردوں کی شان میں قصیدے کہہ کر اُن سے مرادیں مانگنا اور منّتیں ماننا ایک نئی چیز ہے۔ یہ اسلام میں نہ مشروع ہے نہ واجب اور نہ مستحب۔ مُردوں کی شان میں قصیدے کہنا صحابہ کا عمل تھا۔ جیسا کہ ہم نے اُوپر شواہد سے ثابت کر دیا ہے۔ ان سے دُعائیں مانگنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ اُوپر جواب (۲) میں ظاہر کیا جا چکا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا نذر ماننا جائز ہے کہ نہیں۔ حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ طاعت میں نذر کا پورا کرنا ضروری ہے نسائی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نذر دو قسم کی ہوتی ہے۔ جو کوئی اللہ کی طاعت کی نذر رکھے تو ایسی نذر اللہ کے لئے ہے۔ اسے پورا کیا جائے۔ جو کوئی معصیت میں نذر رکھے۔ تو ایسی نذر شیطان کے لئے ہے۔ اسے پورا نہ کیا جائے۔ [۱] صحیحین میں ہے کہ سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلعم سے عرض کی کہ میری والدہ نے نذر رکھی تھی۔ مگر وہ پورا کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گئی اس میں آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ نذر کو اس کی طرف سے پورا کیا جائے[۲] مسلم کی روایت میں ہے کہ گناہ کی نذر کا پورا کرنا جائز نہیں۔ اور نہ اس نذر کا پورا کرنا جائز ہے جو بندے کے اختیار سے باہر ہو[۳] صحیح بخاری کی روایت ہے۔ کہ جو کوئی اطاعت کی نذر رکھے وہ پورا کرے اور جو کوئی معصیت کی نذر رکھے وہ پورا نہ کرے[۴] صحیحین میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ نذر نہ رکھو۔ کیونکہ وہ قضا کے مقابل پر کچھ مفید نہیں پڑتی۔ اور کیونکہ اس سے [illegible] شئے کا مطلوب ہے جو وہ نکالنا نہیں چاہتا[۵] صحیح بخاری میں ہے کہ سعید بن الحرث نے ابنِ عمر کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ کیا لوگ نذر سے باز نہ رہیں گے۔ کیونکہ نبی صلعم نے کہا ہے کہ نذر

---

۱ مشکوٰۃ باب الایمان والنذور۔ ۲ مشکوٰۃ باب الایمان والنذور۔ ۳ مشکوٰۃ باب الایمان والنذور۔ ۴ مشکوٰۃ باب الایمان والنذور۔

نہ تو کسی چیز کو آگے کر سکتی ہے نہ پیچھے[1] نہی عن النذر کے مسئلے میں امام ابن حجر
عسقلانی نے بھی مختلف آراء کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ کچھ اقتباسات ناظرین کی ضیافت
طبع کے لئے پیش کرتا ہوں[2] وہ کہتے ہیں کہ علماء کا اس نہی کے بارے میں اختلاف
ہے بعضوں نے اس نہی کو ظاہر پر محمول کیا ہے۔ اور بعضوں نے اس کی تاویل کی
ہے۔ ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے کہ حدیث میں نذر کے متعلق نہی با تکرار وارد
ہوئی ہے۔ اور یہ تکرار نذر کی تاکید کے لئے۔ اور اس غرض کے لئے ہے تاکہ لوگوں
کو ڈرایا جائے کہ وہ نذر کے واجب ہونے کے بعد اس کے متعلق غفلت سے
کام نہ لیں۔ اور اس نہی سے اگر مراد نذر سے روکنا ہوتا۔ حتیٰ کہ کوئی نذر نہ رکھتا
تو پھر اس سے نذر کے حکم کا ابطال ہوتا۔ اور نذر کے پورا کرنے کا لزوم ساقط
ہو جاتا۔ کیونکہ نہی کی صورت میں نذر رکھنا گناہ ہوتا اور پھر نذر لازم نہ ہوتی۔
لیکن اس حدیث کے وارد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ نذر
سے کوئی نفع زمانہ مستقبل میں نہیں پہنچتا۔ اور نہ اُس سے کوئی نقصان دور ہوتا ہے۔
اور نہ اس سے تقدیر بدلتی ہے۔ اس لئے کہا گیا کہ نذر نہ رکھو۔ اس اعتقاد سے
کہ تم نذر سے وہ چیز پا لو گے جو اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے مقدر نہیں کی
یا تم سے وہ چیز ہٹ جائے گی جو تمہارے لئے مقدر کی گئی ہے۔ لیکن جب
تم نذر رکھو تو اُسے پورا کرو۔ کیونکہ جو نذر تم نے رکھ لی ہے اس کا پورا کرنا
لازم ہے۔ ابو عبید کہتے تھے کہ نذر سے نہی اور اس میں تشدید کی وجہ یہ نہیں کہ نذر
سے کوئی گناہگار بنتا ہے۔ اگر صورت ایسی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کے پورا کرنے کا
حکم نہ دیتا اور نہ پورا کرنے والے کی تعریف کرتا۔ لیکن نہی کی وجہ میرے نزدیک
یہ ہے کہ نذر کی شان کو بڑھایا جائے اور اس کے معاملے کو اہم قرار دیا جائے

[1] بخاری باب الوفاء بالنذر [2] فتح الباری جلد ۱۱ ص ۱۴۸ تا ۱۴۹

تاکہ نذر کے بارے میں غفلت اور اس کے ایفا میں قصور واقع نہ ہو۔ جو کچھ کتاب اللہ
اور سنت میں ایفائے نذر کی ترغیب کے بارے میں وارد ہوا ہے۔ اس سے
ہر ایک نے استدلال کیا ہے۔ اور اسی کی طرف مازری نے اشارہ کیا ہے۔ جبکہ
وہ کہتے ہیں کہ ہمارے کچھ علماء اس طرف گئے ہیں۔ کہ اس حدیث سے غرض یہ
ہے کہ نذروں کا تحفظ کیا جائے۔ اور اس کے ایفاء کی ترغیب دی جائے۔ یہ میرے
نزدیک ظاہر حدیث سے بعید ہے۔ اس حدیث کے وارد ہونے کی یہ وجہ بھی
ہو سکتی ہے کہ نذر رکھنے والا اس قربت کو مستقل طور ادا کرے گا۔ کیونکہ یہ اس کے
لئے ایک طرح کا لزوم پیدا کرتی ہے۔ اس حدیث کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ
جب نذر رکھنے والا کسی قربت کی نذر نہیں رکھتا مگر ساتھ اس شرط کے کہ اس
کے ساتھ وہی سلوک ہو جو وہ چاہتا ہے۔ تو پھر یہ ایک ایسی صورت معاوضہ
بن جاتی ہے جس سے متقرب کی نیت میں فرق آجاتا ہے۔ اور اسی تاویل کی طرف
اشارہ ہے۔ ان کے قول انہٗ لا یاتی بخیر کا۔ اور قول انہ لا یقرب من ابن آدم
شیئاً لم یکن اللہ قدرہ کا۔ یہ حدیث اس تعلیل پر نص کی طرح ہے۔ انتہیٰ۔
پہلا احتمال اقسام نذور کے لئے عام ہے۔ اور دوسرا احتمال نوعِ مجازات کے
لئے خاص ہے۔ قاضی عیاض نے یہ اضافہ کیا ہے کہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث کھلے
بندوں کہے دیتی ہے کہ نذر تقدیر پر غالب نہیں آسکتی۔ اور نہ نذر سے بہتری حاصل ہو سکتی
ہے۔ مالک کے مذہب کا لب لباب یہ ہے کہ نذر مباح ہے۔ لیکن اگر یہ نذر
ہمیشہ متکرر یا اوقاتِ مختلف ہو۔ اور اس کا ایفاء نذر رکھنے والے کو ثقیل معلوم ہو
اور وہ نذر کو تکلف کے ساتھ بلا طیب خاطر اور بلا نیتِ خالص ادا کرے۔ تو اس
وقت نذر مکروہ ہے۔ اکثر شافعیوں کا بیان ہے اور ابو علی سنجی سے نصِ شافعی کی
بنا پر منقول ہے کہ نذر مکروہ ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں نہی ثابت ہے۔ اور اسی

طرح مالکیہ سے منقول ہے۔ اور ابنِ دقیق العید نے تو اس کراہت کا قطعی حکم دیا ہے۔ اور اس نے یہ استدلال کیا ہے کہ نذر طاعتِ محض نہیں کیونکہ اس سے خالص قربت کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ نذر سے مقصد اپنے آپ کو فائدہ پہنچانا یا اپنے آپ سے نقصان دُور کرنا ہوتا ہے۔ حنبلیوں نے بھی قطعی طور کراہت کا حکم دیا ہے۔ ان کی ایک روایت کے رُو سے نذر کراہتِ تحریمی میں آتی ہے۔ مگر بعضوں نے اس کی صحت میں توقف کیا ہے۔ ابنِ مبارک کا قول ہے کہ نذر کا مکرُوہ ہونا طاعت اور معصیت دونوں صورتوں میں ہے۔ اگر کوئی طاعت کی نذر رکھے اور اُسے پُورا کرے تو اس کے لئے اجر ہے۔ لیکن نذر بجائے خود مکرُوہ ہے ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ ایسا خیال کرنے میں قواعد پر اشکال وارد ہوتا ہے کیونکہ قواعد تقاضا کرتے ہیں کہ طاعت کا وسیلہ طاعت ہے جیسا کہ معصیت کا وسیلہ معصیت ہے اور نذر التزام قربت کا وسیلہ ہے۔ اس لئے چاہئے کہ نذر قربت ہو۔ مگر بات یہ ہے کہ حدیث کراہت پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے اس نے نذر مجازاۃ اور نذر ابتدا کے مابین تفریق کی ہے۔ اور نہی کو نذر مجازات سے منسوب کر کے نذر ابتدا کو خالص قربت قرار دیا ہے۔ ابی الندم نے شرح الوسیط میں بیان کیا ہے کہ قیاس کے رُو سے نذر مُستحب ہے اور کہ مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے۔ جو آزادانہ طور کہتا ہے کہ نذر مکرُوہ نہیں۔ باوجود کہ نذر صریح طور مکرُوہ ہے۔ اس لئے اقل درجہ اس کا یہ ہے کہ یہ مکرُوہ تنزیہی ہے جنہوں نے نذر کو استحباب پر مبنی کیا ہے۔ ان میں سے نووی بھی ہے۔ انہوں نے شرح المہذب میں کہا ہے کہ نماز میں نذر کا تلفظ نماز کو باطل نہیں کرتا کیونکہ نماز مناجات ہے۔ قاضی حسین اور غزالی سے منقول ہے کہ نذر مستحب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نذر کے پورا کرنے والے کی تعریف کی ہے۔ اور چونکہ وہ قربت کا وسیلہ ہے۔ اس لئے خود قربت ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے

کہ جس نذر کی کراہت پر حدیث دلالت کرتی ہے وہ نذر مجازاۃ ہے۔ لیکن نذر تبرّر قربتِ محض ہے۔ کیونکہ نذر رکھنے والے کے لئے اس میں غرض صحیح ہے۔ اور وہ یہ کہ اُسے واجب کا ثواب ملے اور وہ نفل کے ثواب سے اُوپر ہے۔ قرطبی نے بھی مفہم میں حدیثوں کی نہی کو قطعی طور نذر مجازاۃ پر محمول کیا ہے۔ ان کا قول ہے کہ اس نہی کا محل یہ ہے کہ کوئی کہے کہ اگر اللہ تعالےٰ میرے مریض کو راضی کرے گا تو میں یہ صدقہ دوں گا۔ کراہت کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے قربت مذکورہ کا فعل غرض مذکور کے حصول پر موقوف رکھا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے خالص تقرب کی نیت سے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس نے طریقِ معاوضہ اختیار کیا اور یہ بات واضح ہے کہ اگر اس کا مریض راضی نہ ہوگا تو وہ یہ صدقہ نہ دیگا جو اس نے شفا پر معلّق رکھا ہے اور یہی حالت بخیل کی ہے کیونکہ وہ اپنے مال سے کچھ بھی نہیں نکالتا۔ الا معاوضۂ عاجل کے بدلے جو غالباً اس سے زیادہ ہوتا ہے جو وہ نکالتا ہے۔ اور یہی معنی اس حدیث میں مشاراً الیہ ہے۔ کبھی اس کے ساتھ جاہل کا یہ اعتقاد بھی شامل ہو جاتا ہے کہ نذر اس غرض کے حاصل ہونے کا موجب بنتی ہے۔ یا یہ کہ اللہ تعالےٰ اس نذر کی وجہ سے اس کے ساتھ ایسا کرتا ہے۔ انہی دونوں اعتقادوں کی طرف حدیث میں اشارہ ہے۔ کیونکہ نذر تقدیر کو بالکل نہیں روکتی۔ پہلی حالت کفر کے نزدیک ہے۔ اور دوسری حالت صریح خطا ہے۔ انتہٰی۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ میری رائے میں نذر ابتداء قربتہ ہے کیونکہ اس میں کسی معاوضہ کا خیال نہیں۔ اور نذر رکھنے والا قربت کی غرض سے ایسی نذر رکھتا ہے۔ اور چونکہ یہ نذر قربتہ کا وسیلہ ہے اس لئے خود قربتہ ہے۔ لیکن نذر مجازاۃ میں زیادہ سے زیادہ کراہت تنزیہی مفہوم ہو سکتی ہے لیکن بعض کے قول کے مطابق یہ نذر بھی مباح ہے لیکن جب ایسی نذر رکھی جائے اور مطلب حاصل ہو۔ تو پھر اس کا بھی پورا کرنا واجب

ہے۔ بشرطیکہ وہ معصیت کے متعلق نہ ہو[1] انتہیٰ۔

پس ہماری رائے میں نذر کی تین قسمیں مفہوم ہوتی ہیں۔

اوّل :۔ نذرِ تبرر یعنی نذر ابتداء۔ جس میں مجازات کا خیال نہیں ہوتا۔ اور انسان نذر رکھ لیتا ہے۔ کہ وہ فلاں وقت روزہ رکھے گا۔ یا نفل پڑھے گا یا حج کرے گا۔ یا وہ صدقہ دے گا۔ ایسی نذر قربتہ ہے۔ اور اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ والذین یوفون بالنذر الآیہ۔ اس نذر میں معاوضہ نذر کا طلب نہیں کیا جاتا۔ اور نہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ نذر سے تقدیر آگے پیچھے ہوگی۔ ایسی نذر قربتہ کا وسیلہ ہے اور اس لئے خود قربتہ ہی

دوئم :۔ نذرِ مجازاۃ۔ ایک شخص نذر رکھتا ہے کہ اس کا فلاں مطلب حل ہوگا تو وہ حج کرے گا۔ صدقہ دے گا وغیرہ وغیرہ۔ ایسی نذر کی نسبت یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ نذر رکھنے والا شائد یہ اعتقاد رکھتا ہے۔ کہ اس نذر سے تقدیر آگے پیچھے ہوسکتی یا ٹل سکتی ہے۔ حالانکہ صورت ایسی نہیں۔ اس اعتقاد کی وجہ سے یہ نذر مکروہ ہے بعض اسے مکروہِ تحریمی خیال کرتے ہیں۔ اور بعض مکروہ تنزیہی۔ اس کی نسبت یہ فیصلہ ہے کہ اگر کوئی ایسا اعتقاد رکھے گا تو پھر یہ نذر مکروہ ہے۔ ورنہ مباح۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔

سوئم۔ یہ نذر بھی از قسمِ مجازاۃ ہے۔ مگر یہاں توجہ نبی یا ولی کی رُوح کی طرف ہوتی ہے اور نذر رکھنے والا یہ نیت کرتا ہے کہ اگر فلاں نبی یا ولی کی دُعا و توسل سے اس کا یہ مطلب حل ہوجائے گا تو وہ یہ صدقہ دے گا۔ یا کوئی اور قربتہ ادا کرے گا جس کے ثواب کی مستحق اس نبی یا ولی کی روح ہوگی۔ اس نذر میں وسیلہ نبی یا ولی کی دعا کا لیا جاتا ہے۔ اور دعا میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ قضا کو ٹال دیتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے[2] پس اگر کوئی نذر رکھے اور کسی مومن یا نبی کی دُعا کا وسیلہ لیوے تو یہاں اُس کا

[1] فتح الباری جلد ۱۱ ص ۴۷۶ تا ۴۴۳ [2] لا یرد القضاء الا الدعا۔ ترمذی ابن ماجہ۔

یہ اعتقاد کہ دعا سے قضا ٹل جائے گی خلاف اصول نہیں پڑتا۔ جیسا کہ دوسری قسم کی نذر کی صورت میں ہے۔ اس قسم کی نذر مطلق طور مباح ہے۔ اور جب ایسی نذر رکھی جائے تو مطلب حل ہونے پر اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ نبیوں اور ولیوں کی رُوح سے وسیلہ دعا کا لینا جائز ہے۔ جیسا کہ گذشتہ ابواب اور جوابات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس نذر کے صدقہ کو لوگ مختلف طور تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ یہ فلاں پیر کی نذر نیاز ہے۔ یہ رسول اللہ صلعم کی نیاز ہے۔ یہ فلاں صاحب قبر کی نیاز ہے۔ اصل میں ایسی نیاز صدقہ عن میت ہوتی ہے۔ جو نصوص کی رُو سے مطلق طور مشروع ہے ایسی نذر رکھنے والا اپنا مطلب حاصل ہو جانے پر صدقہ اللہ کے نام پہ دیتا ہے۔ اور اس کا ثواب اس مومن یا نبی کی رُوح کو پہنچاتا ہے جس کی دُعا سے اس نے توسل کیا تھا۔ اس طرح کے صدقے کو عرفِ عام میں نیاز کہتے ہیں۔ یہ کہنا کہ نیاز فلاں بزرگ کی ہے عرفِ عام کی رُو سے جائز ہے۔ جیسا کہ مساجد کی نسبت یہ مانی ہوئی بات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہیں۔ اور انہیں مساجد اللہ کہا جاتا ہے۔ لیکن عرفِ عام میں مسجد بنی فلاں بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے ایک مسجد اللہ کو مسجد بنی زریق کے نام سے یاد فرمایا[1] نذر رکھنے والا بجائے اس کے کہ یہ کہے کہ وہ فلاں بزرگ کی رُوح کی طرف توجہ کرتا اور اس کی دعا کا وسیلہ لیتا ہے اور مطلب حل ہونے پر وہ اس قدر صدقہ اللہ کے نام پہ دے گا اور اس کا ثواب فلاں بزرگ کی رُوح کو پہنچے گا۔ وہ اختصار کے خیال سے کہ دیتا ہے کہ میں نے فلاں بزرگ کی نذر رکھی ہے جس نذر سے نیت اس کی وہی ہوتی ہے جو اُوپر مذکور ہوئی۔ لیکن اگر اس کی نیت یہ نہ ہو۔ بلکہ یہ نیت ہو کہ وہ اللہ کے نام کی بجائے صدقہ کسی مخلوق کے نام پہ دیتا ہے تو ایسا کہنا اسبابِ شرک سے ہے اور ایسی نذر گناہِ کبیرہ ہے۔ ان حالات

[1] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ہل یقال مسجد بنی فلاں جلد اول ص ۵۹۔

میں یہ قطعی طور جائز ہے کہ کسی فوت شدہ نبی یا ولی کی توصیف میں کوئی منثور یا منظوم عبارت (قصیدہ) کہہ کر یا لکھ کر اس کی روح سے استمداد بصورت دعا حاصل کی جائے اور ایسی دعا کے لئے انجاح حوائج کی شرط سے کوئی نذر رکھی جائے۔ یہ اسلام میں کوئی نئی بات نہیں۔ یہ پہلے بھی ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔

صدقہ عن میت کے متعلق بھی کچھ نصوص ناظرین کی آگاہی کے لئے درج کئے دیتا ہوں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے۔ صدقہ جاریہ یا علم جس سے لوگ فائدہ اُٹھائیں یا ولد صالح جو اس کے لئے دعا کرے[1] ابوداؤد اور نسائی میں ہے کہ سعد بن عبادہ نے عرض کی یا رسول اللہ اُم سعد فوت ہوگئیں۔ اب کونسا صدقہ ان کے لئے بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا پانی۔ اس لئے سعد نے ایک کنواں کھدوایا اور کہا کہ یہ اُم سعد کے لئے ہے[2] جابر سے روایت ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا (یعنی قلبہ رانی کرکے آباد کیا) تو اس کے لئے اس میں اجر ہے۔ جو کچھ طالب رزق (انسان حیوان، چرند، پرند وغیرہ) اس سے کھائیں تو وہ اس کے لئے صدقہ ہے[3] صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگا کہ میری والدہ دفعتاً فوت ہوگئی ہے۔ مجھے خیال ہے کہ اگر وہ بولتی تو وہ ضرور کچھ صدقہ دیتی۔ اب اگر میں اس کے لئے صدقہ دوں تو کیا اس کے لئے اس کا ثواب ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں[4] صحیح مسلم میں ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی یا رسول اللہ میں نے ایک لونڈی اپنی والدہ کو صدقے میں دی تھی۔ مگر میری والدہ اب مرچکی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے لئے اجر صدقہ کا واجب ہوا۔ اور وہ لونڈی اب تیری طرف میراث میں واپس آگئی۔ اس نے عرض کی کہ اس پر ایک مہینے کے روزے

[1] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ ص۲۱ [2][3] مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ دارمی [4] مشکوٰۃ باب صدقۃ المرأۃ من مال الزوج

واجب تھے۔ کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں۔ آپ نے فرمایا تو اس کی طرف سے روزے رکھ۔ پھر اس نے عرض کی کہ اس نے حج نہیں کیا ہے۔ کیا میں اس کی طرف سے حج ادا کروں۔ آپ نے فرمایا ہاں اس کی طرف سے حج ادا کر[1] اس مسئلہ میں آئمہ کا اختلاف ہے کہ کیا صوم کی جگہ صوم اور نماز کی جگہ نماز ادا کی جائے امام احمد کے نزدیک صوم کی جگہ صوم اور نماز کی جگہ نماز ادا کرے۔ لیکن دیگر آئمہ مالک ابوحنیفہ اور شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ ایک ایک صوم اور ایک ایک نماز کے بدلے صدقہ دیوے۔ ایک صاع جو یا نصف صاع گندم۔ ان تین اماموں کا استدلال روایات ذیل پر مبنی ہے۔ نافع کی ابن عمر سے روایت ہے۔ نبی صلعم نے فرمایا کہ جو شخص فوت ہوجائے اور اس پر رمضان کے روزے واجب رہ گئے ہوں تو اس کے ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے[2] امام مالک سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ سے لوگ پوچھتے تھے کہ کیا کوئی ایک روزے کے بدلے روزہ رکھے اور نماز کے بدلے نماز پڑھے۔ تو آپ کہتے تھے کہ کوئی کسی کے لئے روزہ نہ رکھے اور نہ کسی کے لئے نماز پڑھے[3] اس لئے ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ میت کی طرف سے نمازوں اور روزوں کے بدلے کوئی صدقہ دیوے اور حج کی جگہ حج ادا کرے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اس کے متعلق تفصیلی اور جزوی احکام کتب فقہ میں دیکھئے

۴۔ اس پر اوپر تفصیل سے بحث ہوچکی ہے کہ فوت شدہ نبی سے دعا کی استدعا ہوسکتی ہے (دیکھو جوابات ۲ و ۳-۵-۵ و ۶) ملائکہ سے دعائیں مانگنا مشروع نہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے ہمجنس نہیں اور نہ وہ ہم سے مرتبہ میں بڑھ کر ہیں۔

[1] مشکوٰۃ باب من لا یعود فی الصدقہ۔ [2] مشکوٰۃ باب القضا روایت ترمذی [3] مشکوٰۃ باب القضا روایت موطا۔

یہ دوسری بات ہے کہ وہ ہمارے لئے خود بخود استغفار مانگتے رہتے ہیں۔ نبیوں
اور کامل مومنوں سے دعائیں کرانا جس طرح ان کی زندگی میں مفید ہے اسی طرح
ان کی وفات کے بعد بھی مفید ہے۔ کیونکہ ایسے کامل لوگوں سے ان کی دعا
کا اثر ان کے فوت ہونے پر زائل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ جوابات اور ابوابِ گذشتہ
میں بیان کیا گیا ہے۔ شیخ ابن تیمیہ نے اگر اسد الغابہ کا یا کسی دوسرے جامع
تذکرہ کا مطالعہ بالاستیعاب کیا ہوتا تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ حضرت خاتم النبیین
نے اپنے صحابہ کو فرمایا تھا کہ اویس قرنی سے اپنے لئے دعائے استغفار کرانا
چنانچہ اس حکم کے مطابق حضرت عمرؓ اور دو ایک اور صحابہ نے اپنے لئے
حضرت اویس قرنی سے استغفار کی دعا کرائی [1] غیر اللہ کو پکارنے اور ان کو
مخاطب کرنے کے متعلق دیکھو ابحاث باب سوئم فقرہ ۲ تا ۵۔ غیر اللہ سے سوال
کے متعلق دیکھو اعتقادات ۱۲-۱۳-۱۴۔ ترمذی کی مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ
صلعم نے ایک نابینا کو یہ دعا سکھائی۔ اللھم انی اسالک اتوجہ الیک بنبیک
محمد نبی الرحمت یا محمد انی توجہت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ
فتقضی لی اللھم فشفعہ فیّ [2] اس دعا کو عثمان بن حنیف نے رسول اللہ صلعم کی
وفات کے بعد خلیفہ ثالث کے زمانے میں استعمال کیا اور اپنا مطلب حاصل کیا۔
اس حدیث سے ذیل کی باتیں مستنبط ہوتی ہیں۔

اول :۔ یہ دعا مشروع ہے اور کسی خاص وقت کے لئے موضوع نہیں۔
اس لئے ہر وقت ہو سکتی ہے۔ آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کی وفات کے
بعد بھی۔

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت اویس کرنی الف جلد ۵ ص ۲۰۹ تا ۲۹۱۔ روایت مسلم وغیرہ تذکرہ اویس
[2] ترمذی جلد ۲۔ ص ۱۹۷ ابواب الدعوات

دوئم جب نبی سے استمداد کی ضرورت درپیش ہو۔ تو ان کو بصیغہ خطاب پکارا
جا سکتا ہے اور ان سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔ اسی طرح ہر ایک ولی اور کامل مومن
سے مدد لی جا سکتی ہے۔ اور ان کو مدد کے وقت پکارا جا سکتا ہے۔

سوم۔ ایک طرف اللہ تعالےٰ کو اور دوسری طرف رسول اللہ کو بیک وقت
پکارنا جائز ہے۔

چہارم :۔ وسیلہ ذات کا اور دعا کا لینا جائز ہے۔ اندھا نبی الرحمت کہہ کر وسیلہ
ذات کا لیتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ رسول اللہ صلعم اس کے لئے دعا بھی کرتے
ہیں۔ مگر الفاظِ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ وسیلہ ذات کا لیا گیا۔

پنجم۔ اسی طرح ہر ایک زندہ اور فوت شدہ ولی اور نبی کی ذات اور دعا کا
وسیلہ لیا جا سکتا ہے۔ اور ان کو بھی اسی طرح خطاب ہو سکتا ہے جس طرح کہ نبی الرحمت
کو خطاب کیا گیا۔ کیونکہ اصول ہر جگہ ایک ہی ہے۔

ششم۔ شفاعت بھی دو قسم کی ہے۔ ایک وہ شفاعت جو قیامت کے دن
خاتم النبیین کریں گے۔ دوسری وہ شفاعت جو نبی الرحمت ہر وقت کر سکتے ہیں۔ زندگی میں
بھی اور بعد وفات بھی [1] اس طرح کی شفاعت ہر ایک ولی اور کامل مومن کی لی جا سکتی
ہے۔ کیونکہ اصول ہر جگہ ایک ہے۔ صحیحین۔ نسائی۔ ترمذی۔ ابوداؤد میں ہے اشفعوا توجروا
ویقضی اللہ علی لسان نبیہ ما شاء [2] یعنی شفاعت کرو۔ تم کو اجر ملیگا اور اللہ تعالےٰ
نبی کی زبان پہ جو چاہتا ہے پورا کرتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر قسم کی شفاعت
کا مفہوم قیامت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ اس اصطلاح کا استعمال دونوں طرح
سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اور پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ اس حدیث کے
رو سے ہر ایک مومن آپ کی وفات کے بعد بھی آپ سے توسل کر سکتا ہے اور آپ کو

[1] دیکھو باب سوم فقرہ ۱۴ [2] منتخب جلد اول ص ۲۰۰ شفاعت قرآن میں ہے من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منھا الخ نساء

پکار سکتا ہے۔ اور آپ سے عرض بھی کر سکتا ہے۔ کہ میرے فلاں معاملے میں شفاعت کرو۔ میرے لئے استغفار مانگو۔ جیسا کہ نابینا نے آپ کے توسّل سے بینائی کا سوال کیا تھا۔ اور آپ سے عرض بھی کی تھی کہ میرے لئے وسیلہ بنیئے۔ نبی زندہ ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن سے ایسی استدعائیں بعد وفات بھی ہو سکتی ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث کا منشاء ہے اور جیسا کہ عثمان بن حنیف نے حضرت عثمان کے عہدِ خلافت میں آپ سے توسل کیا اور اس دعا کے پڑھنے سے اس کا مطلب حل ہوا۔ اس مضمون پر مفصل بحث گذشتہ ابواب میں بھی ہو چکی ہے۔ شیخ ابنِ تیمیہ کی تقاریر سے شاید بعضوں کو یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ شفاعت کا مفہوم صرف حشر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حشر والی شفاعت کو شفاعتِ عظمیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن بنی آدم کا سردار ہوں گا اور میں وہ پہلا ہوں گا جس سے قبر پھٹ جائے گی۔ اور میں پہلا شافع اور پہلا مشفع ہونگا[لہ] دوسری حدیث میں ہے۔ انا اوّل شفیع فی الجنۃ[ٰلہ] ایک اور حدیث میں ہے، واعطیت الشفاعۃ[ٰلہ] یہ آپ کے پانچ خصائص میں سے ایک ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ میں نبیوں کا امام۔ اُن کا خطیب ان کا صاحب شفاعت ہوں گا۔ میں یہ فخریہ نہیں کہتا[لہ] ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے۔ انبیاء و علماء و شہداء[ٰلہ] اس حدیث میں عالم سے عالمِ ظاہر مراد نہیں۔ بلکہ عالمِ باعمل یعنی کامل مومن مراد ہیں۔ جن کو صدیق بھی کہتے ہیں۔ دوسری قسم کی شفاعت شفاعتِ صغریٰ کہلاتی ہے۔ اور ایسی شفاعت دینی اور دنیاوی امور سے تعلق رکھتی ہے۔ مجمع البحار میں ہے الشفاعۃ تکررت فی الحدیث و

لہ اول شافع واول مشفع روایت مسلم مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین۔

ٰلہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین مسلم ٰلہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین بخاری و مسلم ٰلہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ترمذی۔ وصاحب شفاعتہم ٰلہ مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعۃ۔

وتتعلق بامور الدنیا والاخرۃ وھی السوال فی التجاوز عن الذنوب والجرائم یشفع فھو شافع وشفیع والمشفع الذی یقبل الشفاعۃ والمشفع من یقبل شفاعتہ۔ کسی شخص کو دنیا میں کوئی دینی یا دنیاوی حاجت لاحق ہوتی ہے وہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے۔ اور اس معاملہ میں شفاعت کا خواستگار ہوتا ہے۔ جیسا کہ نابینا نے کیا اور اس نے فشفعہ فی کے الفاظ استعمال کیئے۔ یہ الفاظ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھانے پر نابینا نے کہے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں بھی جو مطلب براری کی درخواست آپ سے کی جائے۔ اس پر بھی شفاعت کا لفظ اطلاق پذیر ہوتا ہے۔ شفاعت کے مفہوم کو اور بھی عام کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابنِ ماجہ میں ہے افضل الشفاعۃ ان تشفع بین الاثنین فی النکاح یعنی بہترین شفاعت یہ ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں دو کے درمیان شفاعت کی جائے طبرانی اور شعب الایمان بیہقی میں ہے۔ افضل صدقۃ اللسان الشفاعۃ تفک بھا الاسیر وتحقن بھا الدم وتجربھا الاحسان والمعروف الی اخیک وتدفع عنہ الکریھۃ یعنی بہترین صدقہ زبان کی شفاعت ہے جس سے تو قیدی کو آزاد کرائے۔ خون کو بچائے۔ اپنے بھائی سے احسان اور نیکی کرے۔ اور اس سے تکلیف دُور کرے[ٰلہ] صحیحین اور ابو داؤد میں ہے یا اسامۃ اتشفع فی حد من حدود اللہ[ٰلہ] یعنی اے اسامہ کیا تو حدودِ اسلامی سے کسی حد کے بارے میں شفاعت کرتا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ شفاعت کے مفہوم کو شفاعتِ کبریٰ کے مفہوم کے ساتھ مخصوص کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس لفظ کے استعمال کا اعتبار ہر موقع کے لحاظ سے ہونا چاہیئے۔ لسان العرب میں ہے استشفعتہ الی فلان ای سالتہ ان یشفع لی الیہ۔ وتشفعت الیہ فی فلان فشفعنی فیہ تشفیعا۔ قال حاتم یخاطب النعمان ؎

لہ منتخب جلد اول ص ۲۰۱۔ شفاعت ٰلہ منتخب جلد اول ص ۲۰۱۔ شفاعت ٰلہ منتخب جلد اول ص ۲۰۱

فقلت عديًا كلها من اسارها۔ فافضل وشفعنى بقيس بن جحدر۔ پس کیا بلحاظ
عرف اور استعمال لغت کے اور کیا بلحاظ امر واقعہ کے آپ اپنی حین حیات میں
شفاعت کا حق ادا کرتے رہے۔ اور چونکہ آپ کی رُوح زندہ ہے۔ اس لئے
آپ کی روح سے ایسی شفاعت کی استدعا اب بھی ہوسکتی ہے۔ اور آپ
ہر وقت ایسی شفاعت فرما سکتے ہیں۔ صل اللہ علیہ وسلم۔

سنن ابو داؤد میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر
ہوا۔ اور اس نے عرض کیا انا نستشفع بک علی اللہ تعالیٰ ونستشفع باللہ تعالیٰ علیک
یعنی میں اللہ کے پاس آپ سے استشفاع کرتا ہوں۔ اور آپ کے پاس اللہ کے
ساتھ استشفاع کرتا ہوں۔ اس پر آپ چلائے اور فرمانے لگے کہ تجھ پر افسوس
ہے۔ تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی مخلوق کے سامنے استشفاع
نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے[1] لیکن آپ نے اس کو
نستشفع بک علی اللہ تعالیٰ کے کہنے سے نہ روکا جس سے صاف ظاہر ہے کہ
آپ سے قیامت کے پہلے بھی استشفاع ہوسکتا ہے اور کہ آپ کا استشفاع
ہر حال میں قیامت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ صحیح مسلم میں ہے۔ رسول اللہ صلعم
نے فرمایا کہ کوئی میت ایسی نہیں جس پر مسلمانوں کی ایک جماعت جو سو تک
پہنچے نماز جنازہ پڑھے اور اس کی شفاعت کرے۔ مگر اس کی شفاعت قبول[2]
نہ ہو۔ یہاں بھی الفاظ یستشفعون تشفعوا استعمال کیا گیا ہے۔ عربی کی
عبارت یہ ہے۔ ما من میت تصلی علیہ امۃ من المسلمین یبلغون
مائۃ کلہم یشفعون الا شفعوا۔ مسلم کی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

[1] مشکوٰۃ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ۔ [2] مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ۔

ما من رجل مسلم یموت فیقوم علیٰ جنازتہ اربعون رجلاً لا یشرکون
باللہ شیئاً الا شفعہم اللہ فیہ۔ یعنی جو کوئی مسلم فوت ہو اس پر چالیس
آدمی جو اللہ تعالیٰ سے کسی قسم کا شرک نہ کرتے ہوں جنازہ پڑھیں تو ان کی
شفاعت اس کے بارے میں قبول کی جاتی ہے[1] ان حالات میں ظاہر
ہے کہ شفاعت وتشفع واستشفاع کا مضمون صرف قیامت سے ساتھ وابستہ
نہیں بلکہ ان کا استعمال اس دن سے پہلے بھی ہوتا ہے۔

اس مسئلے کی نسبت مختصر طور ذیل کی باتیں قابلِ لحاظ ہیں

اول:۔ کیا فوت شدہ نبی یا ولی کو پکارا جاسکتا ہے۔

دوئم:۔ کیا فوت شدہ نبی یا ولی کو اس پکار کا ادراک ہوتا ہے۔

سوئم:۔ کیا فوت شدہ نبی یا ولی سے مدد طلب کی جاسکتی ہے۔ اور کیا ان
میں مدد کی قوت موجود ہوتی ہے۔

چہارم:۔ فوت شدہ نبی یا ولی کسی کی مدد کس طرح کرتا ہے۔

اب ہر ایک امر کو لیتا ہوں۔

اول:۔ پکارا جاسکتا ہے۔ دیکھو باب سوئم۔ فقرات ۱۲ تا ۱۵۔

دوئم:۔ یہ اصول کی بات ہے۔ کہ جس مومن کی باطنی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس
کے باطنی کان اور دیگر جوارح باطنی بھی کھل جاتے ہیں۔ اگر وہ لاکھوں کوس سے اشیاء
کا ملاحظہ کرسکتا ہے۔ تو وہ دُور سے آواز بھی سُن سکتا ہے۔ انسان کے باطنی کان آنکھ
اور دیگر جوارح اس وقت کھلتے ہیں جبکہ حق تعالیٰ کامل مومن کا ہاتھ۔ پاؤں۔ کان
آنکھ اور دل زبان ہوجاتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور مسند احمد کی روایت میں ہے
دیکھو مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل و منتخب جلد اوّل ص ۱۱۲ و ۱۳۱۱۔ مسند احمد۔ ترمذی اور

[1] مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ

ابن ماجہ میں ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ میں وہ دیکھتا ہوں۔ جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ سُنتا ہوں۔ جو تم نہیں سُن سکتے۔ آسمان سے کچھ آواز آرہی ہے اور آواز آنا چاہیئے۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ آسمان میں چار انگلیوں کے برابر بھی کوئی مقام نہیں جہاں کہ کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو۔ واللہ جو کچھ میں جانتا ہوں۔ اگر تم جانتے ہوتے تو تم تھوڑے ہنستے اور بہت روتے اور تم بستروں پر عورتوں سے لذت حاصل نہ کرتے۔ بلکہ تم پہاڑیوں پر چڑھ جاتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجُوع کرتے۔ ابوذر بولے کاش میں کٹا ہوا درخت ہوتا۔ دیکھو مشکوٰۃ باب البکاء والخوف۔ آسمان پر سے آواز کا سُننا باطنی کان کے کھلنے کی دلیل ہے۔ گویا رسول اللہ صلعم اس خفیف سی آواز کو بھی سُن سکتے تھے۔ جو زمین سے لاکھوں کروڑوں کوس دُور آسمان پر نکلتی تھی۔ اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ آپ کی باطنی قوتِ سمع کس قدر ترقی پا چکی تھی۔ وحی کی آواز بھی جو اوروں کو محسوس تک نہ ہوتی تھی آپ سُنتے تھے۔ یہ سُننا بھی باطنی کان سے تھا۔ وفات پانے پیچھے بھی اب جو درود وسلام لاکھوں کوس دُور سے آپ پر بھیجی جاتی ہے وہ بھی ملکوتی نظام کے ذریعے آپ کو پہنچتا ہے گویا اس وقت بھی ایک ایسا نظام قائم ہے۔ جس کی وجہ سے دُور دراز اطراف سے بھیجی ہوئی دعاوسلام آپ کو فوراً پہنچ جاتی ہے۔ اور آپ اپنی قبر پر دل سے کہی ہوئی درود وسلام کو بھی معلوم کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیثوں میں ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبیؐ و جواب (۲) بالا۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ میں محبت کی خوشبو یمن سے پاتا ہوں۔ دیکھو مشکوٰۃ باب ذکر شام ویمن۔ محبت کی خوشبُو اس قدر دُور دراز فاصلے سے پا لینا باطنی قوتِ شامہ کے بل پر ہے۔ کیونکہ آپ کے تمام قوئے باطنی کمالِ ارتقا کو پہنچ چکے تھے۔ التحیات والی حدیث مشہور ہے۔ اس حدیث کے رُو سے اب بھی آپ کو خطاب کیا جاتا ہے اور وہ دُعا

اب بھی مشروع ہے۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد بھی اس دعا کا استعمال کیا گیا۔ جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا ہے۔ اس دُعا میں آپ کو نبی الرحمت کہہ کر پکارا گیا ہے۔ آپ کو نماز میں بھی ہر ایک نمازی السلام علیک ایُّھا النبیُّ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہ کر پکارتا ہے۔ اور یہ پُکار اور یہ خطاب آپ تک روحانی نظام کے ذریعے پہنچتی ہے اور وہ روحانی نظام ملائکہ کا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ نماز کا یہ خطاب اور پکار عبث نہیں۔ بلکہ بہت پُر معنی ہے۔ اور وہ معنی یہ ہے کہ آپ اس پکار کو کسی نہ کسی طرح سُن پاتے ہیں۔ اور وہ سُننا بروئے حدیث ابوداؤد فرشتوں کے ذریعے ہے۔ فرشتے انسان کے اعمال کو دیکھتے سُنتے اور جہاں کہیں بھی ہو معلوم کر لیتے ہیں۔ کیونکہ انسانوں کے اعمال کی نگرانی ان کے منصب میں داخل ہے۔ وہ ہر ایک انسان کی زبان سے کہی ہوئی۔ دل سے کہی ہوئی بات اور کسی عضو سے کئے ہوئے عمل کو جانتے سُنتے اور دیکھتے ہیں۔ اس لئے جب کوئی مومن خاتم النبیین کو پکارتا ہے تو اس کا یہ پکارنا بھی عمل میں داخل ہے۔ اور ایسا عمل فرشتے معلوم کر لیتے ہیں اور چونکہ اس خطاب اور اس پکار کا تعلق رسول سے ہوتا ہے جیسا کہ دعاوسلام کا تعلق آپ سے ہوتا ہے اس لئے وہ آپ تک پہنچایا جاتا ہے۔ بالخصوص اس صورت میں جب کہ اس پکار کے ساتھ آپ کو درود سلام بھی بھیجا جائے پس نتیجہ یہ ہے کہ یہ خطاب یہ پکار یا تو آپ اپنی باطنی قوت سے معلوم کر لیتے ہیں، یا فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ قریباً قریباً یہی حال کامل مومنوں کا ہے۔

سوئم۔ ہاں مدد طلب کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ مفصل ذکر باب اوّل فقرات ۱۱ تا ۱۵ و ۱۹ تا ۲۱ و ۳۳ تا ۳۹ باب سوئم فقرات ۸ تا ۱۱ و ۱۶ تا ۲۱ و باب سوئم فقرات ۷ و ۱۲ میں کیا گیا ہے۔

چہارم۔ نبی یا ولی کی مدد دعا کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ اگرچہ نا عملِ حقیقی حق تعالےٰ ہی

ہے۔ مگر ان کی دُعا کامیابی کا سبب بنتی ہے۔

۵۔ ہم نے اُوپر ثابت کر دیا ہے کہ نبی صلعم کی قبر پہ جا کر اپنے لئے دُعا کرنا ممنوع نہیں۔ دیکھو جوابات ۲ تا ۴۔ اب رہی یہ بات کہ کسی امام نے یا کسی صحابی نے ایسا کہا یا کیا۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ کہ ایسے تفصیلی حالات قلم بند ہو کر ہم تک نہیں پہنچے۔ دعا ایک قلبی کیفیت ہے۔ اس کا اعلان فرداً فرداً ممکن نہیں۔ صحابہ کا رسول اللہ صلعم کی قبر پہ جانا اور وہاں درود و سلام کہنا اور دعا مانگنا کسی کسی صحابی سے پہنچا ہے۔ مگر تمام صحابہ کا عمل ہم تک نہیں پہنچا۔ اس لئے جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قبر نبوی کی زیارت ممنوع نہیں۔ تو اب اگر ہم کو فرداً فرداً صحابہ کا عمل اس بارے میں نہ بھی پہنچے جب بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ زیارت جائز ہے۔ یہی صورت دعا کی ہے۔ درود ایک دُعا ہے۔ رسول اللہ صلعم اس دُعا کا جواب دعا سے دیتے ہیں[1]۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی رُوح وفات کے بعد بھی دعا کر سکتی ہے۔ اور جب دعا کرنا آپ کی رُوح کے لئے ثابت ہے تو پھر دعا کی استدعا بھی آپ کی رُوح سے ہو سکتی ہے۔ مگر چونکہ دُعا قلبی حالت سے تعلق رکھتی ہے اس لئے اس کے متعلق صحابہ کا عمل قلم بند ہو کر ہم تک نہ پہنچ سکا۔ ممکن ہے کہ صحابہ نے فرداً فرداً جا کر قبرِ نبوی پہ ایسی دعائیں کی ہوں۔ جن کا حال ہم تک نہیں پہنچا جیسا کہ اور باتوں کی نسبت بھی ہم کو ان کے عمل ذاتی سے کچھ نہیں پہنچا[2] اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ صحابہ نے ان باتوں کا اعلان مصلحتاً نہیں کیا تا کہ کہیں دعا پہ اثر نہ ہو جائے اور عامۃ الناس قبر نبوی کی پرستش شروع نہ کر دیں کیونکہ وہ اسلام کے ظہور کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اور اس وقت ایسی احتیاط کرنا نہایت ضروری تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک بار مدینہ میں قحط پڑا اور اس قحط کے ازالہ کے لئے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ قبرِ نبوی کی سقف میں سوراخ کر دو تا کہ قبر اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل

[1] دیکھو کتب احادیث باب الصلوٰۃ علی النبیؐ۔ [2] دیکھو جواب (۲)

حائل نہ رہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تو بارش ہوئی[1]۔ اس سے ظاہر ہے کہ استسقا کے لئے توسل قبر نبوی اور اہلِ قبر کا لیا گیا۔ اور یہ ہر طرح ممکن ہے کہ صحابہ نے وہاں قبر پہ جا کر دُعا کے لئے عرض بھی کی ہو۔ جیسا کہ آپ کی زندگی میں استسقا کی دُعا کی عرض ہوتی رہی۔ اور ایسی عرض نبی صلعم سے ہر وقت بعد وفات ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ اس کی نسبت مفصل بحث اعتقادات ۲، ۳، ۴ و ۶ میں کی گئی ہے۔ اعتقاد (۸) بھی ملاحظہ ہو۔ اور ابواب دوئم و سوئم بھی۔

۶۔ اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ قبروں کو مسجد بنانا سخت ممنوع ہے۔ تحریم کی علت جو شیخ ابن تیمیہ نے وضع کی ہے نادرست ہے۔ اور وہ یہ کہ قبروں کو مسجد بنانا اس لئے حرام ہے کہ مبادا لوگ صاحبِ قبر سے عقیدت رکھ کر اس سے دعا مانگنے یا قبر کو متبرک سمجھ کر اس کے پاس اللہ سے دعا مانگنے کو افضل مان کر آنا جانا شروع کر دیں۔ یہ توجیہہ بے دلیل شارع علیہ السلام نے کہیں بھی بیان نہیں کی۔ قبر کو مسجد بنانے کی تحریم اس لئے وارد ہوئی ہے کہ لوگ صاحبِ قبر کو ہی خدا کے برابر نہ سمجھنے لگیں اور خود اس کی اور اس کی قبر کی پرستش شروع نہ کر دیں۔ جیسا کہ پہلی اُمتوں میں ہوا۔ نہ اس لئے کہ وہاں جا کر دعا مانگنا حرام ہے پس ہمارے لئے صرف یہ حکم ہے کہ ہم قبر کو معبد، مسجد یا عید نہ بنائیں۔ قبروں کی زیارت ہمارے لئے جائز ہے اور وہاں جا کر دعا کرنا اپنے لئے کیا اور صاحبِ قبر کے لئے کیا دونوں جائز ہیں[2]۔ رسول اللہ صلعم کی قبر واقعی مقدس و متبرک ہے۔ وہ شخص اسلام سے بہت دُور ہوگا جو یہ کہے گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر متبرک و مقدس نہیں کیونکہ وہ شانِ رسالت کا منکر ہوگا۔ قاضی عیاض نے شفا میں لکھا ہے کہ لاخلاف ان موضع قبرہ افضل بقاع الارض[3] یعنی کہ رسول اللہ صلعم کی قبر کی جگہ دنیا کے تمام مقامات سے افضل ہے۔

[1] مشکوٰۃ باب کرامات۔ روایت دارمی [2] دیکھو باب دوئم و باب سوئم [3] شفا۔ جلد ۲ ص ۷۵۔

ایک مشہور حدیث ہے۔ مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ[1] یعنی میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان جو کچھ ہے۔ وہ جنتوں کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ پس اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آپ کی قبر جو آپ کے گھر میں واقع ہے۔ مقدس ومتبرک ہے۔ مفصل بحث باب سوئم میں ملاحظہ فرمایئے۔ مجمع البحار میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہود اور نصاریٰ کو لعنت کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنایا۔ اور ان کو قبلہ سمجھ کر ان کی طرف نماز میں سجدہ کیا۔ جیسا کہ بت کی طرف سجدہ کرنے والے کرتے ہیں۔ لیکن جس شخص نے کسی نیک بندے کی ہمسائگی میں مسجد بنائی یا مقبرہ میں نماز پڑھی اس ارادہ سے کہ وہ اس کی رُوح سے استمداد حاصل کرے یا اس کو اس کی عبادت کا اثر پہنچے۔ لیکن ارادہ اس کی طرف منہ کرنے کا یا تعظیم کا نہ ہو۔ تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیا یہ معلوم نہیں کہ اسمٰعیل کا مرقد مسجد حرام میں قبہ کے اندر ہے۔ اور اس میں نماز ادا کرنی افضل ہے[2]۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ یہی قوم (مراد اہل حبشہ) وہ ہے کہ جب کوئی نیک بندہ ان میں سے مرتا ہے تو یہ لوگ اس کی قبر کے اُوپر مسجد بنا لیتے ہیں۔ اور اس میں تصویریں منقش کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے یہاں بدترین خلائق ہیں[3]۔

امام ابنِ حجر عسقلانی کی رائے فتح الباری میں درج ہے۔ وہ بیضاوی کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔ کہ "چونکہ یہود اور نصاریٰ نبیوں کی قبروں کی طرف ان کی شان کی تعظیم کی وجہ سے

[1] مشکوٰۃ باب المساجد بخاری ومسلم۔ [2] لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذو قبور انبیاءھم مساجد کانو یجعلونھا قبلۃ یسجدون الیھا فی الصلوٰۃ کالوثن واما من اتخذ مسجداً فی جوار صالح او صلی فی مقبرۃ قاصداً بہ الاستظہار بروحہ او وصول اثر من آثار عبادتہ الیہ لا التوجہ نحوہ والتعظیم لہ فلا حرج فیہ۔ الا یری ان مرقد اسمٰعیل فی الحجر فی المسجد الحرام والصلوٰۃ فیہ افضل نط قبر۔ جلد ثانی ص ۱۰۴۔ [3] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی بیعۃ۔ جلد اول ص ٦٢

سجدہ کرتے تھے۔ اور ان کو قبلہ بنا کر ان کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ اور ان کو معبود بناتے تھے۔ اس لئے ان پر لعنت کی گئی۔ اور مسلمانوں کو اس سے منع کیا گیا۔ لیکن اگر کوئی کسی نیک بندے کے جوار میں مسجد بنائے اور اس سے نزدیکی کی بنا پر تبرک کا ارادہ کرے۔ لیکن اس کی طرف تعظیم بجا لانے یا منہ کرنے کا ارادہ نہ ہو تو ایسا کرنے میں کوئی وعید نہیں"[1]۔ امام نوری لکھتے ہیں کہ " علماء کا یہ قول ہے کہ نبی صلعم نے اپنی قبر اور کسی غیر کی قبر کو مسجد بنانے سے اس خوف سے روکا ہے کہ ان کی تعظیم میں مبالغہ نہ ہو۔ اور لوگ فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ کیونکہ بسا اوقات یہ بات کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ جیسا کہ اگلی امتوں کے ساتھ ہوا۔ اور جب صحابہ و تابعین کو مسجدِ نبوی کے وسیع کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ کیونکہ مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ اور جب یہ توسیع یہاں تک ہوئی کہ اُمہاتِ مومنین کے حجرے بھی اس میں داخل ہو گئے اور حضرت عائشہ کا حجرہ بھی جہاں نبی صلعم اور صاحبین مدفون ہیں۔ تو انہوں نے قبر کے اُوپر اور اُس کے گرد ایک اُونچی اور گول عمارت بنا دی تاکہ قبر مسجد کے اندر معلوم نہ ہو۔ اور عوام اس کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھیں اور امر ممنوع کے مرتکب نہ ہوں۔ پھر انہوں نے قبر کے شمالی اطراف میں دو دیواریں بنائیں اور ان کو اس میں ملا دیا۔ تاکہ قبر کی طرف منہ کرنا ممکن نہ ہو۔ اور اسی لئے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر کھُلی رہتی۔ لیکن بات یہ ہے کہ یہ اندیشہ ہوا کہ اسے مسجد نہ بنا لیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب[2]۔

جو کچھ اُوپر مذکور ہوا اُس سے ذیل کی باتیں ثابت ہوتی ہیں:۔

اوّل:۔ قبر کو مسجد نہ بنایا جائے۔ اور اس کے اوپر سجدہ نہ کیا جائے

دوئم:۔ قبر کو قبلہ سمجھ کر اس کی طرف سجدہ نہ کیا جائے

[1] فتح الباری جلد اوّل ص ۳۵۴۔ یہ رائے بیضاوی کی ہے [2] شرح مسلم از امام نوری جلد اول۔ ۲۰۱۔ باب المنھی عن بناء المسجد علی القبور الخ

سوئم۔ قبر کے عین پہلو میں بھی نماز نہ پڑھی جائے۔ جیسا کہ علامہ ابنِ حجر عسقلانی کی رائے ہے۔ کہ مقبروں میں نماز مکروہ ہے۔ خواہ نماز قبر کے عین پہلو میں پڑھی جائے یا اس کے اُوپر یا کسی طرف[1]۔

چہارم۔ کسی نبی یا نیک بندے کی قبر کی ہمسائیگی میں مسجد بنانا جائز ہے۔ اس خیال سے کہ اس کی نزدیکی کی وجہ سے اس کی رُوح سے استمداد کی جائے۔ بشرطیکہ اس قبر کی طرف توجہ سجدہ کے وقت نہ ہو۔ اور نہ اس کی طرف تعظیم بجا لانا حدِ جوازیت سے نکل جائے اور اس قبر کو معبد بنا لیا جائے۔

پنجم۔ قبر کے جوار میں نماز پڑھنی جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت اسمعیل کی قبر حجر کے اندر ہے اور وہاں نماز پڑھنا افضل ہے۔

ششم:۔ نبیوں۔ نیک بندوں اور ان کی قبروں کی مناسب تعظیم جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ تعظیم حدِ شریعت سے باہر نہ نکل جائے۔ یعنی کہ قبروں کی ایسی تعظیم نہ ہو۔ کہ اُن کی طرف یا اُن کے اُوپر نماز پڑھی جائے۔ اور اُن کو معبد سمجھ لیا جائے اور نبیوں اور نیک بندوں کی پرستش شروع کر دی جائے۔

ہفتم:۔ قبر کو مسجد بنانے کی نہی اس لئے وارد ہوئی ہے کہ لوگ اس کی طرف منہ کر کے عبادت شروع نہ کر دیں اور اُسے معبد نہ بنا لیں۔ یا اس کی تعظیم حدِ شریعت سے نہ بڑھ جائے۔

ان حالات میں اہلِ قبر سے عقیدت رکھنا اور اس کی دُعا سے توسل کرنا جائز ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ قبر کو حدِ شریعت کے اندر متبرک سمجھ کر وہاں دعا کی جائے۔ جیسا کہ ابواب دوئم و سوئم میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اور اُوپر کے اعتقادات میں بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ قبور پر آمد و رفت بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ قبر معبد نہ بن جائے یں

[1] فتح الباری جلد اول ص ۳۵۴۔

جو تعلیل قبروں کو مسجد بنانے کی نہی کے متعلق شیخ ابنِ تیمیہ نے بیان کی ہے۔ وہ بالکل غلط ہے۔

۷۔ یہ درست ہے۔

۸۔ امام جلال الدین سیوطی نے ایک باب اپنی کتاب شرح الصدور میں باندھا ہے۔ وہ یہ ہے۔ عرض اعمال الاحیاء علی الاموات۔ مسند احمد میں ہے کہ تمہارے عمل تمہارے فوت شدہ رشتہ داروں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ اعمال اچھے ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر اچھے نہ ہوں۔ تو وہ کہتے ہیں۔ کہ اے اللہ تو ان کا خاتمہ نہ کر جب تک کہ تُو اُن کو ہدایت نہ کر لے۔ جیسا کہ تُو نے ہم کو ہدایت کی۔ مسند ابو داؤد طیالسی میں بھی اس قسم کی حدیث موجود ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔ اللھم الھمھم ان یعملوا بطاعتک۔ گویا مُردوں کی رُوحیں زندوں کے لئے دعائیں مانگتی ہیں۔ اور جب رُوحوں سے دُعا کا صادر ہونا ثابت ہو گیا۔ تو پھر اُن سے دُعا کی استدعا کرنے میں کونسی قباحت ہے۔ اگر قبر کے پاس جا کر کوئی دُعا بشکلِ سلام کرتا ہے تو اہلِ قبر اس دُعا کا جواب دیتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی وہاں جا کر کسی اور قسم کی دعا کرے گا تو وہ بھی اہل قبر سُن پائے گا۔ طبرانی اوسط میں ابنِ عمر سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلعم اُحد سے لوٹتے ہوئے مصعب بن عمیر کی قبر سے گذرے۔ اور آپ اُن کی قبر پر اور اپنے دیگر اصحاب کی قبروں پر ٹھہرے۔ اور آپ نے فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تم اللہ کے یہاں زندہ ہو۔ سو تم ان کی زیارت کرو اور اُن کو سلام کرو۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ تم سے کوئی ان کو سلام نہیں کہتا۔ مگر یہ کہ وہ جواب دیتے ہیں۔ یوم قیامت تک[1]۔ اسی طرح کی روایت مستدرک حاکم اور شعب الایمان بیہقی کی ہے۔ ابن ابی الدنیا ابن عبد اللہ اور عقیلی کی

[1] شرح الصدور باب زیارت القبور۔

بھی اس طرح کی روایت ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے حجرے میں داخل ہوا کرتی تھیں اور کپڑا سر پہ نہ ہوتا تھا۔ یہ اس وقت تک تھا جب تک کہ حضرت عمرؓ دفن نہ ہوئے تھے۔ اور جب حضرت عمرؓ وہاں مدفون ہوئے تو ان سے حیا کی وجہ سے سر پہ کپڑا رکھ کر اندر جاتیں۔

قبر کی بندگی کی وجہ سے دُعا قبول نہیں ہوتی اگر قبول ہوتی ہے تو صاحب قبر کی بزرگی کی وجہ سے جسکی عزت و حُرمت اللہ کے یہاں مسلّم ہوتی ہے۔ قبر بجائے خود کوئی چیز نہیں۔ جو چیز قابلِ اعتماد ہے وہ اہل قبر کی رُوح مقدس و مطہر ہے۔ جس سے دُعا کی استدعا ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے اس رُوح کا اس جسمِ مطہر سے جس میں رہ کر اس نے کمالات حاصل کیے ہوں حشر تک ایک ایسا تعلق رہتا ہے جو ادراکِ عامہ سے بالاتر ہے۔ ان کی نسبت مفصل بحث گذشتہ ابواب میں کی گئی ہے۔ نذر و منّت کے متعلق اعتقاد (۳) میں مفصل بحث ہوچکی ہے۔ اہل قبر کی بزرگی کی وجہ سے قبر بھی متبرک و مقدس بن جاتی ہے۔ شرف المکان بالمکین چنانچہ جناب رسول اللہ صلعم کی قبر کی بزرگی کی وجہ سے جس کا توسل صحابہ نے کیا تھا بارش ہوئی اور قحط دُور ہوا جس کا ذکر اُوپر کے اعتقاد میں آچکا ہے۔ جیسا کہ دارمی کی روایت میں ہے۔ ان تمام امور کے نسبت پہلے بھی مفصل بحث ہوچکی ہے[1]۔

۹۔ اس اعتقاد کا تجزیہ ذیل کے ضمنوں میں کیا جاسکتا ہے۔

اوّل :۔ کیا دنیا میں خدا کا دیکھنا ممکن ہے۔

دوئم :۔ کیا نبی صلعم یا خضر علیہ السلام یا کسی اور بزرگ کا دیکھنا ممکن ہے۔

سوئم :۔ کیا خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔

چہارم :۔ کیا ایک شخص ایک وقت میں دو جگہوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

[1] دیکھو اعتقاداتِ گذشتہ و ابواب دوئم و سوئم۔

پنجم :۔ کیا فرشتے کا دیکھنا اب بھی ممکن ہے۔

ششم :۔ کیا جن یا شیاطین لوگوں کو دُور دراز مقامات پہ اُڑا لے جاتے ہیں۔ اور کیا یہ طاقت صرف جنّوں کو حاصل ہے۔

اب ہم ہر ایک امر کو علی الترتیب لیتے ہیں۔

امر اوّل۔ اللہ کا دُنیا میں دیکھنا باطنی آنکھ کے ذریعہ ممکن ہے۔ اور ایسا دیکھنا تجلّی ذاتی کہلاتا ہے۔ یدرک الابصار ولا تدرکہ الابصار وھو اللطیف الخبیر۔ مومنین روزِ حشر کو خدا کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح کہ آج ہم بدرِ کامل کو دیکھتے ہیں۔

دوئم و سوئم۔ حضرت خضر کی نسبت شیخ ابنِ تیمیہ کا خیال ہے کہ وہ مر چکے ہیں اور جو حضرت خضر لوگوں کو ملتے ہیں۔ وہ اصل میں شریر جِنّ ہے۔ (ص ۔ ۱۲۸) یہ خیال اُن کا محض غلط ہے۔ حضرت خضر ہُود علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ شجرہ اس طرح پہ ہے۔

ہُود علیہ السلام ــــ سفیطی۔ ملکان ۔ خضر علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت یعقوب کی اولاد سے ہیں اور حضرت خضر سے صدہا سال پیچھے آئے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی ملاقات کتب احادیث میں موجود ہے۔ دیکھو صحیح بخاری۔ بابِ حدیثِ خضر معہ موسیٰ علیہ السلام[51] یہ قصّہ ملاقات کا قرآن میں بھی موجود ہے بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ موسیٰ بنی اسرائیل کے پیغمبر نہ تھے۔ بلکہ کوئی اور تھے ــ یہ خیال بھی بالکل غلط ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابنِ عباس سے کہا کہ نوف بکالی کہتا ہے کہ وہ موسیٰ جن کی خضر سے ملاقات ہوئی تھی بنی اسرائیل کے موسیٰ نہ تھے۔ حضرت ابنِ عباس بولے کہ وہ خدا کا دشمن جھوٹ بولتا ہے۔ تفصیل اس گفتگو کی حُر ابنِ قیس قراری کے تذکرہ میں موجود ہے[52]۔ صحیح بخاری کے بابِ مذکورہ بالا سے بھی

[51] صحیح بخاری کتاب الانبیاء۔ ص ۴۸۱ تا ۴۸۳۔

[52] اسد الغابہ۔ تذکرہ حُر ابن قیس قراری۔

یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ موسےٰ وہی مرسل پیغمبر تھے۔ جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے اور جنہوں نے فرعون کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ حضرت موسےٰ کے وقت تک تو حضرت خضر زندہ تھے۔ گویا یہ قانونِ قدرت کے مطابق ہے کہ کسی شخص کو اس قسم کی غیر معمولی زندگی حاصل ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ خضر علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہے کہ نہیں حصن حصین میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم کی وفات پر ایک شخص آئے اور روئے۔ اور حاضرین کو اس مصیبت کے متعلق نصیحت کر کے چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت ابُوبکرؓ اور عمرؓ نے فرمایا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے۔ روایت مستدرک حاکم۔ دیکھو حصن حصین ص ۴۹۲[1]۔ نظامی گنجوی نے سکندر نامے میں لکھا ہے کہ اُن کو حضرتِ خضر ملے اور اُن سے وہ فیضیاب ہوئے۔ صوفیوں میں سے سلطان ابراہیم ادہم حکیم ترمذی شیخ عبدالقادر جیلانی اور بہت سے دیگر ولیوں کا حضرت خضر سے ملنا کتب سوانح میں مذکور ہے تفصیل کے لئے دیکھو تذکرۃ الاولیا اور نفحات الانس جامیؒ ہم ان تذکرہ نویسوں پر اور ان کے ان مصالح پر جن کی بنا پر انہوں نے یہ حالات لکھے ہیں بلا وجہ اعتبار نہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے ہمارا اعتقاد ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اب تک زندہ ہیں۔ اور وہ بندگان خدا بالخصوص مجددوں۔ ابدالوں۔ اخیاروں۔ اوتادوں سے ملتے رہتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم کا خواب میں دیکھنا جائز ہے۔ حضرت خضر کا ظاہر میں دیکھنا خاص خاص لوگوں کے لئے ممکن ہے۔ رسول اللہ صلعم کے ظاہر میں دیکھنے کے متعلق ہم کسی اور کتاب میں بحث کریں گے۔

چہارم:۔ یہ مسئلہ متفیبیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے شیخ ابن تیمیہ جیسے علماء ظواہر سے ایسے مسئلے کا کوئی واسطہ نہیں اور نہ ہم ایسے مسئلے کی نسبت یہاں بحث کرنا مناسب

[1] اس کے علاوہ دیکھو روایت شعب الایمان بیہقی۔ مشکوٰۃ ص ۵۴۸۔

خیال کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ اس علم کا ایک شعبہ ہے۔ جس کے متعلق ابوہریرہؓ نے کہا تھا۔ کہ اگر میں ظاہر کروں تو میری گردن پر چھری چل جائے۔[1]

پنجم۔ حضرت مریم نے فرشتہ دیکھا۔ نبیوں کے پاس ملائکہ آتے رہے ہے۔ حضرت مریم صدیقہ تھیں۔ اس لئے صدیق اب بھی فرشتے دیکھتے ہیں۔

ششم۔ ایسا ہو سکتا کہ جن کسی کو اُٹھا کر لے جائے۔ اس قسم کا ایک واقعہ اسد الغابہ میں مذکور ہے۔ ازاذ مرد نے بیان کیا کہ ان کی بی بی کو ایک جن آسمان کی طرف اُڑا لے گیا۔ تاکہ وہ وہاں کی باتیں چھپ کے سنے۔ چنانچہ جب وہ آسمانِ دنیا پر پہنچے تو ایک آواز وہاں سے سُنی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن۔ پس یہ دونوں گر پڑے۔ پھر وہ جن اس کو اس کے گھر پہنچا آیا۔ اس کے بعد وہ جن پھر جب ان کی بی بی کے پاس آیا تو اُنہوں نے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ پس وہ جن جلنے لگا۔ یہاں تک کہ خاک ہو گیا۔[2] اگر یہ طاقت جنوں کو حاصل ہے تو پھر صدیقوں نبیوں کو بطریقِ اولیٰ حاصل ہونا چاہیئے۔ حضرت آصف نے ملکۂ صباء کا تخت چشم زدن میں لا کر سامنے رکھ دیا۔ مگر جن اس قدر جلدی نہ لا سکا۔ اگر ایک صدیق میں اس طرح تخت کے اُٹھا لانے کی طاقت موجود ہو سکتی ہے تو پھر اس کو یہ طاقت قدرتی طور حاصل ہونا چاہیئے کہ وہ کسی اور شئے کو بھی جس میں انسان بھی شامل ہے اُٹھا کر کہیں کا کہیں پہنچا دے اور خود بھی جہاں چاہے چشم زدن میں پہنچ جائے۔ یہ طاقت طے مکان کی نبیوں اور صدیقوں کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ طاقت رسول اللہ صلعم کو حاصل تھی۔ سلفِ صالحین اور جمہور مسلمانوں کا یہ ایمان ہے کہ آپ نے معراج جسم کے ساتھ بیداری کی حالت میں کیا اور یہی درست بھی ہے۔ اور یہی حضرات

[1] مشکوٰۃ کتاب العلم روایت بخاری۔

[2] اسد الغابہ تذکرہ آزاد مرد

ابنِ عباس۔ جابر۔ انس۔ خدیفہ۔ عمر۔ ابوہریرہ۔ مالک بن صعصعہ۔ ابوجنۃ۔ البدری
ابن مسعود۔ ضحاک۔ سعید بن جُبیر۔ قتادہ۔ ابن المسیّب۔ ابن شہاب۔ ابنِ زید الحسن۔
ابراہیم۔ مسرُوق۔ مجاہد۔ عکرمہ۔ ابن جریج۔ طبری۔ ابن حنبل وغیرہ کا مذہب ہے[۵۱]
ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر جسم کے ساتھ
بیداری میں اور مسجد اقصیٰ سے آسمان تک کا سفر رُوح کے ساتھ کیا گیا۔ بہر حال
جمہور مسلمین اور کبار آئمہ کی رائے ہیں بالاتفاق یہ سفر کم از کم جزواً جسم کے ساتھ
اور بیداری کی حالت میں تھا اور یہی دوسرے لفظوں میں طے مکان ہے۔ کامل
مومن کی نعش کو بھی ایک طرح کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ عامر ابنِ فہیرہ مشہور صحابی
تھے۔ غزوہ بدر و اُحد میں شریک تھے۔ بیر معونہ کے دن ۴ھ میں شہید ہوئے۔
ان کی نعش تلاش کرنے سے بھی کسی کو نہ ملی۔ سب نے یہی خیال کیا کہ ان کی نعش
فرشتے اُٹھا لے گئے۔ جب عامر بن طفیل بیر معونہ سے واپس آئے تو انہوں نے
رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا کہ وہ کون شخص تھے کہ میں نے دیکھا کہ جب شہید
ہوئے۔ تو اوپر اُٹھا لئے گئے۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ آسمان بھی ان کے نیچے رہ گیا
آنحضرت نے فرمایا کہ وہ عامر بن فہیرہ تھے[۵۲] میت کا ظاہرا طور کلام کرنا بھی ایک تذکرہ
میں آیا ہے۔ جب خارجہ بن زید فوت ہوئے تو لوگوں نے ان کو کفن پہنایا۔ اور راوی نماز
پڑھنے لگا۔ تو یکایک اس نے کچھ آواز سُنی۔ راوی نے پھر کر دیکھا تو خارجہ حرکت کر رہے
تھے۔ کہ سب لوگوں میں زیادہ سخت اور سب سے زیادہ عند اللہ مقبول امیر المومنین عمرؓ ہیں۔ جو
اپنے جسم میں بھی قوی ہیں۔ اور خدا کے کام میں بھی قوی ہیں۔ امیر المومنین عثمان بڑے
پرہیزگار ہیں۔ جو لوگوں کی بہت خطاؤں سے درگزر کرتے ہیں۔ دو راتیں گذر گئیں۔ اور
چار باقی ہیں۔ لوگ مختلف ہو رہے ہیں۔ ان کا انتظام درست نہیں ہوتا۔ اے لوگو! اپنے

[۵۱] تفصیل کے لئے دیکھو شفا قاضی عیاض جلد اول باب سوئم ص ۱۱۳ و ۱۱۴ [۵۲] اسد الغابہ تذکرہ عامر بن فہیرہ

اپنے امام کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اور ان کی بات سُنو۔ اور مانو۔ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ
وسلم ہیں۔ اور یہ ابنِ رواحہ ہیں۔ اس قدر کہنے کے بعد آواز پست ہو گئی یہی وہ بزرگ
ہیں جنہوں نے موت کے بعد کلام کی[۵۳] عبید اللہ ابن عبید اللہ سے روایت ہے کہ
ثابت بن قیس بن شماس یمامہ میں شہید ہوئے۔ جب ان کو قبر میں داخل کیا گیا۔ تو وہ بول
اُٹھے۔ محمد رسول اللہ۔ ابوبکر صدیق۔ عمر شہید عثمان پُر رحم ہیں۔ ہم نے دیکھا تو وہ پھر میت
کی میت تھی[۵۴] یہاں یاد رکھنا چاہئیے کہ کسی مومن صحابی یا کسی صالح مومن کی نعش میں
جن دخل پیدا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کلمہ طیب کا اثر اس کے جسم میں ایسا ہوتا ہے۔ کہ
خبیث روحیں اور شیاطین اس سے دُور دُور رہتے ہیں۔ اور وہ کبھی بھی ناپاک نہیں
ہوتا۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے[۵۵] اس لئے کسی صحابی کی نعش کا حرکت کرنا
یا بولنا خبیث روحوں کے اثر کے تحت نہیں ہو سکتا۔
شیخ ابن تیمیہ کے ان خیالات سے جو انہوں نے اس اعتقاد میں ظاہر کئے ہیں۔ یہ معلوم
ہوتا ہے کہ وہ علم باطنی سے نابلد ہیں۔ اور کہ ان کو کشفِ قبور اور کشف ملکوت سے دور
کا لگاؤ بھی نہیں۔ ایسے مسائل میں وہی مومن بات کر سکتا ہے۔ جس کا ایمان کشفی اور
تحقیقی ہو گیا ہو۔ حالانکہ شیخ موصوف کے ایمان کو اس کشف اور اس تحقیق سے کوئی نسبت
نہیں۔ عالم ظاہری ہونا ایک بات ہے اور کامل مومن ہونا دوسری بات ع
چراغ مردہ کُجا شمع آفتاب کجا۔

۱۰۔ انبیاء و صالحین کی قبروں پر جا کر ان کو خطاب کرنا اور درود و سلام کہنا جائز ہے
البتہ ان کو خدا کے برابر سمجھ کر پکارنا شرکِ عظیم ہے۔ ماسوی اللہ سے استمداد و رجوع کے
متعلق دیکھو اعتقادات ۱۲-۱۳-۱۴۔ نبیوں اور ولیوں کو وفات کے بعد پکارنے
کے متعلق دیکھو فقرہ ۱ باب سوئم اس کے علاوہ دیکھو جوابات ۲ تا ۹۔

[۵۳] شفاء قاضی عیاض جلد اول۔ ص ۱۱۲ فصل۔ احیاء موتیٰ۔ و اسد الغابہ۔ [۵۴] [۵۵] مشکوٰۃ باب ن لطتہ الجنب

۱۱۔ انبیاء اور صالحین کی نسبت شیخ ابنِ تیمیہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اخیار اُمت کے
لئے دُعا کریں گے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ قیامت کے دن دعا کریں گے۔ حالانکہ وہ
ہر وقت اور وفات کے بعد بھی دُعا کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ ابواب میں اور اعتقادات
(۲)۔ (۳)۔ (۴)۔ (۵)۔ (۶)۔ (۸) میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اس لئے فوت
ہوئے نبیوں اور ولیوں سے دُعا کی استدعا ناجائز نہیں۔ ان سے دعا کی استدعا
زندگی میں کی جاتی رہی۔ جناب خاتم النبیین سے صحابہ نے دُعا کی استدعائیں کی
ہیں۔ وفات کے بعد بھی نبی۔ صدیق اور شہید زندہ رہتے ہیں۔ اور جب ان کے لئے
زندگی ثابت ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اُن سے دعا کی استدعا نہ کی جائے۔ ہاں
ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ ایسی دُعا کے آداب و شرائط سے واقف ہونا چاہیئے۔ ملائکہ
کا پکارنا اور ان سے استدعا استغفار اس لئے غیر ضروری ہے کہ وہ ہم سے افضل نہیں
اور نہ ایسی استدعا مشروع ہے۔ انبیاء سے دُعا و شفاعت کی استدعا اس لئے ہو سکتی
ہے کہ ایسی استدعا مشروع ہے اور وہ دنیا میں اس لئے مبعوث ہوتے ہیں۔ کہ اپنی
زندگی میں اور بعد وفات صلاحیّت والے افرادِ اُمت کے لئے دعائے تزکیہ کریں
اور انہیں منزل مقصود تک پہنچائیں۔ اس لئے ملائکہ سے استدعا استغفار پر نبیوں
سے استدعا استغفار کا قیاس قیاس مع الفارق ہے۔ دلیل (۱) خوب منطق ہے۔ یہ
خیال نادرست ہے کہ چونکہ ہر ایک کے لئے شقاوت یا سعادت مقدر ہو چکی ہے اس
لئے کسی کو بھی سعی اور ذاتی جد و جہد نہ کرنا چاہیئے۔ حالانکہ شرعی اصول یہ ہے۔ کہ
گو کہ سب کچھ مقدر ہے مگر ذاتی جد و جہد جاری رہنا چاہیے۔ اس کے متعلق بہت سی
حدیثیں اور آئتیں وارد ہو چکی ہیں۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ علاّمہ صاحب دلیل یہ دیتے
ہیں۔ کہ جن کے لئے اللہ تعالیٰ سے نبیوں کو اجازت دعا و شفاعت کی ہوگی وہ کریں گے
اس لئے ان سے درخواست دُعا و شفاعت فضول ہے لیکن ان کے ذہن سے یہ بات اُتر گئی

ہے۔ کہ نبی جس کے لئے حق تعالیٰ سے استدعا کرتے ہیں حق تعالیٰ اکثر اُن کی استدعا
قبول کرتا ہے۔ اور یہ نبی ہی کی کوشش کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اکثر لوگ راہِ راست پر آجاتے
ہیں۔ اور منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔
دلیل (۲) بھی درست نہیں۔ کیونکہ مرے ہوئے نبی صدیق اور شہید زندہ ہوتے
ہیں۔ اس لئے ان سے استدعا بھی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ اُوپر تفصیل سے بیان کیا گیا
ہے [1] آپ رسول اللہ صلعم کو السلام علیک ایھا النبی کہہ کر دن میں کئی بار پکارتے
ہیں اور ایسا پکارنا مشروع ہے۔ ایسا پکارنا بے معنی اور عبث نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شارع کسی
عبث فعل کا ہم کو حکم نہیں دے سکتے۔ اور اگر یہ پکارنا بے معنی ہوتا۔ تو شارع علیہ السلام
اس کی جگہ اور مشروع الفاظ لا سکتے تھے۔ اس لئے یہ پکارنا پُر معنی ہے۔ اور وہ یہ کہ
جناب رسول اللہ صلعم اس سلام کو خود یا بوساطت ملائکہ سُن پاتے ہیں۔ پس اس طرح
کا پکارنا مشروع ہے۔ فوت شدہ نبیوں اور ولیوں کو پکارنے کے متعلق دیکھو فقرہ ۱۲ تا ۱۴
اا باب سوم۔ اور نبیوں اور ولیوں سے استمداد و استعانت کے متعلق دیکھو اعتقادات
۱۲۔ ۱۳ و ۱۴۔ یہاں شیخ ابنِ تیمیہ نے متضاد باتیں جمع کر دی ہیں۔ ایک طرف کہتے ہیں۔ کہ
غیر اللہ سے سوال حرام ہے۔ دوسری کہتے ہیں کہ ضرورت کے لحاظ سے مباح اور توکل
کی رُو سے اس کا ترک افضل ہے۔ ایک طرف کہتے ہیں کہ مخلوق سے سوال اصل میں
حرام ہے اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ نبی صلعم نے جو اُمت سے دُعا طلب کی
ہو وہ سوال نہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ حضرتِ عمرؓ نے نبی صلعم
سے عمرہ کی اجازت چاہی۔ نبی صلعم نے اجازت دی اور فرمایا کہ اے بھائی ہمیں
اپنی دُعا میں نہ بھولنا [2]۔ اب ان باتوں میں تطبیق کس طرح ہو سکتی ہے۔ جب سوال مخلوق
سے حرام ہے اور بالخصوص کامل نبی کی صورت میں تو یہ بالکل ہی حرام ہونا چاہیے۔

[1] دیکھو اعتقادات وجوابات گذشتہ۔ [2] ابوداؤد و ترمذی مشکوٰۃ کتاب الدعوات۔

تو پھر نبی صلعم کو کیا ضرورت لاحق ہوئی تھی۔ کہ وہ ایسا سوال مخلوق سے کرتے اور اپنے ہی اُمتی سے دعا کا خیال ظاہر فرماتے۔ خواہ وہ خیال کسی پہلو پر ہی ہو۔ کیونکہ سوال آخر ش سوال ہے۔ اور پھر وہ حضرت عمرؓ جیسے کبار صحابہ کو کبھی حکم نہ دیتے کہ اویس قرنی سے اپنے لئے دُعائے استغفار کرانا[۱] معلوم ہوتا ہے کہ شیخ موصوف اس بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ جس طرح سے ہو اپنی بات کی ہی پچ کریں۔ ہم شیخ صاحب کے اقوال کا تجزیہ ضمن ہائے ذیل میں کرتے ہیں۔

(۱) مخلوق سے سوال اصل میں حرام ہے۔

(۲) مخلوق سے سوال کرنے میں غیر اللہ کی طرف احتیاج لازم آتی ہے۔ جو شرک کی قسم سے ہے۔ اور اس سے غیر اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار ہے۔ جو ظلم نفس کی قسم سے ہے۔

(۳) اُمت کو جو خدا کا حکم ہے کہ رسول اللہ صلعم کے لئے دعا کریں اس سے خود امت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

(۴) نبی صلعم نے اُمت سے جو دُعا طلب کی ہے وہ حکم و ترغیب ہے۔ سوال نہیں۔

(۵) اگر کوئی دعا کا سوال کسی سے کرے اور سوال کرنے والی کی نیت یہ ہو کہ دُعا کرنے والے کی دُعا سے اسے فائدہ پہنچے۔ اور اُسے یہ خیال نہ ہو کہ دعا کرنیوالے کو بھی نفع پہنچے تو ایسا سوال قابلِ اعتراض ہے۔

(۶) محبت سے سوال نہ مشروع ہے نہ واجب نہ مستحب۔

امر (۱) (۲) یہ مسئلہ تشریح طلب ہے۔ پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ غیر اللہ سے استعانت واستمداد ہو سکتی ہے کہ نہیں۔ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ ایک دوسرے کی اعانت کرو۔

۱؎ اسد الغابۃ تذکرہ حضرت اویسؓ۔

نیکی اور پرہیز گاری میں[۱]۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اچھے کاموں میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کی اعانت کرنا چاہیئے۔ اور جب ایکدوسرے کی اعانت ضروری ہے تو پھر ضروری اعانت کے کاموں میں استعانت بھی دائرہ جواریت کے اندر آتی ہے ذوالقرنین کے متعلق قرآن میں ہے۔ اُس نے کہا کہ جس میں میرے پروردگار نے مجھے قدرت دے رکھی ہے بہتر ہے۔ سو تم میری مدد کرو قوت کے ساتھ۔ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک سد بنا دیتا ہوں[۲]۔ ذوالقرنین نے اس آیت کے رُو سے دوسروں سے اعانت طلب کی ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ ہے اور اس کی دوسرے لوگوں نے اعانت کی[۳]۔ حقیقت یہ ہے کہ صحیح معنی میں استعانت اللہ سے ہوتی ہے اور چونکہ معاشرت و مدنیت کا دارومدار امداد و اعانت باہمی پر ہے۔ اس لئے اعانت باہمی جائز رکھی گئی ہے۔ ورنہ اگر اس طرح کی اعانت جائز نہ رکھی جاتی تو پھر دنیا کا کاروبار نہ چل سکتا تھا۔ و ایاک نستعین سے یہ مراد ہے کہ ہم تجھ سے ہی اعانت مانگتے۔ اور کسی دوسرے کو تیرے جیسا سمجھ کر اُس سے اعانت نہیں مانگتے۔ یہاں ترک اعانت سے شرک کی نفی مراد ہے لیکن اگر بلا احتمال شرک اعانت اور استعانت ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ تعاونوا علی البر والتقویٰ کے حکم سے مستفاد ہے۔ شیخ موصوف ایسے سوال کو کس طرح اصل میں حرام قرار دے سکتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے جو پہلا خطبہ خلیفہ ہونے کے بعد دیا اس میں آپ نے صاف طور اپنے دینی بھائیوں سے امور دینی میں اعانت طلب کی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں اچھا کام کروں۔

۱؎ وتعاونوا علی البرّ والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثمِ والعدوان۔ مائدہ ۵۰

۲؎ قال ما مکنّی فیہ ربی خیر فاعینونی بقوۃ اجعل بینکم وبینھم ردما۔ کہف - ۱۸ - ۹۵ - اسی طرح طبرانی کی روایت میں ہے اعینونی یا عباد اللہ

۳؎ حصن حصین ص ۱۶۳

تو تم میری اعانت کرو۔ اور اگر بُرا کام کروں تو مجھے سیدھا کردو[1]۔ ایسی اعانت دینی بھائیوں سے مانگنی افضل ہے۔ کیونکہ اسی پر مدنیت شہریت اور معاشرتِ ملکی کی بنیاد قائم ہے۔ پس شیخ موصوف کا یہ قول مطلق کہ غیر اللہ سے سوال اصل میں حرام ہے اور کہ اس کا ترک افضل ہے بالکل غلط ہے۔ قرآن میں ہے۔ کہ اگر تم اس کی (نبی کی) مدد نہ کرو گے تو تحقیق اللہ نے تو اس کی مدد کی[2]۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کی مدد جسے نصر کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے دوسرے لوگ کر سکتے ہیں۔ اور ایسی مدد دوسروں سے طلب ہو سکتی ہے۔ اور ایسی طلب افضل ہے۔ اگر ایسی مدد اور اس کی طلب افضل نہ ہوتی تو تارک کو وعید نہ ہوتی۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ غیر اللہ سے مدد کی ترغیب دینے والا خود خدا ہے۔ آپ غور کریں کہ ایسی مدد کے لئے سوال کا ترک کس طرح افضل ہو سکتا ہے۔ دوسری جگہ قرآن میں ہے کہ اے مومنو! اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے حواریوں کو کہا کہ اللہ کی طرف میرے مددگار کون ہیں۔ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں[3]۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ خود مومنوں سے مدد چاہتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ نے بھی اپنے حواریوں سے مددگار بننے کی خواہش ظاہر کی۔ اس لئے ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ غیر اللہ سے نصر یعنی امداد کا سوال حرام ہے۔ اور کہ اس کا ترک افضل ہے۔ غیر اللہ سے ترک سوال اس وقت افضل ہے جب کہ ہم غیر اللہ کو اللہ کا شریک سمجھ کر اس سے سوال کریں ورنہ مطلق طور پر غیر اللہ سے سوال کا ترک ضروری نہیں جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا ہے۔ معلوم ہوتا

[1] فان احسنت فاعینونی وان اساءت فقوّمونی۔ سیرۃ ابن اسحاق منتخب جلد ۲ ص ۱۵۹۔
[2] الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین الآیہ براۃ ۹۔ ۴۰
[3] یا ایھا الذین امنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسیٰ بن مریم للحوارین من انصاری الی اللہ۔ قال الحواریون نحن انصار اللہ۔ صف ۶۱۔ ۱۴

ہے کہ شیخ ابن تیمیہ کو یہاں مغالطہ ہوا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ اگر وہ تم سے مدد طلب کریں۔ تو تم پر مدد کرنا واجب ہے[1]۔ یہ آیت کبار صحابہ یعنی مہاجرین کے متعلق ہے۔ اور ان کے لئے مدد و اعانت کا رسول سے طلب کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ بعض حالتوں میں انسب پس امداد یعنی نصر کا سوال غیر اللہ سے ہو سکتا ہے اور ایسا سوال ممنوع نہیں۔ اور نہ ہر جگہ اس کا ترک افضل ہے۔ حج میں ہے۔ اور تحقیق اللہ تعالےٰ ضرور مدد کرتا ہے اس کی جو اس کی امداد کرتا ہے[2]۔ ذرا غور تو فرمائیں کہ جہاں خود اللہ تعالےٰ غیر اللہ سے مدد کا خیال رکھتا ہے اور غیر اللہ کو اپنی مدد کی ترغیب دیتا ہے تو وہاں اوروں کا کیا حال ہوگا۔ ان حالات میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان لوگوں سے جو حُب اللہ میں فنا ہو چکے ہیں۔ یعنی نبیوں اور کامل مومنوں سے اس قسم کے سوال جائز ہیں۔ بلکہ بعض حالات میں ضروری ہیں۔ اسی بنا پر صحابہ جو اُمت کے افضل ترین افراد ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ سے مختلف استدعائیں اور مختلف قسم کے سوال پیش کرتے تھے۔ اور ایسے سوالات اور استدعائیں بارگاہِ رسالت سے شرفِ قبولیت حاصل کرتی تھیں۔ دیکھو باب اوّل فقرات ۵۳ تا ۷۳۔ استغفار کی استدعائیں بھی جو رسول اللہ صلعم سے کی جاتی تھیں اسی قسم کے سوالوں میں داخل ہیں۔ پس ایسی دعاؤں اور سوالوں کی کسی کی ممانعت نہیں۔ اور نہ ایسے سوالوں کا ترک افضل ہے۔ اس لئے علم کے سوال کے سوا اور سوال بھی رسول اللہ سے اور کامل مومنین سے ہو سکتے ہیں اور بعض حالات میں ہونے چاہئیں۔ باب اوّل میں صاف طور بیان کیا گیا ہے۔ کہ بہت سے صحابہ نے

[1] والذین امنوا ولم یھاجروا ما لکم من ولایتھم من شیئ حتی یھاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر۔ انفال ۸۔ ۷۲
[2] ولینصرن اللہ من ینصرہ۔ حج ۲۲۔ ۴۰۔

رسول اللہ صلعم سے علم کے سوال کے سوا اور سوالات بھی کئے۔ تبرک۔ درازیٔ عمر خیر و صلاح۔ نجات۔ استغفار۔ تزکیہ وغیرہ کے لئے دعاؤں کی استدعائیں آپ کی خدمت میں پیش ہوئیں اور آپ نے ان استدعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا اور دعائیں کیں۔ پس صحابہ کا عمل ہمارے لئے کافی ہے۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ اس لئے شیخ ابن تیمیہ کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ صرف علم کا سوال دوسروں سے ہونا چاہئے۔ بات یہ ہے کہ صدقہ و خیرات کے لئے سوال اصل میں حرام۔ اور ضرورت کے لحاظ سے مباح ہے جیسا کہ نصوص سے ظاہر ہوتا ہے صحیح مسلم میں ہے کہ سوال صرف تین شخصوں کے لئے جائز ہے۔ ایک وہ شخص جس پر کوئی بوجھ ذمہ داری کا ہو۔ اس کے لئے سوال جائز ہے۔ تاآنکہ وہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے۔ پھر وہ سوال سے باز رہے۔ دوسرا وہ شخص جسے بھوک نے تنگ کر دیا ہو۔ اور اُسے نفقہ کی ضرورت ہو۔ اُس کے لئے سوال جائز ہے۔ تاآنکہ وہ ضروری معاش پالے۔ تیسرا وہ شخص جسے فاقہ لگا ہو[1] الخ صحیحین میں ہے کہ ایک شخص لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے تاآنکہ وہ قیامت کے روز آئے گا درحالیکہ اُس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا[2] یہاں بھی سوال صدقہ یا خیرات کا مراد ہے۔ صحیحین میں ہے رسول اللہ صلعم منبر پر صدقے کا اور سوال سے پرہیز کرنے کا ذکر فرما رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ ید عُلیا ید سفلیٰ سے بہتر ہے۔ ید علیا خرچ کرنے والا ہے اور ید سفلیٰ مانگنے والا ہے[3]۔ اس مضمون کے متعلق بہت سی حدیثیں کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔ ان سب حدیثوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صدقات کے لئے سوال اصل میں حرام ہے۔ اور صرف ضرورت کے وقت مباح ہے

[1] مشکوٰۃ باب من لاتحل لہ المسئلۃ و من تحل لہٗ [2] ایضاً [3] ایضاً

شیخ ابن تیمیہ اس اصول کو ہر جگہ عاید کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کرنا درست نہیں۔ تزکیہ استغفار۔ برکت۔ حصول کمال۔ دینی کامگاری کے سوالات پر صدقہ کے سوال کا اصول اطلاق پذیر نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر استغفار۔ اور تزکیہ وغیرہ کا سوال اصل میں حرام ہوتا اور توکل کے رُو سے اُس کا ترک افضل ہوتا جیسے شیخ ابن تیمیہ کا خیال ہے تو رسول اللہ صلعم کبھی بھی کبار صحابہ کو حکم نہ دیتے کہ تم اویس قرنی سے دُعائے استغفار کرانا۔ اور حضرت عمرؓ سے کبھی نہ کہتے۔ کہ دُعا کے وقت ہم کو نہ بھولنا حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ اگر اویس اللہ کی قسم کھائیں۔ تو اللہ ان کی بات پوری کرے گا۔ لہٰذا اگر تم میں سے کوئی اُن سے ملے تو ان سے استغفار کرائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ حضرت اویسؓ سے ملے اور انہوں نے اُن سے دُعائے استغفار کرائی[1] ان تمام باتوں کی موجودگی میں یہ کہنا کہ استغفار۔ تزکیہ۔ حصولِ کمال۔ برکت اور صلاح و خیر کے لئے دُعا کی استدعا اصل میں حرام ہے۔ بالکل غلط ہے۔ اگر کوئی سوال اصل میں حرام ہے تو وہ صرف صدقات و خیرات کا ہے۔ شیخ ابن تیمیہ اپنے استدلال کی تائید میں کہتے ہیں کہ "صحیحین میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ میری اُمت میں سے ستر ہزار بعد حساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ وہ وہ ہیں جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے۔ اپنے کو داغ نہیں لگواتے۔ شگونِ بد کے قائل نہیں ہوتے۔ اور اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں۔ اس حدیث میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو پھونک نہیں ڈلواتے۔ جھاڑ پھونک بھی دعا کی ایک قسم ہے۔ یعنی کسی) دعا کی کسی سے خواہش نہیں کرتے[2] یہ استدلال بالکل غلط ہے۔

[1] اسد الغابہ حضرت اویس قرنی منتخب حلیہ ۵۔ ص ۲۸۹ تا ۲۹۱۔ تذکرہ اویس۔ روایت مسلم۔ و دیگر روایتیں۔ [2] کتاب الوسیلہ ص ۵۲۔

یہ حدیث صحیحین کی جو شیخ ابنِ تیمیہ نے پیش کی ہے اس میں استرقا۔ الکتوی۔ تطیر کے الفاظ آئے ہیں۔ الکتوی داغ لگوانے کو کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کا تداوی ہے۔ احمد۔ ترمذی اور ابوداؤد میں ہے یا عباد اللہ تداووا۔ یعنی اے عباد اللہ دوا کراؤ۔ کیونکہ اللہ نے کوئی بیماری نہیں پیدا کی جس کے لئے شفا مقرر نہ کی سوائے ایک بیماری موت کے[۱] بخاری کی روایت ہے کہ اللہ نے کوئی بیماری نہیں اُتاری جس کی ساتھ ہی شفا نہیں اُتاری[۲] مسلم میں ہے کہ ہر ایک بیماری کے لئے دوا ہے۔ جب دوا بیماری کو پہنچتی ہے۔ تو بیماری اللہ کے حکم سے دُور ہو جاتی ہے[۳]۔ ان حدیثوں سے ظاہر ہے کہ موت کے سوا ہر بیماری کے لئے علاج موجود ہے۔ اور کہ بیماری کا علاج کرانا چاہیئے۔ الکتوی بھی ایک قسم کا علاج ہے۔ اس حدیث توکل میں صرف الکتوی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور ظاہر کیا گیا ہے کہ داغ نہ لگوانا بھی بلاحساب جنت میں داخل ہونیوالوں کی ایک علامت ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ داغ لگوانے کے سوا اور کسی طرح کا علاج کرانے والے بھی بلاحساب داخلِ جنت نہ ہوں گے بالکل غلط ہے۔ دوسرا لفظ اس حدیث کا اشترقا ہے یعنی جھاڑ پھونک سے علاج کرانا۔ یہ بھی مشروع ہے۔ انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے آنکھ۔ بچھو کے کاٹے اور غلّہ کے رقیہ کی اجازت دی[۴]۔ صحیح مسلم میں جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ہم کو رُقی سے منع کیا۔ پھر عمرو بن حزم کا قبیلہ آیا۔ اور اُنہوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ہمارے پاس رقیہ بچھو کا ہے جس سے ہم جھاڑ پھونک کرتے ہیں۔ مگر آپ نے رقی سے منع کیا ہے۔ اُنہوں نے وہ رقیہ حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ جو کوئی تم میں سے اپنے بھائی کو فائدہ پہنچانا چاہے وہ ضرور پہنچائے[۵]۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ لوگ شرک کے کلمات سے جھاڑ

[۱] ۲۔ ۳ مشکوٰۃ کتاب الطب والرقی [۴] [۵] مشکوٰۃ کتاب الطب والرقی الخ

پھونک کرتے تھے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلعم نے ان کو رُقی کے استعمال سے منع کر دیا تھا۔ لیکن بعد میں جب رقیہ کے کلمات آپ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ اور آپ نے دیکھا کہ ان میں کوئی کلمہ شرک کا نہیں۔ تو آپ نے اجازت دیدی چنانچہ مسلم کی دوسری حدیث عوف بن مالک اشجعی سے مروی ہے کہ ہم زمانۂ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ ہم نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عرض کی کہ یارسول اللہ آپ کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اپنے رقی سناؤ۔ (کہ تم کیا پڑھتے ہو) رقی میں کوئی قباحت نہیں۔ اگر اس میں شرک نہ ہو[۱]۔ پس ظاہر ہے کہ جھاڑ پھونک بھی ایک قسم کی دُعا ہے۔ جو پڑھ کر پھونکی جاتی ہے۔ اس طرح دُعا کی اور بہت سی قسمیں ہیں۔ نظر بھر کر دیکھنا۔ یعنی نظر کے ذریعے دعا کرنا۔ دل میں توجہ کر کے دُعا کرنا۔ زبان سے بول کر اور ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا۔ ہاتھ پھیر کر یا لعابِ دہن ڈال کر دعا کرنا وغیرہ وغیرہ۔ سوائے رقیہ کے باقی ہر قسم کی دعا سے تمسک کرنے والا جنت میں بلاحساب داخل ہو سکتا ہے۔ اگر اس میں باقی شروط بھی حدیث کے جمع ہوں۔ شیخ ابنِ تیمیہ کا رقی میں ہر قسم کی دعا کو داخل کرنا سراسر غلطی ہے۔ تیسرا لفظ تطیّر ہے مسند احمد۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ہے۔ کہ طیرۃ شرک ہے[۲]۔ مسلم۔ نسائی۔ بخاری۔ ابنِ ماجہ اور مسند احمد میں ہے کہ اگر بُری فال کسی شئے میں ہے تو وہ گھر عورت اور گھوڑا ہے[۳]۔ اس سے ظاہر ہے کہ حدیثوں میں شگونِ بد کی مذمت کی گئی ہے۔ اس لئے اس سے احتراز مناسب ہے۔ توکل کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اپنی سعی کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھا جائے۔ اور یہی خیال رکھا جائے کہ جو کچھ ہوتا ہے

[۱] مشکوٰۃ کتاب الطب والرقی۔ [۲] منتخب جلد ۴۔ ص ۲۳۔ کتاب الطیرۃ والفال الخ

[۳] منتخب جلد ۴۔ ص ۲۳۔

اللہ کے فضل و کرم سے ہوتا ہے۔ ذاتی کوشش سے بالانفراد کچھ بن نہیں پڑتا۔ چنانچہ توکل کا صحیح مسلک ترمذی کی ایک حدیث سے مترشح ہوتا ہے۔ جو انسؓ سے مروی ہے۔ اعقلھا و توکل [1] پس تدبیر اور ذاتی سعی توکل کے منافی نہیں۔ فارسی والوں نے اس کا خوب ترجمہ کیا ہے۔ ع بر توکل زانوئے اشتر ببند۔ یعنی اونٹ کا گھٹنا بھی باندھو۔ اور ساتھ ہی توکل بھی کرو۔

تقریر بالا سے ذیل کی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

اول۔ ذاتی کوشش اور سعی توکل کے نقیض نہیں۔

دوئم۔ رقیہ میں تمام قسم کی دعائیں داخل نہیں۔

سوم۔ اکتوا میں تمام قسم کا تداوی داخل نہیں۔

پس ظاہر ہے کہ جو لوگ دوسروں سے استغفار۔ تزکیہ۔ حصول برکت و کمال اور خیر و صلاح کی دعائیں کراتے ہیں وہ لازمی طور ان لوگوں سے خارج نہیں۔ جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے اور جو استدلال شیخ ابنِ تیمیہ نے اس حدیث سے کیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ امر (۲) کا بطلان بھی اوپر ہو چکا ہے۔ رسول اللہ اور کامل مومنوں سے اپنی بہتری اور بہبودی کا سوال دعا بہت مناسب ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ کی دعا کے بغیر کوئی شخص کہیں پہنچ ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ مختلف مقامات پر تفصیل سے واضح کر دیا گیا ہے۔ وہ گنتی کے چند اولیائے کرام ہیں۔ جو ایسے متوکل ہیں کہ کسی سے بھی سوال نہیں کرتے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سوال کئے بغیر ان کو بھی چارہ نہیں۔ کیونکہ وہ بھی کمال عروج پہ نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک کہ وہ رسول اللہ صلعم کے دروازے پہ سوالی کی حیثیت سے پیش نہ ہوں۔ اور وہاں تزکیہ کی استدعا پیش نہ کریں۔

[1] منتخب جلد اول ص ۱۶۱۔ توکل۔ یعنی باندھ اسے اور توکل کر۔

امر (۳) شیخ ابنِ تیمیہ خود ہی یہاں اپنے اس عقیدے کا کہ غیر اللہ سے سوال اصل میں حرام ہے بطلان پیش کرتے ہیں۔ مانا کہ رسول کے لئے اُمت کی دُعا سے خود اُمت کو فائدہ ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ کو بھی اس سے ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا ہے۔ آخر یہ سوال ہے۔ خواہ اس کی کچھ ہی تاویل کی جائے۔ اگر رسول اللہ صلعم کو اُمت کی دُعا سے فائدہ نہ پہنچتا ہوتا تو پھر کبھی اللہ تعالیٰ اُمت محمدی کو درود و سلام بھیجنے کا حکم نہ دیتے اور خود رسول اللہ صلعم کسی سے دُعا کا خیال ظاہر نہ فرماتے۔ اور آپ کی اُمت آپ کے لئے تا قیامت کسی قسم کی دعا نہ کرتی۔ حالانکہ یہ سب کچھ ہوتا ہے اور ان دعاؤں سے آپ کے مراتب بڑھتے ہیں۔

امر (۴) جب دُعا طلب کی گئی ہے۔ تو وہ دعا کے لئے سوال ہی تو ہے۔ خواہ ایسا سوال ترغیب کہلائے یا حکم۔ اس سے شیخ موصوف کا یہ خیال کہ غیر اللہ سے سوال اصل میں حرام ہے۔ خود بخود غلط قرار پاتا ہے۔

امر (۵) ایسا سوال ہرگز قابلِ اعتراض نہیں۔ سوال کرنیوالے کی نیت خواہ کچھ ہی ہو۔ دعا کرنیوالے کو بھی ضرور فائدہ پہنچتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک مسلم کی دعا اپنے بھائی کے لئے اس کی پیٹھ پیچھے مقبول ہوتی ہے۔ اُس کے سر کے پاس ایک فرشتہ متعین ہوتا ہے۔ جب کبھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کے لئے دُعا کرتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ آمین۔ اور تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو [1]۔ پس اگر دعا چاہنے والے کی نیت صرف ذاتی فائدہ کی ہی ہو۔ جب بھی دعا کرنے والے کو فائدہ پہنچ کر رہتا ہے۔ اس لئے ایسی دُعا اور ایسی دُعا کے لئے سوال کسی طرح بھی قابلِ اعتراض نہیں اگر شیخ ابن تیمیہ اسے قابلِ اعتراض سمجھتے ہیں تو ان کے ہم چشم اس کی کوئی سند پیش کریں

[1] مشکوٰۃ کتاب الدعوات ص ۱۶۳

امر (۶)۔ کامل مومن اور نبی وفات کے بعد زندہ رہتے ہیں۔ اور ان کی رُوحوں میں وہ سب طاقتیں اور قوتیں موجود ہوتی ہیں۔ جو انہوں نے دنیا میں حاصل کی ہوتی ہیں۔ اس لئے اُن سے دُعا کا سوال ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ یہ مسئلہ اپنے مقام پر تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ دیکھو ابواب اوّل و سوئم۔ و گذشتہ عقائدات و جوابات۔

۱۵ ـــــ غیر اللہ سے اللہ کی سی محبت نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن رسول سے محبت کئے بغیر کوئی سالک منزلِ مقصود کو نہیں پہنچ سکتا۔ شرعی اصول یہ ہے کہ اللہ اور رسول سے محبت سب چیزوں سے زیادہ ہونا چاہئے۔ صحیحین میں رسول صلعم کا فرمان موجود ہے۔ کہ تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہوتا۔ جب تک اس کو مجھ سے باپ اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہو[۵۱]۔ صحیحین میں ہے کہ مومن کے حلاوتِ ایمان کی ایک نشانی یہ ہے۔ کہ اس کو اللہ اور رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں[۵۲]۔ گویا رسول کی محبت اللہ کی ہی محبت ہے۔ جو کوئی رسولؐ کی محبت کو اللہ کی محبت سے جُدا سمجھے۔ وہ غلطی پر ہے۔ بلکہ کامل مومنوں اور عام مومنوں سے بھی محبت علامت ایمان کی ہے۔ صرف بات یہ ہے کہ نبیوں اور بندوں سے محبت صرف اللہ کے لئے ہونا چاہئے۔ جس نے اللہ کے لئے محبت کی اللہ کے لئے بُغض رکھا۔ اللہ کے لئے دیا اللہ کے لئے ہاتھ روکا۔ اُس کا ایمان کامل ہوا[۵۳]۔ اس لئے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم اور مومنوں سے محبت اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ اور ایسی محبت معیارِ ایمان ہے۔ اگر ایسی محبت پہ شیخ ابن تیمیہ کا اعتراض ہے تو ایسا اعتراض بالکل پیش پا اُفتادہ ہے۔ مخلوق کی طرف نہیں

۵۱ مشکوٰۃ کتاب الایمان۔ ۵۲ مشکوٰۃ کتاب الایمان۔

۵۳ مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان۔ ترمذی و ابو داؤد۔

رسول کی طرف رجُوع رغبت اور اُمید ضروری ہے۔ اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔ توکل کمال ایمان کا آخری مرحلہ ہے۔ اس سے حاصل کرنے کے لئے بڑی جدو جہد کی ضرورت ہے۔ اور سب سے پہلے سالک کے لئے ضروری ہے۔ کہ کسی کامل متوکل کی بیعت کرے۔ اس کی طرف رجُوع کرے اور اس سے منازلِ توکل طے کرنے کا راستہ سیکھے۔ جب تک یہ شرط بجا نہ لائے گا۔ توکل کی راہ تک نہ پہنچے گا[۵۴]۔ اسی لئے صحابہ اور صحابیات کرام رسول اللہ صلعم سے بیعت کیا کرتی تھیں۔ اکیلے خدا تعالیٰ کی طرف رجُوع زبان سے کہہ دینا آسان ہے۔ مگر اس کا عملی حل مشکل ترین کام ہے۔ رجُوع الی اللہ کا آخری مرحلہ کوئی مومن حاصل نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اُسے رجوع الی الرسول حاصل نہ ہو۔ رجُوع الی الرسول اُسے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ جسے فنا فی الرسُولؐ کا مرتبہ حاصل ہو۔ فنا فی الرسول کو دوسرے لفظوں میں اشد ترین حُبِ رسول کہتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ رسول کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے۔ ومن یطیع الرسُول فقد اطاع اللہ اور رسول کی محبت عین اللہ کی محبت ہے۔ حُبِّ اللہ رُونما نہیں ہو سکتی۔ جب تک حُبِّ رسُول پہلے موجود نہ ہو۔ گویا حُبِّ اللہ کے لئے حُبِ رسُول شرط ہے۔ رسول کی طرف رجُوع عین اللہ کی طرف رجُوع ہے۔ کیونکہ ایمان مومن کا منعقد نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسُول اللہ شامل نہ کرے۔ مومن کا رجُوع حق تعالیٰ کی طرف صحیح معنوں میں اس وقت درست ہوتا ہے۔ جب کہ اس کا رجُوع پہلے رسول کی طرف درست ہو۔ اور اس کا ایمان رسول کی رسالت پر پُختہ ہو۔ جو اللہ تعالےٰ سے اُمید رکھے گا اُسے پہلے رسول سے اُمیدِ شفاعت و رحمت رکھنا چاہئے۔ کیونکہ آپ

۵۴ ۔ تفصیل کے لئے دیکھو باب پنجم۔

۵۵ ۔ ان اصطلاحات کے حل کے لئے دیکھو باب پنجم۔

قاسم ہیں۔ اور اللہ معطی ہے[1]۔ اور رسول کی وساطت کے بغیر کوئی عطیۂ حق کسی کو نہیں مل سکتا۔ پس رسول سے رغبت۔ محبت اور رجوع اسباب شرک سے نہیں۔ بلکہ اسبابِ ایمان سے ہے۔ جہاں شیخ ابنِ تیمیہ جیسا مجتہد ایک ایسے اہم مسئلے کے مالۂ اور ماعلیہ پر غور کئے بغیر ایک غلط کلیۃ قائم کردے وہاں اوروں کی کیا حالت ہوگی۔ ایک بات اور سن لیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "تو کہہ دے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو۔ تو میری تابعداری کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا[2]۔ یہاں تین باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ حُبِّ اللہ۔ متابعتِ رسول۔ اور محبوبیتِ اللہ۔ جو مومن اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ رسول کی تابعداری کرے۔ جو رسول کی تابعداری کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ رسول کا تابعدار صحیح معنی میں کون ہے۔ وہ شخص جسے رسول سے تمام مخلوق سے حتیٰ کہ اپنی اولاد اور اپنی جان سے بھی زیادہ محبت ہو۔ جیسا کہ صحیحین کی مشہور حدیث میں ہے[3]۔ جو شخص رسول سے محبت کئے بغیر رسول کی تابعداری کرے۔ وہ رسول کے خوف سے تابعدار ہے۔ اور ایسا تابعدار سب سے نچلے درجے کا ہوتا ہے۔ جیسے کہ کوئی ظالم بادشاہ کے خوف سے اس کی تابعداری کرے۔ اس لئے صحیح معنی میں رسول اللہ صلعم کے اقوال و افعال کا وہی تابعدار ہو سکتا ہے جو رسول پر سو جان سے فریفتہ ہو۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بننے کا واحد ذریعہ رسول کی اشد ترین محبت ہے۔ اور یہ محبت حق تعالیٰ کی محبت سے جدا نہیں کی جا سکتی۔ پس شیخ ابن تیمیہ کا یہ نظریہ کہ مخلوق کی طرف رجوع۔ رغبت امید اور غیر اللہ سے اللہ کی سی محبت حرام ہے۔ صریحاً مخدوش ہے۔ انہیں شان رسالت کا

---

1 - انما انا قاسم واللہ یعطی۔ بخاری و مسلم کتاب العلم - 2 قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم الخ 3 مشکوٰۃ کتاب ایمان

خیال رکھ کر ایسا نظریہ قائم کرنا چاہئے تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ موصوف کو خاتم النبیین کی شان رسالت پر نظر نہیں۔ ذرا اور اندر جائیے اور حُبّ و اطاعت رسول کی شان دیکھئے۔ آیت بالا کا منشا یہ ہے۔ کہ اللہ کی محبت منعقد نہیں ہو سکتی جب تک کہ رسول کی محبت ساتھ نہ ہو۔ اس لئے کوئی کس طرح کہہ سکتا ہے۔ کہ رسول کی محبّت خدا کی محبت سے جُدا ہے۔ حق تعالیٰ نے تو رسول کی محبت کو اپنی محبت سے کہیں جدا نہیں رکھا ہے۔ قرآن میں ہے[1] "تو کہہ دے کہ اگر تم کو تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہارے ازواج اور تمہارے رشتہ دار اور مال جو تم نے پیدا کیا ہے اور تجارت جس کے مندا پڑنے کا تم کو خوف ہے اور مکان جو تمہیں پسند ہیں اللہ سے اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو تم انتظار کرو[2]۔ اسی لئے قرآن اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ رسول کی محبت اور اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت قائم ہی نہیں ہو سکتی۔

۱۶ — قرآن کا حکم ہے اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ چاہو۔ اور اس کی راہ میں جہاد کرو۔ شائد کہ تم کامیاب ہو جاؤ[3]۔ بعض مفسر وسیلہ سے صرف طاعت و اعمال صالح مراد لیتے ہیں۔ لیکن یہاں وسیلہ سے ہر طرح کا مشروع وسیلہ مراد ہے۔ اتقوا اللہ اور جاھدوا کے حکم میں طاعت و اعمالِ صالح کا حکم قدرتی طور داخل ہے۔ جو لوگ وسیلہ سے صرف طاعت مراد لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ابتغوا الیہ الوسیلہ سے تاکید اتقوا اللہ کے حکم کی ہے۔ حالانکہ اصولاً

---

1 قل ان کان اٰبائکم وابنائکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم و اموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجہاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہٖ - الآیۃ۔ ۹-۲۴-2 3 یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلہ وجاھدوا فی سبیلہ لعلھم تفلحون

تاسیس تاکید سے افضل ہے اور معنی کے لحاظ سے بھی وسیلہ سے ایک عم شئے مراد
ہے جس جس بات میں اللہ کی طرف توسل لیا جا سکتا ہے وہ وسیلہ میں داخل ہے
اس میں ذات کا وسیلہ دعا کا وسیلہ اور اطاعت کا وسیلہ داخل ہے۔ جیسا کہ ان
وسیلوں کے متعلق ابواب گذشتہ میں بحث کی گئی ہے ۱؎ اس آیت سے یہ استدلال
نہیں ہوسکتا کہ ذات کا وسیلہ ممنوع ہے۔ ایسے استدلال کے متعلق شیخ موصوف
کو جداگانہ دلائل و براہین پیش کرنے چاہئیں۔ شیخ موصوف کا قول دور یعنی ایک باطل
استدلال کی طرف راجع ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ ذات کا وسیلہ حرام ہے۔ کیونکہ اس
آیت میں ذات کا وسیلہ نہیں۔ اطاعت کا وسیلہ مراد لیا گیا ہے۔ دوسری طرف آپ
کہتے ہیں کہ اس آیت میں صرف اطاعت کا وسیلہ لیا گیا ہے۔ کیونکہ ذات کا وسیلہ
حرام ہے۔ یہ دور ہے اور دورِ باطل ہے۔ ان کو ہر دعویٰ کی جداگانہ دلیل پیش کرنا
چاہیئے۔

۱۷ — استسقا والی حدیث میں ذات کا وسیلہ مراد ہے پہلے عم نبی صلعم کی ذات
کا وسیلہ لیا گیا۔ اور پھر اُسے آپ کی دعا سے تقویت دی گئی۔ اس کے متعلق مفصل بحث
ہوچکی ہے ۲؎ نابینا نے نبی الرحمت کی ذات کا وسیلہ دعا میں لیا تھا۔ اگر آپ کی وفات
کے بعد آپ کی طرف سے دعا ناممکن ہوگئی ہے۔ تو پھر آپ معاذ اللہ منصبِ نبوت سے
معطّل ہوچکے ہیں۔ جو کسی طرح بھی جائز نہیں مفصل بحث ابوابِ گزشتہ میں کی گئی ہے
دیکھو باب دوئم فقرات ۱۴ و ۱۵۔ و باب سوئم فقرات ۱۲ تا ۱۵۔ و جوابات ۱۸ تا ۲۲۔ آپ سے
دعا کے متعلق جوابات ۲ تا ۸ دیکھیے۔

۱۸ — امام ابو حنیفہ کے قول کا جس سے تمسک کیا گیا ہے کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔
ان کا قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ میں بحق خلقک کہنا ناپسند کرتا ہوں۔ یہ تو آپ ناپسند

۱؎ دیکھو باب دوئم کتاب ہذا فقرات ۱۴ و ۱۵ ۲؎ دیکھو باب دوئم فقرات ۱۴ و ۱۵

کرتے ہوں گے۔ مگر اس نابینا والی حدیث کے متعلق جس میں بنبیک الرحمۃ کے
الفاظ استعمال ہوئے ہیں آپ کی رائے بیان نہیں کی گئی۔ عام خلق اور نبی میں
زمین آسمان کا فرق ہے۔ نبی کی محبت جزوِ ایمان ہے۔ عام خلقت کی محبت کی
نسبت ایسا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ آپ کی اطاعت اور متابعت عین حق تعالیٰ کی
اطاعت ہے ۱؎۔ عام خلقت اور مومنین کی نسبت ایسا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے
بحق خلقک پر بحق نبیک الرحمۃ کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ جب نبی صلعم
ایک ایسی دعا کی تعلیم دیتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایسی دعا مشروع نہ ہو۔ غیر مشروع
دعا کی تعلیم آپ کبھی کسی کو نہیں دے سکتے۔ اس لئے امام ابو حنیفہ کا قول اس مشروع
دعا کے متعلق پیش کرنا چاہیئے تھا۔ ان کی عام رائے سے کوئی بات مفید مطلب
پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس سقم کو شیخ ابنِ تیمیہ آگے چل کر خود تسلیم کرتے ہیں۔ دیکھو اعتقاد نمبر ۱۹
آپ کی ذات کا وسیلہ نابینا والی دعا میں مذکور ہے۔ ذات کے وسیلہ کے متعلق دیکھو
باب دوئم فقرات ۱۴ و ۱۵۔ و باب سوئم فقرات ۱۳ تا ۱۵۔ آپ کی قبر کا وسیلہ استسقا
میں لیا گیا۔ دیکھو روایت دارمی مشکوٰۃ باب الکرامات جس کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔ اس لئے
شیخ ابنِ تیمیہ کا یہ خیال کہ وسیلہ آپ کی ذات یا آپ کی قبر کا کبھی نہیں لیا گیا۔ بالکل غلط
ہے۔ اگر بفرضِ محال امام ابو حنیفہ نے یہ رائے قائم کی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے
واسطہ سے دعا حرام مطلق ہے۔ تو اس کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ ان کو نابینا والی حدیث
نہ پہنچی ہوگی۔ اور نہ استسقا والی حدیث کے متعلق وہ تفصیلی حال جو حضرت عباس کے
تذکرے میں اسد الغابہ میں موجود ہے۔ یہ آثار و احادیث اگر ان کو پہنچ جاتے تو وہ اپنی رائے
سے رجوع کرتے۔ اور وہی رائے قائم کرتے جو ان شواہد سے مستنبط ہوتی ہے۔

۱۹ — ترمذی۔ ابن ماجہ۔ نسائی اور مستدرک حاکم کی یہ دعا ہے اللھم انی اسألک

۱؎ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ الآیہ۔

اتوجہ الیک نبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ھذہ
لتقضی لی اللھم شفعہ فی۔ (حصن حصین ص ۲۰۲) شیخ ابن تیمیہ اس کی عجیب تاویل
کرتے ہیں۔ جو شخص دین کی اطاعت کرتا ہے۔ اسے اس کی اطاعت کا ثمرہ ملتا رہتا
ہے۔ ایسے شخص کو امداد کی بہت کم ضرورت پڑتی ہے۔ امداد کی ضرورت ہی صرف اس
شخص کو پڑتی ہے جس سے اطاعت میں قصور واقع ہوتا ہو۔ ایسا شخص اگر یہ دعا پڑھے
تو شیخ ابن تیمیہ کی رائے میں مفید مطلب نہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ یہ حق تعالیٰ
کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ ایک بڑے سے بڑے گنہگار کو تھوڑی سی عاجزی اور
دعا سے بخش دے۔ اور ایک اچھے آدمی کو تھوڑی سی غفلت پر سزا دے۔ اس دعا
کی موجودگی میں یہ قید لگانا کہ حضرت محمد صلعم پر ایمان اور آپ کی اطاعت و محبت کا
حوالہ دے کر سوال کرنا مفید مطلب ہو سکتا ہے۔ شیخ موصوف کی سینہ زوری ہے۔
ہم نے اوپر تفصیل سے واضح کر دیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کا اور آپ کی
دعا کا وسیلہ لیا جا سکتا ہے[۵۱] اور جو شخص آپ کی ذات کا اور آپ کی عزت وحرمت کا وسیلہ
لیتا ہے وہ بلاشبہ آپ پر ایمان رکھتا ہے اور آپ سے محبت بھی کرتا ہے۔ ورنہ وہ
کس طرح نبی کو نبی کہہ سکتا۔ اور انہیں نبی الرحمت کے نام سے موسوم کر سکتا ہے۔ دعا
دعا ہے۔ خواہ وہ نبی کی عزت وحرمت کے حوالے سے ہو۔ خواہ آپ کی دعا کے حوالہ
سے اور خواہ اپنی اطاعت کے حوالے سے۔ خواہ ان سب چیزوں کے حوالے سے۔

۲۰۔ نبیوں کے حق کے ساتھ سوال جائز ہے۔ جہاں نبیوں کی ذات کا وسیلہ
لیا جاتا ہے۔ وہاں نبیوں کے حق اور عزت وحرمت وغیرہ کا حوالہ خود بخود آموجود
ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کی وساطت کو اُن کے حق وعزت وحرمت کی وجہ
سے قبول کرتا ہے۔ یہ کہہ کر کہ نبیوں کے حق کے ساتھ سوال جائز ہے۔

[۵۱] باب دوم فقرات ۱۴ اور ۱۵، باب سوم فقرات ۱۳ تا ۱۵۔ جوابات بالا۔

شیخ ابن تیمیہ خود اپنی ہی تردید کرتے ہیں۔ ایک طرف تو وہ کہتے ہیں کہ نبی کی
ذات کا وسیلہ غیر مفید ہے۔ دوسری طرف کہتے ہیں کہ اُن کے حق کے ساتھ
سوال جائز ہے۔ نبی کی ذات کا وسیلہ ہمارے لئے رہے۔ استجابت دُعا حق
تعالیٰ کے یہاں اُن کے حق پر موقوف ہے۔ آپ کا حق آپ کی عزت و حُرمت
سے جُدا نہیں ہو سکتا۔ اس طرح آپ ایک طرح سے ذات کے وسیلے کو جائز
قرار دیتے ہیں۔ گویا آپ ناک کو پکڑتے ہیں۔ مگر گردن میں ہاتھ ڈال کر۔

۲۱۔ شیخ ابن تیمیہ یہاں اس نابینا والی دُعا کی تاویل کر کے اُسے جائز قرار
دیتے ہیں شیخ موصوف کو غور کرنا چاہئے کہ جو شخص نبی کا وسیلہ لاتا ہے۔ وہ لازمی
طور پر نبی سے محبت رکھتا ہے۔ کیونکہ ایمان بالرسول دوسرے لفظوں میں حُبّ رسول
ہے۔ پس اسئلک بنبیک محمد میں ایمان بالنبی اور حُبّ رسول خود بخود داخل ہیں۔
اور اس طرح یہ دُعا شیخ ابن تیمیہ کے نزدیک بھی درست ہے۔ اب بحث کس بات پر
ہے۔ شیخ ابن تیمیہ کو معلوم ہی نہیں ہوا کہ اس بات کو تسلیم کر لینے سے انہوں نے
رسول کی ذات کا وسیلہ تسلیم کر لیا۔ اور اس طرح اپنے انکار کی جو دیوار انہوں
نے کھڑی کی تھی وہ سب کی سب گرا دی۔ سچ ہے بھوت کے پاؤں نہیں ہوتے

۲۲۔ خدا سے کسی مخلوق کے واسطہ سے سوال ایک بات ہے۔ اور نبی کے
واسطہ سے سوال دوسری بات ہے۔ شیخ ابن تیمیہ خود کہتے ہیں کہ کسی مخلوق کے
ذریعہ سے سوال و دُعا کو بعض نے جائز بتایا ہے۔ آپ کا یہ قول بے معنی ہے۔ کہ
نابینا والی حدیث حجت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اندھے نے آپ کی دُعا و شفاعت کا
وسیلہ چاہا تھا۔ اور یہ آپ کے معجزات سے تھا۔" نابینا نے تو یہ الفاظ کہے تھے۔
انا اسئلک اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمت۔ اب ان الفاظ کی یہ تاویل
کرنا کہ اندھے نے صرف آپ کی دعا و شفاعت کا وسیلہ چاہا تھا۔ شیخ کی سینہ زوری

نابینا تو ان الفاظ سے آپ کی ذات آپ کے بنی الرحمت ہونے کا وسیلہ لیتا ہے
یہ دوسری بات ہے کہ نبی اس وسیلہ کے ساتھ اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور
نابینا کو بینائی حاصل ہوتی ہے۔ یہ اگر نبی کا معجزہ ہے تو صدیق کے لئے یہی فعل
کرامت ہے پس بات وہی قائم رہتی ہے کہ نبی الرحمتہ کا وسیلہ لینا جائز ہے۔ خواہ
وہ وسیلہ ذات کا ہو۔ یا آپ کی عزت وحرمت کا۔ یا آپ کی دُعا و شفاعت کا۔ یا
مجموعی طور سب کا۔ اب بھی اگر کوئی نابینا کسی کامل مومن کسی کامل اُمتی سے
بینائی کی دعا کرلئے تو یہ ہر طرح سے ممکن ہے کہ اُسے بینائی حاصل ہو۔ بلکہ ضروری
ہے کہ اُسے بینائی حاصل ہو۔ کیونکہ جیسے نبیوں کا معجزہ برحق ہے۔ ویسے ہی ولیوں
کی کرامت بھی برحق ہے۔ ۵

فیض رُوح القدس ار باز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

۲۳ — اس کے تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

۲۴ — اصحاب ابو حنیفہ کی رائے کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ باقی باتوں کی نسبت
اُوپر مفصل بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو جوابات ۱۷ تا ۲۲۔

۲۵ — بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو باب دوئم فقرات ۱۴ و ۱۵ و جوابات ۱۷ تا ۲۲
و باب سوئم فقرات ۱۲ تا ۱۵۔

۲۶ — درست ہے۔

۲۷ — بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو باب سوئم فقرہ ۱۱۔ بالخصوص اور فقرات ۵ تا
۱۱ بالعموم۔

۲۸ — بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو باب سوئم فقرات ۵ تا ۱۱۔

۲۹ — بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو باب سوئم فقرات ۵ تا ۱۱

۳۰ — بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو ابواب گذشتہ و اعتقادات ۲ تا ۸

۳۱ — بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو ابواب گذشتہ بالخصوص باب سوئم فقرہ ۱۱

۳۲ — قبر نبوی کی زیارت کا پورا فائدہ کامل مومن ہی اُٹھا سکتے ہیں۔ عام
مومنین کو اس سے فائدہ تو ہوتا ہے۔ مگر اس قدر نہیں جس قدر کہ کاملین کو ہوتا ہے
کامل مومن قبر نبوی پر روحِ نبوی کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ ان کی باطنی
آنکھ کھلی ہوتی ہے اور اس آنکھ سے وہ دیدار نبوی سے محظوظ ہوتے ہیں۔ شیخ
ابن تیمیہ اور ان کے ہم چشموں کو ایسی باتوں سے کیا واسطہ۔ شدِ رحال والی حدیث
کے سمجھنے میں شیخ ابنِ تیمیہ کو شدید غلطی ہوئی ہے۔ اس کا ازالہ تیسرے باب میں
پڑھیں۔ دیکھو خاص طور فقرات ۴ و ۵۔ باب سوئم۔

۳۳ — نذر کے متعلق مفصل بحث اعتقادات (۳) میں اور زیارت کے متعلق
باب سوئم فقرات ۴۔ ۵ و ۶ میں کی گئی ہے۔

۳۴ — تیسرے باب میں اور اس باب میں بھی بحث ہو چکی ہے۔ کہ زیارت کا لفظ
خود حدیثوں میں آیا ہے اور جب اس لفظ کا اطلاق عامہ قبور کے لئے نبی صلعم نے
جائز قرار دیا ہے۔ تو پھر اس لفظ کا استعمال قبر نبوی کے لئے بطریق اولیٰ جائز ہے۔
اگر امام مالک رضؓ نے اس لفظ کے استعمال کو کہیں مکروہ قرار دیا ہے۔ تو اس کا حوالہ دینا
چاہیئے تھا۔ اور اگر انہوں نے واقعی مکروہ قرار دیا ہے تو پھر یہ ان کی اپنی رائے ہے
جس کی تردید حدیثوں سے ہوتی ہے۔ حدیثوں کی موجودگی میں کسی امام کے قول
سے تمسک نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر کوئی تمسک کرے تو وہ خطا کار ہے کیونکہ
وہ حدیث کو ترک کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُنہوں نے اسے مکروہ اسی خیال
سے کہا ہوگا۔ کہ لوگ قبر نبوی کی پرستش شروع نہ کر دیں۔ یا اسے عید نہ بنائیں لیکن
جب ایسا احتمال موجود نہ ہو تو پھر کوئی قباحت نہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو اعتقادات
۲-۳-۴ و ۵-۶-۷ و ۸ - و باب سوئم فقرات ۵ و ۶ - فوت شدہ نبی سے دُعا کے

متعلق ملاحظہ ہو۔ جوابات ۲ تا ۵۔

۳۵ — قبروں میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ البتہ وہاں جاکر اہل مقابر کے لئے دُعا کرنا مشروع ہے۔ نبی یا صدیق کی قبر کے پاس اپنے لئے بھی دُعا کہ فائدہ سے خالی نہیں۔ جیساکہ گذشتہ ابواب میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ دیکھو ابواب دوئم وسوئم۔ واعتقادات ۲-۳-۴-۵ و ۶۔

۳۶ — یہ سب کچھ درست سہی مگر یہ تو بتایئے کہ آپ کے پاس نابینا والی حدیث اور استسقاء والی حدیث کا کیا جواب ہے ہمیں اور حدیثوں سے تمسک کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جب کہ ہمارے پاس نابینا والی حدیث جس کی تصریح ترمذی نے کی ہے۔ اور استسقاء والی حدیث جس کی تصریح بخاری نے کی ہے موجود ہیں۔ پس نبی اور ولی کی ذات کے توسل سے دُعا جائز ہے۔ دیکھو باب سوئم فقرات ۱۲ تا ۱۵ بابِ دوئم۔ فقرات ۱۴ و ۱۵۔

۳۷ — یہ شیخ ابن تیمیہ کی اپنی رائے ہے۔ جو بالکل غلط ہے۔ جیساکہ اُوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ دیکھو ابواب دوئم۔ فقرات ۱۴ و ۱۵ و باب سوئم فقرات ۱۲ تا ۱۵۔

۳۸ — خوب! آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ بعض علما نے نبی صلعم کی ذات کے حوالہ سے دُعا کرنا جائز بتایا ہے۔ اب آپ کیوں انکار کرتے ہیں۔ نابینا والی حدیث اور استسقاء والی حدیث کا منشا یہی ہے۔ آپ نے ان کا مفہوم صحیح نہیں سمجھا۔ ان کو پھر پڑھیئے۔

۳۹ — ہم نے استعانت کے جواز کے متعلق اُوپر اعتقادات ۱۲-۱۳-۱۴ میں بحث کی ہے۔ اس طرح کی استعانت سے شرک پیدا نہیں ہوتا۔ رسول سے رغبت اور محبت کے مسئلے کو باقی مخلوق سے نہیں ملانا چاہیئے۔ رسول سے امید۔ خوف اور محبت سب جائز ہیں۔ دیکھو جواب ۱۵ بالا۔

۴۰ — ملائکہ منکر ونکیر اور جنت کے حور وغلمان کے واسطہ سے دعا شارع علیہ السلام نے کہیں مشروع نہیں رکھی۔ اس کے مقابل نبی صلعم کے وسیلہ و واسطہ سے دعا مشروع ہے۔ پس دعا بواسطہ ملائکہ پہ دُعا بواسطہ انبیاء کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ ان حالات میں تفریق کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ دیکھو بابِ دوئم فقرات ۱۴ و ۱۵۔ و باب سوئم فقرات ۱۳ و ۱۵۔ و جوابات ۱۷ تا ۲۲۔

۴۱ — ایسا خیال قاطبتہً نادرست نہیں۔ لیکن اس پہ زور دینا بھی درست نہیں۔ دعا کرنے والا وسیلہ نبی کا لائے۔ یہ ضروری نہیں کہ نبی ایسے وسیلہ چاہنے والے کے لئے دُعا کریں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر وسیلہ چاہنے والے کی دُعا مقبول ہو خواہ نبی نے دعا کی ہو یا نہ۔

۴۲ — نادرست ہے جیساکہ اُوپر بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو باب دوم فقرات ۱۴ و ۱۵۔ باب سوئم فقرات ۱۳ تا ۱۵ و جوابات ۱۷ تا ۲۲۔

۴۳ — جب خاتم النبیین نبی تا قیامت ہیں۔ تو آپ اپنے فرائض بحیثیت نبی قیامت تک ادا کرتے رہیں گے۔ اس لئے قیامت تک آپ سے استشفاع توسل ہو سکتا ہے۔ ورنہ اگر صورت ایسی نہ ہو تو آپ معاذ اللہ منصبِ نبوت سے معطل ہو چکے ہیں۔ جیساکہ بابِ اوّل میں بحث کی جا چکی ہے۔ اس کے متعلق دوسرے ابواب میں بھی بحث آچکی ہے۔ دیکھو باب دوئم۔ فقرات ۱۴ و ۱۵۔ ۱۰ تا ۲۱۔ باب سوئم فقرات ۱۲ تا ۱۵۔ باب اوّل فقرات ۷، ۳ تا ۳۹ و جوابات ۴ تا ۸۔

۴۴ — کیوں داخل نہیں کوئی دلیل ہونا چاہیے تھی۔ کیا نبی مخلوق نہیں اور کیا اُن کی اُمت کے افراد مخلوق نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مخلوق مخلوق کے درجوں میں فرق ہو۔ لیکن بشر اور مخلوق تو سب ہیں۔ آپ اپنی اُمت سے تو دعا چاہیں لیکن اُمت جس کے کروڑوں افراد تا قیامت آنے والے ہیں۔ آپ سے دُعا نہ چاہیں۔ بالخصوص

ایسی صورت میں جب کہ آپ کی رُوحِ اطہر اپنی تمام طاقتوں اور قوتوں کے ساتھ زندہ ہے۔ دیکھو اعتقادات ۲-۳-۴-۵-۶ و ۷ و بالخصوص بابِ اوّل۔

۴۵ — شیخ موصوف ذرا ان باتوں کی تفصیل تو کر دیتے۔ جس کی قدرت خدا کے سوا اور کسی کو نہیں۔ میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ ہر بات میں قدرت خدا تعالیٰ کو ہی حاصل ہے اور وہ ہر بات میں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اب اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ استعانت و امداد مشروع سے بھی کام نہ لیا جائے، معقولیت سے کوسوں دُور ہے۔ اس مسئلہ پر اعتقادات ۱۲-۱۳-۱۴ میں بھی بحث ہو چکی ہے۔ جنابِ خاتم النبیین سے تو صحابہ نے کئی بار عرض کی کہ ہمیں بخشدو۔ اور آپ نے اُن کو معاف کر کے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار مانگی۔ نبی ہدایت بھی کر سکتا ہے اور اہلِ صلاحیت کو پاک بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے ایسی استدعا نبی سے ہو سکتی ہے۔ گو کہ پاک کرنا حق تعالیٰ کے اذن سے ہوتا ہے لیکن نبی سے ایسی استدعا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ نہ زندگی میں اور نہ اب۔ جیسا کہ باب اول میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ دیکھو جوابات ۲ تا ۸۔

۴۶ — شیخ جی! آپ کو مغالطہ ہے بڑے بڑے کامل۔ اکمل مومنوں نے آپ کی وفات کے بعد آپ سے تزکیہ کے بارے میں امداد مانگی ہے اور دعا کے لئے خواستگار ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حالات پر اگر آپ اطلاع پانا چاہتے ہیں تو صوفیوں کے تذکرات پڑھئے۔ مثلاً تذکرہ اولیاء نفحات الانس وغیرہ وغیرہ۔ ملائکہ کا پکارنا غیر مشروع ہے۔ کیونکہ کوئی حکم ایسا نصوص میں وارد نہیں ہوا۔ نبی کا بعد وفات پکارنا جائز ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو باب سوئم فقرہ ۱۲۔ اعتقادات ۲-۳-۴-۵-۶-۷ و

۴۷ — شیخ جی۔ خوب! اب آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء و صالحین موت کے بعد زندوں کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ ایک جھگڑا تو ختم ہوا۔ آپ کو پہلے اس میں

کچھ شبہ تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ شبہ آپ کا اب رفع ہوا۔ آپ کا یہ فرمانا بھی خوب ہے کہ وہ دعائیں قانونِ قدرت کے ماتحت کرتے ہیں۔ اور برابر کرتے رہیں گے۔ عام اس سے کہ ان سے دعا کی درخواست کی جائے یا نہ۔ وہ قانونِ قدرت کیا ہے جس کے ماتحت آپ وفات کے بعد بھی زندوں کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ اور کرتے رہیں گے۔ یہ کونسا قانون ہے۔ کہ زندگی میں تو سائل کی درخواست آپ پر مؤثر ہو۔ اور بعد وفات مؤثر نہ ہو۔ کیا اس سے آپ کا یہ مطلب ہے کہ اُن کے لئے اب ادراک سے کوئی حصہ نہیں۔ اگر آپ کا یہی خیال ہے تو یہ خیال بالکل غلط ہے۔ وہ تو آپ سے بھی اور ہم سے بھی زیادہ زندگی کا حظ اُٹھا رہے ہیں۔ جیسا کہ قرآن اور حدیثیں اس بات پر شاہد ہیں[۵]۔ اگر صورت یہ نہ ہوتی۔ تو رسول اللہ صلعم خود فرما دیتے۔ کہ دیکھو بھئی! یہ دعا (نابینا والی) صرف میری زندگی تک ہے اس کے بعد کوئی ایسی دعا نہ مانگے۔ دیکھنا جو کوئی ایسی دعا میری وفات کے بعد مانگے گا۔ وہ گنہگار ہوگا۔ اور ایسی استدعا اسبابِ شرک سے ہوگی۔ مگر آپ نے ایسا نہیں فرمایا اور نہ اس کی طرف اشارہ کیا۔ اب ہم کیا سمجھیں اور کس کا نقطہ نگاہ غلط قرار دیں۔ خدارا آپ ہی انصاف سے کام لیتے اور خود بیان کر دیتے کہ وہ کونسا قانون قدرت ہے جس کے تحت ان کی زندگی میں دعا کی استدعا ہو سکتی تھی۔ اور اب بعد وفات نہیں ہو سکتی۔ کیا آپ اس بات کے قائل تو نہیں کہ خاتم النبیین کے بعد نبی آتے رہیں گے۔ جو آپ کی اُمت کے آئندہ پیدا ہونے والے افراد کے لئے تزکیہ کی دعا کرتے رہیں گے۔ ذرا سوچئے اور اس کا جواب دیجئے۔ یا ان لوگوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیجئے۔ جنہوں نے مختلف مقامات پر نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ دیکھو باب سوئم۔ فقرات ۱۲ تا ۱۵۔ باب دوئم فقرات ۸ تا ۲۲۔ باب اوّل فقرات ۳۷ تا ۳۹ و جواب ۲ تا ۸

[۵] دیکھو باب دوئم۔ فقرات ۹۔ ۱۰ و ۱۱۔

۴۸ — اللہ کے اسماء وصفات کے مظاہر کامل نبی اور کامل مومن ہیں۔ جس طرح کی مدد نبیوں سے مانگنی جائز ہے۔ اس طرح کی ملنگنے میں کوئی ممانعت نہیں۔ دیکھو اعتقادات ۱۲۔۱۳۔۱۴ و باب سوئم فقرات ۱۲ و ۱۳۔ طبرانی میں ہے۔ کہ جب مدد چاہے تو کہے اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔ اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔ اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔ اور یہ مجرّب ہے۔ دیکھو حصن حصین ص ۱۶۳۔ عباداللہ میں رجالِ غیب۔ ابدال۔ اوتاد۔ واقطاب داخل ہیں۔ ان لوگوں کو پاکیزگی کی وجہ سے طے مکان کی قوت حاصل ہوتی ہے اس پر بحث ہوچکی ہے۔ دیکھو بابِ اوّل نوعیت تزکیہ وذرائع تزکیہ فقرات ۱۱ تا ۱۵۔

۴۹ — نادرست ہے۔ اوپر بحث ہوچکی ہے۔ دیکھو باب دوئم فقرات ۱۴ و ۱۵

۵۰ — خوب! آپ یہ کس طرح کہتے ہیں کہ مردے کسی کی درخواست یا سوال سے متاثر نہیں ہوتے۔ اس سے بڑھ کر کوئی فاسد خیال نہیں ہوسکتا۔ اوپر تفصیل سے بحث ہوچکی ہے۔ کہ نبی۔ صدیق۔ شہید اور مومن مرکر بھی زندہ ہوتے ہیں اور جو روحانی قوتیں اور طاقتیں انہوں نے دنیا میں حاصل کی ہوتی ہیں۔ وہ عالم برزخ میں سب ان کے ساتھ رہتی ہیں اور جب صورت یہ ہے تو پھر وہ کس طرح ہمارے سوالوں سے متاثر نہیں ہوتے۔ دیکھو ابواب گزشتہ بالخصوص باب دوئم فقرات ۹۔۱۰۔۱۱۔ باب اوّل فقرات ۳۴ تا ۳۹ و جواب (۲)

۵۱ — باب اوّل کے فقرات ۳۶ و ۳۷ میں وہ شواہد بیان کئے گئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکابر صحابہ نے رسول اللہ صلعم سے برکت درازئ عمر، صلاح وخیر۔ فلاح دارین کی دعاؤں کی استدعائیں کیں۔ خود رسول اللہ صلعم نے صحابہ سے فرمایا کہ اویس قرنی سے استغفار کرانا۔ یہ بھی مخلوق سے دعا کا سوال ہے۔ اور شیخ ابن تیمیہ کے قول کے مطابق ناجائز قرار دیا جانا چاہیے۔ لیکن ہمارے لئے تو رسول اللہ کا حکم

اور صحابہ کا عمل کافی ووافی ہے۔ اور اسی سے اُمت ہدایت پاتی ہے۔ شیخ ابنِ تیمیہ الیسی پیچیدہ بات کہہ جاتے ہیں جس سے لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے۔ ایک طرف تو یہ تعلیم دیتے ہیں۔ کہ مخلوق سے سوال ودعا ممنوع ہے اور دوسری طرف خود تسلیم کرتے ہیں کہ تمام مسلمان رسول اللہ صلعم سے دُعا کی درخواست کرتے تھے۔ اب ہم کس بات کو معیار عمل سمجھیں۔ کیا ہم اب کسی سے بھی سوال دعا نہ کریں۔ یا تمام صحابہ کی طرح دوسروں سے دعا کی التجا کریں۔ اس کے متعلق قولِ فیصل یہ ہے کہ عمل صحابہ ہمارے لئے رہبری کا صحیح معیار ہے۔ اور اس پر عمل کرکے ہم کبھی بھٹک نہیں سکتے۔ پس رسول اللہ صلعم یا کسی کامل مومن سے سوال دعا ہر حالت میں جائز ہے۔ بلکہ بعض حالتوں میں مناسب ہے۔ جیسا کہ نابینا کو رسول اللہ صلعم سے دعا کی ضرورت محسوس ہوئی۔ دیکھو جوابات ۱۲۔۱۳ و ۱۴۔ و ۲ تا ۸۔

۵۲ — شیخ موصوف کو اوتاد۔ اقطاب۔ ابدال۔ نجباء۔ اور غوث وغیرہ ناموں سے بہت چڑ ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ چونکہ وہ خود ان میں داخل نہیں اس لئے وہ کسی اور کو بھی کسی اختصاص کے ساتھ دیکھنا نہیں چاہتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ نام رسول اللہ صلعم سے مروی نہیں۔ نہ تو صحیح اسناد سے اور نہ ضعیف محتمل سے۔ سوائے لفظ ابدال کے جن کی نسبت ایک حدیث منقطع حضرت علی سے مروی ہے۔ یہ قول ان کا بالکل غلط ہے۔ اسد الغابہ تذکرہ حمزہ بن مالک میں ہے کہ ایک دفعہ قبیلہ ہمدان کا ایک وفد جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں حمزہ بن مالک بن ذی مشعار بھی تھے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ہمدان کیا اچھا قبیلہ ہے۔ کس قدر وہ جلد دین کی مدد پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ اور تکالیف پر انہیں کیا صبر آگیا ہے۔ ان میں ابدال اور اسلام کے اوتاد ہیں[1]۔ حضرت اُم سلمہ کی نبی صلعم سے روایت ہے کہ ایک خلیفہ کی وفات پر

[1] اسد الغابہ تذکرہ حمزہ بن مالک بن ذی مشعار۔

اختلاف ہوگا اور ایک شخص مدینہ سے نکلیگا اور مکہ کی طرف دوڑے گا۔ اس کے پاس مکہ کے لوگ آئیں گے اور اس کو باہر بھیجیں گے۔ مگر وہ خود پسند نہ کرے گا۔ اور اس سے لوگ رکن اور مقام کے درمیان بیعت کریں گے۔ شام کی طرف سے ایک لشکر اس کی طرف بھیجا جائے گا۔ مگر وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان صحرا کی زمین میں دھنس جائے گا۔ جب لوگ یہ کیفیت دیکھیں گے تو اس کے پاس شام کے ابدال اور عراق کے عصائب آئیں گے۔ اور اس سے بیعت کریں گے[1] الخ۔ اس حدیث کی تخریج ابوداؤد نے کی ہے۔ مجمع البحار میں ہے کہ عصائب جمع عصاب کی ہے۔ اور یہ لوگوں کی ایک جماعت ہے۔ دس سے چالیس تک عصبۃ القوم سے خیار قوم مراد ہیں۔ عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ ابدال اس اُمت میں ۳۰ آدمی ہیں۔ ان کے قلوب ابراہیم خلیل الرحمان کے قلب پر ہیں۔ جب ان میں سے کوئی مرتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرا رکھ دیتا ہے۔ یہ حدیث مسند احمد میں ہے۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ ابدال چالیس مرد اور چالیس عورتیں ہیں جب ان میں سے کوئی مرد مرتا ہے تو اس کی جگہ مرد رکھا جاتا ہے۔ اور جب ان میں سے کوئی عورت مرتی ہے تو اس کی جگہ عورت رکھ دی جاتی ہے۔ یہ حدیث فردوس دیلمی میں ہے[2]۔ ابن عمر سے روایت ہے کہ میری اُمت کے بہترین لوگ ہر دن میں پانچسو ہوتے ہیں اور ابدال چالیس نہ ہی تو پانچسو میں کمی واقع ہوتی ہے اور نہ چالیس میں الخ۔ یہ حدیث حلیۃ الاولیاء میں موجود ہے[3]۔ عبادہ بن صامت سے یہ روایت ہے کہ ابدال میری اُمت میں تیس ہیں۔ انہیں سے دنیا قائم ہے۔ انہیں کی وجہ سے بارش ہوتی ہے اور انہیں کی وجہ سے مدد حاصل ہوتی ہے یہ حدیث طبرانی کبیر میں موجود ہے[4]۔ حضرت انس سے طبرانی اوسط کی یہ روایت ہے کہ زمین چالیس آدمیوں سے خالی نہیں رہتی۔ جو خلیل الرحمان کی طرح ہوتے ہیں۔

[1] مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ [2] [3] منتخب جلد ۵ ص ۳۲۳۔ لحوق فی القطب والابدال [4] منتخب جلد ۵ لحوق فی القطب والابدال ص ۳۳۲۔

انہیں کی وجہ سے بارش ہوتی ہے۔ انہیں کی وجہ سے مدد حاصل ہوتی ہے۔ جب ان میں سے کوئی مرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا رکھ دیتا ہے[1]۔ ابوہریرہ سے روایت ہے کہ زمین چالیس آدمیوں سے خالی نہیں رہتی۔ جو مثل خلیل الرحمان کے ہوتے ہیں۔ انہی کی وجہ سے مدد حاصل کی جاتی ہے۔ انہیں کی وجہ سے رزق ملتا ہے۔ اور انہیں کی وجہ سے بارش ہوتی ہے۔ یہ حدیث تاریخ ابن حبان میں موجود ہے[2]۔ ابوسعید سے مروی ہے کہ میری اُمت کے ابدال عملوں کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہوں گے ہاں ہونگے اللہ کی رحمت نفسوں کی سخاوت سینے کی سلامتی اور اس رحمت کی وجہ سے جو ان کو تمام مسلمانوں کے بارے میں ہوگی۔ یہ حدیث شعب الایمان بیہقی میں ہے[3]۔ معاذ سے روایت ہے کہ جس میں یہ تین صفتیں ہوں وہ ابدال سے ہے۔ قضا پر رضا۔ محارم اللہ پر صبر۔ اللہ عزوجل کی ذات کے لئے غصہ۔ یہ حدیث فردوس دیلمی میں ہے[4]۔ ابن عساکر میں انس کی روایت سے ہے کہ میری اُمت کے ستون عصبۃ یمن اور ابدال شام ہیں۔ اور وہ چالیس آدمی ہیں۔ جب ان میں سے کوئی ہلاک ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا آدمی رکھ دیتا ہے۔ نہ تو وہ ایک دوسرے کو مارنے والے ہیں نہ ہلاک کرنے والے اور نہ جنگ و جدال کرنے والے ہیں۔ جس بات کو وہ پہنچے ہیں کثرت صوم و صلوٰۃ سے نہیں پہنچے ہیں۔ بلکہ سخاوت۔ سلامتی قلب اور مسلمانوں کے حق میں خیر اندیشی کی بدولت پہنچے ہیں۔ میری اُمت پانچ طبقوں پر ہو جائے گی۔ میں اور جو میرے ساتھ ہیں چالیس سال تک اہل ایمان و علم۔ ان کے بعد اسی سال تک اہل بر و تقوی۔ ان کے بعد ایکسو بیس سال تک قطع رحم کرنے والے اور پھر جانے والے اور اُن کے بعد دنیا کے ختم ہونے تک قتل پر قتل۔ نجات۔ نجات[5]۔ کامل ابی عدی میں بھی ایک حدیث ہے۔ جس میں بجائے

[1] منتخب جلد ۵۔ لحوق فی القطب والابدال۔ ص ۳۳۲ [2] تا [5] منتخب جلد ۵ ص ۳۳۲۔

ابدال کے بدلاء کا لفظ آیا ہے[1]۔ اب آپ خود غور کریں کہ شیخ ابنِ تیمیہ کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ یہ حدیث صرف حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ حالانکہ یہاں کتنے ہی صحابہ کے اسمائے گرامی درج کئے گئے ہیں۔ جن سے یہ حدیث مروی ہے حضرت اُم سلمہ۔ عبادہ بن صامت۔ ابوہریرہ۔ انس۔ ابنِ عمر اور معاذ سے یہ حدیث مروی ہے ان احادیث میں سے ابوداؤد کی حدیث خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس حدیث کی حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں تخریج کی ہے۔ اور اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث ابدال مسند احمد میں بروایت حضرت علی مذکور ہے۔ جس کا شیخ موصوف خود ذکر کرتے ہیں۔ وہ حدیث ضعیف ہو تو ہو۔ مگر ابوداؤد والی حدیث قابل استناد ہے۔ ان حدیثوں میں ابدال عصائب و اوتاد کے نام تو صاف مذکور ہیں۔ اور یہ نام نبی صلعم سے مروی ہیں۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اوتاد و اقطاب و نجباء کی تعداد کے متعلق کوئی مستند حدیث موجود نہیں۔ ابدال کی تعداد کسی حدیث میں چالیس بتائی گئی ہے اور کسی میں تیس بہرحال یہ تو ضرور ہے کہ ابدال کی ایک مقررہ تعداد ہر وقت دنیا میں موجود رہتی ہے۔ خواہ وہ چالیس ہو۔ یا کم و بیش۔ اوتاد کا وجود بھی اسد الغابہ کی روایت سے پایا جاتا ہے۔ چار اکناف کے چار اوتاد جو ابدال سے چنے جاتے ہیں ہو سکتے ہیں۔ ان چار میں سے ایک کامل ترین فرد ہو سکتا ہے۔ آپ اس کو غوث کہیں۔ قطب کہیں یا کچھ اور۔ حقیقت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ غوث کا لفظ حدیثوں میں وارد نہیں ہوا ہے اسی طرح نجباء کی اصطلاح بھی حدیثوں میں موجود نہیں۔ بہرحال اس قدر ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا میں ایک روحانی نظام موجود ہے جس نظام کے درخشندہ ستارے ابدال اوتاد۔ عصائب۔ اور اقطاب ہیں۔

[1] منتخب جلد ۵ - ص ۳۳۲ -

٥٣ — ابوداؤد کی روایت بالا میں صاف طور پر ابدالِ شام اور عصائبِ عراق کا ذکر موجود ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابدال کو شام کے ساتھ اور عصائب کو عراق کے ساتھ ایک طرح کا اختصاص ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ دنیا کا روحانی نظام ایک خاص تعدادِ اولیاء سے وابستہ ہے۔ کوئی یہ تعداد تین سو اور کوئی پانچ سو بیان کرتا ہے۔ بہرحال تعداد کے معیّن ہونے میں کوئی ہرج نہیں لیکن تعیینِ تعداد کے متعلق کوئی حدیث صحیحین کی موجود نہیں۔ جو حدیثیں تعداد کے متعلق موجود ہیں وہ مسند احمد۔ حلیۃ الاولیاء۔ طبرانی کبیر۔ تاریخ ابن حبان۔ فردوس دیلمی۔ طبرانی اوسط وغیرہ کی ہیں۔ سابقون مقربون کی تعداد بے شک مختلف زمانوں میں مختلف ہو سکتی ہے۔ لیکن ان میں تین سو یا پانچ سو افراد کے معیّن ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر زمانے میں کامل لوگوں کی تعداد اسی قدر ہے۔ کامل لوگوں کی تعداد کسی کسی زمانے میں پانسو سے بھی زیادہ ہو گی۔ مگر اس نظامِ روحانی کے چلانے کے لئے جس قدر آدمی درکار ہیں اسی قدر چن لئے جاتے ہیں۔ باقی اسی طرح رہتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ہر وقت کامل ولیوں کی تعداد اسی قدر ہوتی ہے بالکل غلط ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک وقت میں غوث یا قطب الاقطاب کے مرتبے کے آدمی دو چار پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک ہی اس روحانی نظام کے چلانے کے لئے لیا جاتا ہے۔ باقی نہیں لئے جاتے پس ظاہر ہے کہ ایک وقت کامل مومنوں اور ولیوں کی تعداد کم و بیش ضرور ہوتی ہے۔ یہ کس نے دعویٰ کیا ہے کہ تمام سابقون مقربون تمام زمانوں میں ایک مقام پر ہوتے ہیں۔ حدیثوں میں ابدالوں کو اکثر شام کی طرف اور عصائب کو عراق کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ شام کی تعریف حدیثوں میں بہت آئی ہے۔ ابوداؤد اور مسند احمد میں ہے کہ تم شام کو لازم

پکڑنا۔ کیونکہ وہ اللہ کی چنی ہوئی جگہ ہے۔ اللہ کے نیک بندے اس کی طرف چلے جائیں گے[۱] ترمذی۔ مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ہے کہ شام کے لئے خوشخبری ہے۔ کیونکہ رحمت کے فرشتے اس پر اپنے پر پھیلائے رہتے ہیں[۲] ترمذی میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ عنقریب فتنے ہوں گے۔ عرض کی گئی کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا شام کو لازم پکڑنا[۳] ان حدیثوں کا مآل صرف اس قدر ہے۔ کہ نیک بندوں کی زیادہ تعداد شام کی طرف چلی جاتی ہے۔ اس سے کون یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ تمام مقربوں سابقون تمام زمانوں میں ایک ہی مقام میں موجود رہتے ہیں۔ اگر کسی نے ایسا کہا ہے تو یہ غلط فہمی پہ مبنی ہے۔ ابدال کا ٹھکانا اگرچہ اکثر حال میں شام میں ہوتا ہے۔ لیکن وہ تو اپنے اپنے علاقوں میں دورہ کرتے رہتے ہیں۔ اور دورہ کر کے پھر اپنے مقام پر واپس آجاتے ہیں۔

۵۴ — اس کا جواب اوپر کے جوابوں میں آچکا ہے۔ یہ تعداد جو معین کی جاتی ہے۔ وہ صرف روحانی نظام چلانے والوں کی ہے۔ ایسے کامل ولیوں کی تعداد مختلف زمانوں میں مختلف ہوتی ہے۔ صحابہ اور تابعین کا مرتبہ ابدالوں سے بہت بلند ہے۔ ان کے لئے ابدالیت کوئی امتیازی بات نہیں صحابہ سب قسم کی ولایتوں سے بڑھ کر تھے۔ حدیثوں میں یہ کسی جگہ صاف طور درج نہیں۔ کہ زمانہ نبوی میں بھی سارے ابدال و اوتاد شام میں رہتے تھے۔ یہ کہیں اگر رہتے بھی تھے۔ جب بھی صحابہ صحابہ ہی تھے۔ اور ان سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ اور مقربین رسول سے تھے۔

۵۵ — غوث اور قطب کی اصطلاحات کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کو بہت مغالطہ ہوا ہے۔ اور وہ اس لئے کہ آپ کمالات روحانی سے محض نابلد ہیں۔ اور خود نہ ابدالوں سے ہیں۔ نہ عصائب سے نہ نجباء سے۔ اگر وہ ان خاص الخاص لوگوں

[۱] [۲] [۳] منتخب جلد ۵۔ ص ۳۶۳۔

سے ہوتے۔ تو ان کے ذمہ بھی کوئی روحانی کام ہوتا۔ اور ان کو معلوم ہو جاتا کہ قطب مدار کیا ہوتا ہے اور غوث کیا۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ نصوص کی راہ سے ان حقائق پر روشنی ڈالیں تاکہ التباس رفع ہو۔ اللہ تعالےٰ کا ایک اسم اسم ذات ہے۔ اور باقی اسماء اسمائے صفات و افعال۔ اسم ذات وہ اسم ہے جس سے ذات پر دلالت مقصود ہے۔ اسمائے صفات وہ جن سے صفات کا اور اسمائے افعال وہ جن سے افعال کا اظہور ہوتا ہے۔ اسمائے صفات یہ ہیں:۔

رحمن۔ رحیم۔ کریم۔ غفور۔ غفار۔ حلیم۔ رؤف۔ ودود۔ صبور۔ بر۔ خبیر۔ علیم۔ بصیر۔ سمیع۔ شہید۔ حکیم۔ مخفی۔ حی۔ شکور۔ قادر۔ قوی۔ مقتدر۔ قہار۔ رب۔ عزیز۔ جبار۔ متکبر۔ علی۔ عظیم۔ کبیر۔ خلیل۔ مجید۔ ماجد۔ متعالی۔ غنی۔ ذوالجلال والاکرام۔ رقیب۔ باقی۔ عفو۔ والی۔ واجد۔ قیوم۔ ولی۔ متین۔

اسمائے افعال — معید۔ محی۔ مجیب۔ تواب۔ مغنی۔ جامع۔ مقسط۔ منتقم۔ مانع۔ ضار۔ ہادی۔ نافع۔ رشید۔ لطیف۔ عدل۔ مذل۔ حکم۔ رافع۔ معز۔ حافظ۔ باسط۔ قابض۔ فتاح۔ رزاق۔ وہاب۔ مبدی۔ وکیل۔ مجیب۔ باعث۔ واسع۔ حسیب۔ حفیظ۔ مقیت۔ خالق۔ مصور۔ باری۔ بدیع۔ مقدم۔ مؤخر۔

اسمائے ذات:— ملک الملک۔ قدوس۔ سلام۔ مومن۔ مھیمن۔ ظاہر۔ باطن۔ اول۔ آخر۔ حق مبین۔ واحد۔ صمد۔ نور۔ ... مالک۔ اللہ ذاتِ جامع[۲]

اب سوال یہ ہے کہ اسم ذات جامع یعنی اسم اعظم کونسا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے

[۱] ترمذی وغیرہ۔ منتخب جلد اول۔ ص ۳۳۵۔ [۲] ترمذی وغیرہ منتخب جلد اول ص ۳۳۵
الباب الثانی فی اسماء اللہ تعالیٰ۔ مشکوٰۃ کتاب اسمائے اللہ تعالےٰ۔

نے صاف طور پر نہیں بتایا کہ ایسا اسم کونسا ہے۔ آپ نے اس اسم کا مجمل ذکر فرمایا ہے
اور اس میں یہ حکمت ہے کہ یہ اسرار شریعت سے ہے۔ اور اسرار شریعت کا کھلم کھلا
بیان کر دینا مناسب نہیں۔ اور نہ ایسا کرنے میں کوئی فائدہ ہے۔ جیسا کہ ابوہریرہ
کی حدیث میں ہے۔ کہ میں نے دو قسم کا علم رسول اللہ صلعم سے حاصل کیا ہے۔
ایک تو میں نے تم میں پھیلا دیا ہے۔ مگر دوسرا علم اگر میں ظاہر کروں تو میری
گردن پر چھری چل جائے[1] اس علم باطن میں اسم اعظم بھی داخل ہے۔ اور اس اسم
اعظم کے ساتھ بہت سے کمالات نبوت و ولائت وابستہ ہیں۔ جیسا کہ ہم نے
کتاب البطون میں ظاہر کیا ہے۔ اس اسم اعظم کا پتہ معرفت و حقیقت کے ماہران
سے چل سکتا ہے۔ ترمذی۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ۔ اور مسند احمد میں ہے۔ رسول اللہ
صلعم نے فرمایا کہ اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔ والھکم الہ واحد لا الہ
الا اللہ ھو الرحمٰن الرحیم اور خاتمہ آل عمران۔ الم اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم[2]
ابن ماجہ مستدرک حاکم اور طبرانی میں ہے کہ اللہ کا اسم اعظم وہ ہے کہ جب اس کے
ذریعے سے دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے۔ وہ قرآن کی تین سورتوں میں
ہے۔ بقرہ۔ آل عمران اور طٰہٰ۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جس اسم میں ذرا بھی
شائبہ صفت یا فعل کا نہ پایا جائے۔ یا بمقابلہ دوسرے اسموں کے اس میں بہت
ہی کم پایا جائے۔ تو وہ اسم جامع ذات اور اسم اعظم ہے۔ اسماء صفات اور
اسماء افعال تو اس قابل نہیں کہ وہ اسماء ذات سے اس بات میں مقابلہ کر سکیں۔
اسماء ذات میں سے سوائے اللہ کے باقی جس قدر بھی ہیں۔ ان سب میں کچھ
نہ کچھ شائبہ صفت کا پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ان اسماء کے ماخذ پر غور کرنے سے واضح
ہوگا۔ صرف ایک اسم اللہ کا ہے۔ جو صفت اور فعل دونوں سے بالاتر ہے۔ اور یہی

سلہ مشکوٰۃ کتاب العلم بخاری منتخب جلد اول ص ۳۴۵ - الباب الثانی فی اسماء اللہ تعالیٰ

اسم اعظم یا اسم جامع ذات ہوگا۔ اور یہ اسم ان آیات میں بھی موجود ہیں۔ جن کا حوالہ
اوپر کی حدیثوں میں آیا ہے۔ ہر اسم کے اپنے اپنے مظاہر ہیں۔ اسم اللہ چونکہ
تمام اسماء سے زیادہ جامع اور بڑا ہے۔ اس لئے اس کے مظاہر بھی جامع
اور اعظم ہیں۔ بلکہ اصول کے مطابق اللہ کا اسم تمام اسموں پہ حاوی ہے۔ اور تمام
اسماء اسی کے تفصیلی شیون و اعتبارات ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسم اللہ
ہی باقی تمام اسماء میں متجلی ہے۔ پس جس طرح اسم اللہ باقی اسماء پہ مقدم اور
ان میں متجلی ہے۔ اسی طرح اسم اللہ کا مظہر بھی باقی اسماء کے مظاہر پہ مقدم
اور ان میں متجلی ہے۔ پس اسم اللہ کے مظہر کا ظہور باقی اسماء کے مظاہر میں ہے
جس طرح اسم اللہ جامع ہے۔ اسی طرح اس کا مظہر بھی جامع ہے۔ جس طرح
اسم اللہ تمام اسماء پہ مشتمل اور حاوی ہے۔ اسی طرح اسم اللہ کا مظہر بھی باقی
اسماء کے مظاہر پہ مشتمل اور حاوی ہے۔ پس ہر ایک اسم کا مظہر اپنے وجود کے
لئے اسم اللہ کے مظہر کا رہین منت ہے۔ اور اسم اللہ کے مظہر کے بغیر اس کا
وجود قائم نہیں ہوتا۔ یا یوں کہیے کہ تمام اسماء صفات و افعال وغیرہ اسم جامع
اللہ کی مختلف صفتیں ہیں۔ اس لئے اصل کا مظہر اصل کی صفات کے مظاہر
پہ مقدم اور مشتمل ہے۔ دوسرا سوال اب یہ ہے۔ کہ تمام جہانوں میں اسم اللہ کا
مظہر کیا ہے۔ اس کا مظہر کامل وہی ہو سکتا ہے۔ جو مستخلف عنہ کے خلیفہ ہونے
کا استحقاق رکھتا ہو۔ اور وہ انسان ہے۔ خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جس میں مستخلف عنہ
کے نائب مناب اور قائمقام ہونے کی صلاحیت موجود ہو۔ بلکہ خلیفہ وہ ہونا چاہیے
جس کے اندر مستخلف عنہ کی روح کارفرما ہو۔ "ونفخت فیہ من روحی" سے اسی کی
طرف اشارہ ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے ولقد کرمنا بنی آدم[1]۔ وہ انسان

سلہ ۱۷: ۷۰ -

کامل کون ہے۔ جو اسم جامع و اعظم کا مظہر ہے۔ وہ حقیقت محمدی ہے۔ کیونکہ تمام
انسانوں میں وہی افضل و اعلےٰ ہے جیسا کہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی سے
واضح ہوتا ہے۔ خاتم النبیین آپ کا لقب۔ مقامِ محمود یعنی مقامِ شفاعت آپ
کا مقام ہے[1] قیامت کے دن آپ انبیاء کے خطیب اور ان کے امام ہونگے[2]
آپ ہی کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا[3] اور آپ ہی سب سے پہلے قبر سے
باہر تشریف لائیں گے[4] آپ سب نبیوں سے افضل ہیں۔ اور آپ کو پانچ چیزوں
سے ان پر فضیلت دی گئی ہے۔ جیسا کہ صحیحین کی روایت میں[5] ہے۔ اس لئے آپ
ہی اللہ کے اسم اعظم کے مظہر اکمل و اتم ہیں۔ اسماء الٰہی ارباب ہیں اور اسم اللہ
رب الارباب یعنی اللہ کے تمام اسماء کو جو کچھ کمال حاصل ہے وہ اسم اللہ کے مظاہر
کمال کے تابع ہیں۔ اور اسی کے ذریعے سے ہی حاصل ہوا ہے۔ اسماء الٰہی کے
اکمل انبیاء و رسل کی باطنی حقیقت ہیں اور اسم اللہ کا مظہر
خاتم النبیین کی باطنی حقیقت ہے۔ پس جو کمال دیگر اسماء
کے مظاہر کو پہنچتا ہے۔ وہ اسی اسم ذات جامع کے مظہر کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ اسی لئے
آپ نے فرمایا ہے۔ کہ میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم کا روح اور جسم جدا جدا تھے[6]
اس حدیث سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اسماء الٰہی کے کامل ترین مظاہر
کو فیض و کمال حقیقتِ محمدی سے پہنچتا ہے۔ تو پھر دیگر مظاہر اسماء کو جو درجے میں
حقائق انبیاء سے فروتر ہیں فیض و کمال حقیقتِ محمدی سے بطریقِ اولیٰ پہنچنا
چاہیئے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جو علم اور عین میں اسمائے باری تعالےٰ کے تمام
مظاہر ہیں۔ وہ ظہور کے لحاظ سے حقیقت نبوی کے تابع ہیں۔ اور اسی سے اپنی
ہستی حاصل کرتے ہیں۔ اس مقام میں وہ حدیث صادق آتی ہے جس کو بعض

[1] مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین۔ [2] [3] [4] [5] مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین۔
[6] مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین۔

اوّل ما خلق اللہ نوری ثم خلق الخلق من نوری
ضعیف ظاہر کرتے ہیں۔ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہو تو ہو۔ لیکن معنی کے لحاظ سے بالکل درست
معلوم ہوتی ہے۔ اسی حقیقت محمدی کو بعض عقل کل سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس تمام
حقائق علم اور عین کے اسی اسم اللہ کے مظہر اتم کی تفصیل ہیں۔ دوسرے لفظوں
میں یہ کہنا چاہیئے۔ کہ حقیقت محمدی اسم اللہ کی صورت ظہوری ہے۔ اور باقی حقائق
عالم جن میں نبیوں اور فرشتوں کی حقیقتیں بھی داخل ہیں۔ اس صورت کے
مظاہر ہیں۔ پس حقیقت محمدی اسم اللہ کے مظہر اتم ہونے کی حیثیت سے دیگر اسماء
کے مظاہر کی پرورش اس اسم اعظم سے کراتی ہے۔ اور اسی میں اس کی خلافت کا
راز مضمر ہے۔ اگر اسم ذات اللہ کا مظہر اور اس کا ظہور نہ ہوتا۔ تو دیگر اسماء کے مظاہر
کس طرح موجود ہو سکتے تھے۔ اور اگر اب بھی وہ مظہر اتم اللہ کا کتم عدم میں چھپ
جائے۔ تو پھر تمام مظاہر اسماء معدوم اور مفقود ہو جائیں گے۔ اسی لئے کہا جاتا
ہے کہ حقیقتِ محمدیہ رب الارباب کی خلیفہ اور تمام کائناتِ عالم کے قیام کا
باعث ہے۔ اسی حقیقت کو صوفیا کے عرف میں مرکز یا قطب مدار کہتے ہیں۔
اور اسی پر دنیا کے قیام کا انحصار ہوتا ہے حق تعالےٰ رب الارباب مالک الملک اور
احکم الحاکمین ہیں۔ اور حضرت محمدؐ فداہ روحی اس رب الارباب اس مالک الملک کے
کامل ظل ہیں۔ یہ جہت حقیقت محمدی کی ہے۔ بشریت کی نہیں۔ کائنات عالم کی
مربوبیت۔ ان کی زندگی۔ ان کا قیام اسی اسم اللہ اور اس کے مظہر اتم یعنی حضرت
محمدؐ کی حقیقت معنوی سے وابستہ ہے۔ اس مقام میں لولاک لما خلقت الافلاک
کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ دنیا کو جو کچھ بھی پہنچتا ہے۔ وہ اس مظہر اتم کے
واسطہ سے پہنچتا ہے۔ پس حقیقی معنی میں دنیا کے قیام کا باعث خود ذات نبوی ہے
اور وہی اپنی زندگی میں بالاصالت مرکز مدار ہے۔ آپ کے آنے سے پہلے انبیاء

سابقین صحیح معنی میں اپنے اپنے وقت میں مرکز مدار تھے۔ مرکز مدار وہ ہوتا ہے
جس کی وساطت سے کائناتِ عالم رب الارباب کی نعمتوں سے فیض یاب ہو۔
اس حیثیت سے جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ انما انا قاسم واللہ
یعطی[1] اس قاسمیت میں اسی حقیقت محمدیہ کی طرف اشارہ ہے۔ جو اسم اعظم اللہ
کی مظہر اتم و اکمل ہے۔ اور اسی لحاظ سے وہ قاسم ہیں ان عطایات کے جو اسم اللہ یعنی
رب الارباب سے صادر ہوتی ہیں۔ خاتم النبیین کی حین حیات کے بعد چونکہ کوئی
نبی پیدا نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ مرتبہ مرکز مدار کی خلافت و نیابت کا امت محمدیہ
کے اکمل و کامل ترین اولیا کے لئے مخصوص ہے۔ اس نائب مناب کو اصطلاح
صوفیا میں قطب مدار یا قطب الاقطاب کہتے ہیں۔ اس قطب سے کوئی زمانہ
کبھی خالی نہیں ہوتا۔ اگر ایک فوت ہو جائے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔
جیسا کہ دنیا کے نظام حکومت کا طریقہ ہے۔ اگر ایک ملک کا بادشاہ ایک وقت مرتا
ہے۔ تو اس کے مرنے کے ساتھ ہی دوسرے کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ
کے عطیات دنیا میں ہر لحظہ۔ ہر وقت جاری ہیں۔ اس لئے ان عطیات کے قاسم
کا فعل بھی ہر وقت جاری ہے۔ اور یہ کام قاسمیت کا خاتم النبیین خود کرتے ہیں۔
اور اس کا اجراء اپنے نائب سے کراتے ہیں۔ جو ہر وقت دنیا میں موجود رہتا ہے۔
اس نائب مناب کو جسے حقیقت محمدی سے ایک خاص تعلق ہوتا ہے۔ غوث
وقت بھی کہتے ہیں۔ اسی قطب مدار۔ یا غوث وقت کے ماتحت ایک تعداد کامل
ولیوں کی ہوتی ہے۔ جو اس کا دنیا کی حفاظت میں ہاتھ بٹاتی ہے۔ اور اس کے
احکام کی تعمیل کرتی رہتی ہے اس جماعت کو ابدال و عصائب و نجباء کہتے ہیں
انہیں لوگوں کی ہستی سے دنیا کا قیام وابستہ ہے۔ جیسا کہ حدیثوں میں ہے۔

[1] مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ صحیحین۔

ان حدیثوں کو اعتقاد (۵۲) کے جواب میں درج کر دیا گیا ہے۔ سنن ابوداؤد میں
ان ابدال و عصائب کا ذکر موجود ہے۔ طبرانی، مسند احمد میں صاف طور لکھا ہے
کہ ابدالوں سے دنیا کا قیام ہے۔ اور انہی کی وجہ سے اہل زمین کو مدد پہنچتی ہے
اور ان پر بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ انہیں حدیثوں میں صاف طور لکھا ہے۔
کہ ان ابدالوں کی ایک معین تعداد سے زمین کبھی خالی نہیں ہوتی۔ ان کی ایک معین
تعداد دنیا میں ہر وقت موجود رہتی ہے۔ ایک حدیث کے رُو سے یہ تعداد چالیس
ہے۔ اور دوسری کے رُو سے تیس۔ اللہ تعالیٰ معطی علی الاطلاق ہے۔ اور
خاتم النبیین قاسم۔ جو عطایات۔ جو عنایات حق تعالیٰ کے حضور سے صادر ہوتی
ہیں۔ وہ ایوانِ رسالت میں پہنچتی ہیں۔ اور پھر وہاں سے تقسیم ہوتی ہیں۔ جیسا کہ
صحیحین کی مشہور حدیث کا منشا ہے[1] خاتم النبیین ان عطیات کو کاملین امت
کے ذریعے تقسیم کراتے ہیں۔ قارئین کرام کو معلوم رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ
مطلق، علیم مطلق، مرید مطلق، معطی مطلق ہے۔ باوصف اس کے اس نے ہر کام
کے لئے فرشتے اور مؤکل متعین کر رکھے ہیں۔ جن کے ذریعے تمام کام کائنات
عالم کے سرانجام پاتے ہیں۔ ان فرشتوں کے سردار جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ اور
نبیوں کے سردار حضرت خاتم النبیین۔ حق تعالیٰ کی قدرت نامہ اور علم وسیع ہے
وہ خود اپنی تعریف میں فرماتا ہے۔ اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، نہیں کوئی جانتا
ان کو مگر وہی۔ اور وہ جانتا ہے۔ جو کچھ زمین اور سمندر میں ہے۔ اور پتہ نہیں گرتا
مگر کہ وہ اسے جانتا ہے[2]۔ بلکہ کوئی ذرہ بھی اس کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرتا
سورۂ یونس میں ہے۔ کہ مثقال کے برابر بھی کوئی چیز تیرے پروردگار
سے اوجھل نہیں۔ نہ زمین میں اور نہ آسمان میں[3] اللہ تعالیٰ کی نظر سے ایک

[1] حدیث اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ [2] وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ہو الخ انعام ۶-۵۹۔
[3] وما یعزب عن ربک من مثقال ذرۃ فی الارض الخ۔ یونس ۱۰-۶۱۔

ذرہ بھی اوجھل نہیں۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو مؤکلوں کے ذریعے
کائناتِ عالم کا کام چلانے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ اس بات کو
خدا بہتر جانتا ہے۔ لیکن یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ فرشتوں کے ذریعے کائناتِ
عالم کا کام چلایا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کی متعدد آیتوں سے معلوم ہوتا ہے۔
اسی طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں خلیفہ کی کیا ضرورت تھی۔ جب کہ وہ خود
سب کام سرانجام دے سکتا ہے۔ اس بات کو بھی خدا ہی بہتر جانتا ہے۔
مگر اس کا فرمان ہے کہ اس نے انسان کامل کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا۔ اور
جس طرح فرشتوں میں جبرائیل کا مرتبہ سب سے زیادہ کیا۔ اس طرح نبیوں اور
کامل مومنوں میں خاتم النبیین کا مرتبہ سب سے زیادہ کیا۔ جس طرح جبرائیل کی
سرداری میں تمام فرشتے کارفرما ہیں۔ اسی طرح خاتم النبیین کی سرداری میں انبیاء
اور اولیاء کارفرما ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ دُنیا جہان کا کام
چلاتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ نبیوں اور ولیوں کے ذریعہ رُوحانی نظام کا
کام چلا رہے ہیں۔ اس لئے معطی کی عنایات کامل ترین انسان کے دیوان
میں پہنچی ہیں۔ اور پھر وہاں سے کامل ولیوں کے ذریعہ لوگوں میں بٹتی ہیں۔ یہ
ایک ایسا نظام کائنات ہے جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے۔ مگر اس
سے کسی طرح بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس سے دنیا کا سارا کارخانہ چل
رہا ہے۔ اس لحاظ سے دنیا میں تین سو یا پانچ سو کامل ولی مختلف مقامات پر
متعین ہیں۔ پھر اُن میں سے تیس یا چالیس ہیں۔ جن کو ابدال کہتے ہیں۔ پھر اُن
میں سے سات اقلیموں کے سات ہیں۔ اور چار اکناف عالم کے چار ہیں۔
پھر ان چاروں میں سے ایک افضل ترین ہے۔ جیسا کہ تمام فرشتوں میں
سے چار فرشتے اعلیٰ اور پھر اُن میں سے ایک مقرب ترین ہے۔ اور وہ جبرائیل

ہے۔ جب تک یہ کامل لوگ دُنیا میں موجود ہیں۔ اس وقت تک قیامت نہ آئیگی
کیونکہ دنیا انہیں کے وجود سے قائم ہے۔ جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے۔ دنیا
بھی اسی وقت فنا ہوگی۔ جب کہ یہ لوگ دنیا سے ناپید ہو جائیں گے صحیح مسلم
میں ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک دنیا میں کوئی اللہ
اللہ کہنے والا موجود ہوگا[1] یہی کامل لوگ صحیح معنی میں اللہ اللہ کہنے والے
ہیں۔ اور اس لئے ان کی موجودگی میں قیامت قائم نہیں ہو سکے گی۔ پس دُنیا
کے قیام کے لئے ان کا وجود از بس ضروری ہے۔ صحیح مسلم کی روایت سے بھی
اشارۃً اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ دنیا کا قیام ان نیک بندوں اور ان
اللہ والوں کی وجہ سے ہے۔ قطب چکی کی وہ لکڑی ہوتی ہے۔ جس کے گرد
چکی کے اُوپر کا پاٹ پھرتا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے قطب مدار وہ مرد کامل
ہے جس پر دُنیا کے قیام اور چلاؤ کا دار و مدار ہے۔ اس کو قطب کہو غوث
کہو۔ قائم مقام خلیفہ ہو۔ بات ایک ہی ہے۔ غوث کا لفظ اس شخص پر
اطلاق پذیر ہوتا ہے۔ جس سے مدد طلب کی جائے۔ انسان کامل سے مدد
طلب کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ اس کی نسبت مفصل بحث کتاب ہذا کے باب
سوئم فقرات ۱۲-۱۳-۱۴ اور باب چہارم کے اعتقادات ۱۲-۱۳-۱۴ میں
کی گئی ہے۔ مدد اور اعانت مشروعہ غیر اللہ سے اور بالخصوص کامل ولیوں سے
بھی مانگی جاسکتی ہے۔ اور ایسی مدد لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ یہ کاملین
اوروں کے لئے وسیلہ ہیں۔ اور ان کا وسیلہ انجاح حوائج میں لیا جاسکتا ہے
جیسا کہ اس کی نسبت مفصل ذکر باب دوئم میں بھی کیا گیا ہے۔ وابتغوا الیہ الوسیلہ
میں۔ ان کامل مومنوں سے استمداد و استعانت مشروعہ بھی داخل ہے۔ بیشک

[1] مشکوٰۃ۔ باب لاتقوم الساعۃ الاعلیٰ اشرار الناس۔ ص ۹۸۰۔

دعا مانگنے والا سائل ہے۔ اور بے شک قرآن میں یہ ہے۔ واذا سألک عبادی عنی فانی قریب اُجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ لیکن اس سے توسل شروع کا امتناع ثابت نہیں ہوتا۔ اس آیت میں ایک لفظ عبد کا جو بہت پر معنی ہے استعمال کیا گیا ہے۔ عبد صحیح معنی میں نبیوں اور کامل مومنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کی متعدد آیات سے مترشح ہوتا ہے۔ سُبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً (بنی اسرائیل) ان ھو الا عبد انعمنا علیہ (زخرف)[1] پس اگر کوئی صحیح معنی میں عبد اللہ بن کر دعا کرے تو اس کی دُعا ضرور قبول ہو گی۔ لیکن اگر وہ صحیح معنی میں خود عبد نہیں۔ تو پھر اُسے کسی ایسے مرد کا وسیلہ لینا چاہیئے۔ جو خود صحیح معنی میں عبد ہو۔ جو خود عبد کامل ہو۔ اس کو کسی کے وسیلہ کی اتنی ضرورت نہیں۔ بلکہ نبی کو تو کسی اُمتی کے توسل کی قطعاً ضرورت نہیں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا سے معلوم ہوتا ہے۔ جس کا حوالہ شیخ ابن تیمیہ نے دیا ہے۔ نبی یا ولی کامل خود سائل کی حیثیت میں ہو کر دُعا کر سکتے ہیں۔ اور ان کی دعا قبول ہوتی ہے۔ مگر عام مومنوں کو دوسروں کا توسل لینا مناسب ہے۔ اور اگر کوئی اہم معاملہ پڑ جائے تو پھر ولیوں کو نبی کا یا قائمقام نبی کا جو قطب مدار ہوتا ہے۔ توسل لینا پڑتا ہے۔ مثلاً ایک ملک میں انقلاب ہوتا ہے۔ اس انقلاب کے کامیاب کرنے یا ناکام کرنے کے لئے قطب الاقطاب کی آخری منظوری کی ضرورت ہے۔ اور قطب الاقطاب کو بارگاہ رسالت کے

[1] دیگر آیات نیز۔ ووھبنا لداؤد سلیمان نعم العبد انہ اواب (ص) فوجدا عبداً من عبادنا (کہف) ذکر رحمت ربّک عبدہ زکریّا۔ (مریم) واذکر عبادنا ابراھیم و اسحاق و یعقوب اُولی الایدی والابصار (ص) وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھوناً (فرقان) اوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ (نجم) ان عبادی لیس علیہم سلطان (بنی اسرائیل)

صادر شدہ احکام کی تعمیل کرنا ہوتی ہے۔ اسی لحاظ سے کہا گیا ہے کہ تین سو چالیس کے پاس۔ چالیس سات کے پاس۔ سات چار کے پاس۔ چار ایک کے پاس معاملہ پیش کرتے ہیں، پس قول فیصل یہ ہے:

اوّل :- کہ دنیا میں ہر وقت ایک ایسا کامل ترین مومن موجود رہتا ہے جو خاتم النبیین کا نائب مناب ہوتا ہے۔ اس کو قطب مدار یا قطب الاقطاب یا غوث وقت کہتے ہیں۔

دوئم :- قطبِ مدار کے ماتحت اور بھی کامل مومن ہوتے ہیں۔ جن کو ابدال۔ عصائب و اقطاب وغیرہ کہتے ہیں۔

سوئم :- دنیا جہان کا اگر کوئی بڑا اہم کام آپڑے تو اسے اقطاب و ابدال قطب مدار تک لے جاتے ہیں۔ اور وہ کام اس کی ہدایت و امداد سے سرانجام پاتا ہے۔ قطب مدار اور غوث وقت اس معاملہ کو دربار رسالت کے احکام کے مطابق طے کرتا ہے۔ اور اسی میں جہاں کے روحانی نظام کا راز مضمر ہے۔ اس روحانی نظام کے متعلق کچھ ذکر باب اوّل فقرہ ۳۹ میں کیا گیا ہے۔

۵۶ --- شیخ ابن تیمیہ کو بڑا مغالطہ لگا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت افغانستان کا بادشاہ ظاہر شاہ ہے۔ ظاہر شاہ کی قابلیت کے لوگ افغانستان میں بہت سے ہیں۔ مگر بادشاہ صرف ایک ہی ہے۔ کیا ظاہر شاہ کے بادشاہ ہونے سے آپ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ظاہر شاہ کی قابلیت کا اور کوئی افغانستان میں نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح روحانی نظام کی صورت ہے۔ ایک وقت میں دو چار کامل ترین افراد دنیا میں ہو سکتے ہیں۔ مگر چونکہ قطب مدار ایک وقت میں ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لئے ان میں سے ایک کو ہی اس کام کے لئے متعین کیا جاتا ہے۔ قطب مدار کے مقرر ہونے سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا کہ

کہ باقی اس کے ہم مرتبہ ہم عصر اس سے مرتبے میں کم ہیں۔ ان کا مرتبہ بھی وہی
ہے۔ ایسے لوگ افراد کاملین یا اقطاب حق کہلاتے ہیں۔ دنیا کے
قیام اور کاروبار کائنات کے انصرام کے لئے تین سو یا پانسو افراد متعین
ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسی قدر کامل مرد دنیا میں موجود
ہیں بالکل غلط ہے۔ حضرت معاویہ کی خلافت کے وقت ان جیسے سینکڑوں
آدمی صلاحیت خلافت کی رکھتے تھے۔ مگر وہ سب خلیفہ نہیں بن سکتے
تھے۔ کیونکہ خلیفہ صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کوئی
کامل ترین مرد قطب الاقطاب کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دے۔ اور
بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ تو پھر دوسرا کامل مرد جو اس کے ہم مرتبہ ہو۔ اس کام
پر متعین کیا جاتا ہے۔ دوسری بات شیخ موصوف یہ کہتے ہیں کہ ابدال کے متعلق
جو حدیث بروایت حضرت علی پہنچی ہے وہ نبی صلعم کے کلام سے نہیں۔ ممکن
ہے کہ صورت ایسی ہو۔ لیکن یہاں تو صرف یہی ایک حدیث نہیں۔ ابدال کے
متعلق تو ابو داؤد سے بھی حدیث مروی ہے۔ وہ حدیث عن ام سلمہ عن النبی صلعم
ہے۔ اس کے علاوہ شیخ ابن تیمیہ ذیل کے اعتراضات پیش کرتے ہیں۔

اول:۔ فتوح شام کے پہلے شام اور عراق کفر کا گھر تھے۔ اس لئے
وہاں اخیار امت نہیں ہو سکتے۔

دوم:۔ حضرت علیؓ اور ان کا ساتھ دینے والے اس جماعت سے
افضل تھے۔ جو معاویہؓ کا ساتھ دینے والے تھے۔ معاویہؓ اور اس کی جماعت
شام میں تھی۔ پس یہ کہنا درست ہے کہ تمام ابدال شام میں رہتے ہیں۔
ان امور کے متعلق اس قدر بیان کر دینا ضروری ہے کہ یہ لازمی نہیں کہ سب
ابدال حضرت علیؓ کے اصحاب سے تھے۔ یا حضرت معاویہؓ کے اصحاب سے۔

بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ یا ان میں سے کچھ ان دونوں جماعتوں سے الگ تھلگ
رہے ہوں۔ جیسا کہ بعض جلیل القدر صحابہ مثل حضرت سعد ابی وقاص اور حضرت
ابن عمر الگ رہے تھے۔ یہ کہنے کا کس کو منہ ہے کہ فتوح شام سے پہلے ہر زمانے میں
شام اور عراق کفر کا گھر تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت سے لے کر
خاتم النبیین کی بعثت تک وہاں حضرت عیسیٰ کے امتی جو اس زمانے میں صحیح معنوں
میں مومن تھے۔ رہتے تھے۔ اور ان میں خیار امت بھی موجود ہوں گے۔ ان لوگوں
کی نسبت اس وقت کفر کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ جب کہ خاتم النبیین کے ظاہر ہونے
پر انہوں نے ان کی نبوت کا اقرار نہ کیا ہو۔ مگر جنہوں نے کیا وہ تو مومنین کے
زمرے میں داخل ہو گئے۔ اور وہ جہاں تھے۔ وہاں ٹھہرے رہے اس لئے
ہم مطلق طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ فتوح سے پہلے شام اور عراق کفر کا گھر تھے
چنانچہ احادیث ذیل سے اس بات کا پتہ چلتا ہے۔ سنن ابو داؤد اور مسند احمد
میں ہے کہ یہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔ کہ جنود مجندہ سے ایک جماعت تو
شام میں ہوگی۔ ایک جماعت یمن میں اور ایک عراق میں۔ تم شام کو لازم پکڑنا۔
کیونکہ وہ اللہ کی زمین سے بہتر جگہ ہے۔ اور اسی کی طرف اس کے بہترین بندے
چلے جاتے ہیں[۱]۔ ترمذی۔ مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ہے کہ شام کے لئے خوشخبری
ہے۔ کیونکہ رحمٰن کے فرشتے اس پر پر پھیلائے رہتے ہیں[۲]۔ طبرانی اور مستدرک حاکم
میں ہے کہ شام اللہ کی منتخب جگہ ہے۔ اس کی طرف اس کے منتخب بندے جاتے
ہیں[۳]۔ ترمذی میں ہے کہ عنقریب فتنے ہوں گے صحابہ نے عرض کی کہ آپ کس بات
کا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا شام کو لازم پکڑنا[۴]۔ سعد سے روایت ہے کہ اہل غرب قیامت
تک حق پر غالب رہیں گے۔ ابو داؤد کی ایک روایت کے مطابق ابدال کو شام کی

۱و۲ و۳ منتخب جلد ۵۔ ص ۳۶۳ (الشام) ۴ و۵ منتخب جلد ۶۔ ۳۶۳۔ شام۔

طرف اور عصائب کو عراق کی طرف منسوب کیا گیا ہے[٥]۔ پس ان حدیثوں کی رُو سے ذرا بھی شک نہیں ہو سکتا۔ کہ اللہ کے بہترین بندے ابدال شام میں خاص طور پر مقام رکھتے ہیں۔ یہ لوگ صرف شام میں پیدا نہیں ہوتے۔ بلکہ مختلف جگہوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور پھر آخر پہ شام و عراق کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی حدیثوں سے ظاہر ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ایک ہی جگہ ٹھہرے رہیں۔ وہ اِدھر اُدھر گھومتے رہتے ہیں۔ اور جب اور کوئی خاص کام انہیں نہیں ہوتا تو شام کی طرف چلے جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

٥٧ - اس حدیث کا منشاء صرف یہ ہے۔ کہ ان نیک بندوں کی ذوات بھی دیگروں کو مدد و رزق پہنچنے کا سبب بنتی ہیں۔ گو کہ اس کے لئے دوسرے اسبابات بھی موجود ہیں۔ اور وہ نیک بندوں کا اخلاص دعا اور عبادت ہیں۔ ذات سے توسل کے متعلق مفصل بحث باب دوئم فقرات ١٤ و ١٥ میں دیکھئے۔ اس بحث سے صاف ظاہر ہے کہ نیک بندوں کامل مومنوں اور نبیوں کی ذات کا وسیلہ لینا مشروع ہے۔ یہ بات بھی حدیثوں سے ثابت ہے کہ دنیا میں اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہوگا[٦]۔ گویا اللہ اللہ کہنے والوں کے دم قدم سے لوگ۔ لوگ کیا بلکہ ساری کائنات قیامت کے ہول سے محفوظ رہیگی۔ نصرت۔ مدد۔ رزق کا پہنچنا تو معمولی بات ہے۔ قیامت کی تکلیفوں سے محفوظ رہنا بہت بڑی بات ہے اور یہ محفوظیت بھی نیک بندوں کے طفیل ہی حاصل ہے۔ ہم کب کہتے ہیں کہ کافروں اور فاجروں کو رزق نہیں ملتا۔ اللہ تعالےٰ تو رب العالمین ہے۔ وہ سب کو رزق دیتا اور سب کی مدد کرتا ہے۔ ان کافروں اور فاجروں کو بھی اگر رزق ملتا ہے۔ تو انہیں

[٥] مشکوٰۃ باب شراط الساعۃ [٦] مشکوٰۃ۔ باب لاتقوم الساعۃ الا علیٰ اشرار الناس۔ ص ٤٠٩

نیک بندوں کے طفیل۔ حدیث میں یہ تخصیص کہاں ہے کہ رزق مدد یا نصرت صرف مومنوں کو ملتی ہے۔ دوسروں کو نہیں ملتی۔ یہ چیزیں تو اہلِ شام کو ملتی ہیں اور شام میں کافر بھی ہیں۔ اور مومن بھی۔ فاسق و فاجر بھی ہیں اور زاہد و عابد بھی۔ اس حدیث میں تو اصول کی گفتگو ہے۔ فروع و تفاصیل کی نہیں۔

٥٨ - شیخ ابن تیمیہ کا یہ خیال ہے کہ یہ کہنا کہ ابدال رجال غیب ہیں اور کہ وہ لوگوں کی نظروں سے ہمیشہ اوجھل رہتے ہیں۔ اور کہ وہ خاص خاص جگہوں میں رہتے ہیں۔ بالکل جھوٹ اور بہتان ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ شیخ موصوف کا اپنا قول محض بہتان ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم کی مشہور حدیث ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلعم مکے کی طرف سفر کر رہے تھے راستے میں جبل جُمدان آیا۔ آپ نے فرمایا کہ چلے چلو۔ یہ جُمدان ہے۔ مفرّدون سبقت لے گئے۔ صحابہ نے عرض کی مفرّدون کون ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور بہت یاد کرنیوالی عورتیں[١]۔ مجمع البحار میں ہے کہ مُفرّدون سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جن کو ذکر اللہ میں انہماک حاصل ہو۔ اسی لئے رسول صلعم نے مفردون کی تشریح ذاکرین اور ذاکرات سے فرمائی۔

پس مفردون سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو ایک لمحہ بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے ان کو کمال درجہ کی تفرید حاصل ہوتی ہے۔ اور ایسے لوگ عموماً کچھ عرصہ کے لئے ایسی جگہوں میں ٹھہرتے ہیں۔ جہاں لوگوں کی آمد و رفت بہت کم ہو۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا ایک گروہ جُمدان کے پہاڑ کے اوپر رہتا تھا۔ اور جب رسول اللہ صلعم وہاں سے گذرے تو روحانی قوت سے ان کو معلوم ہوا کہ یہ گروہ یہاں پہاڑ پہ ہے۔ اور آپ نے فرمایا کہ یہ جُمدان ہے۔ یہاں مُفرّدوں

[١] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ۔

ہیں۔ جو اوروں سے سبقت لے گئے۔ اس سے صاف ظاہر
ہے۔ کہ ایسے کامل لوگ زاویہ ہائے انزوا میں
چھپ کر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر صورت ایسی نہ ہو
تو پھر کوئی بھی ان کو رجال غیب نہ کہتا۔ ان رجالِ غیب
کو اصلاحِ حدیث میں اخفیا کے نام سے بھی موسوم کیا گیا
ہے۔ ابن ماجہ میں ہے۔ کہ جس نے اللہ کے کسی ولی سے دشمنی
رکھی اس نے اللہ سے لڑائی کا اعلان کیا۔ اللہ ان ابرار
و اتقیاء۔ اخفیاء سے پیار کرتا ہے۔ جو اگر وہ غائب ہوں
تو کوئی ان کی تلاش نہیں کرتا۔ اور جو حاضر ہوں تو کوئی
اُن کو نہیں بُلاتا۔ اور نہ نزدیک بٹھاتا ہے۔ ان کے دل ہدایت
کے دئے ہیں۔ مگر وہ خود تیرہ و تاریک جگھوں سے نکلتے
ہیں[1]۔ اسی حدیث سے رجالِ غیب کی اصطلاح نکلی ہے۔ اس حدیث
میں دو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اخفیا اور غابوا۔ غابوا سے وہ لوگ مراد ہیں
جو غائب ہوں۔ اخفیا سے مراد وہ لوگ ہیں جو چھپے ہوئے ہوں۔ اور یہی لوگ
دوسرے لفظوں میں رجالِ غیب ہیں۔ پس رجالِ غیب کی اصطلاح کا ماخذ
کلام نبوی ہے۔ جس پہ شیخ ابنِ تیمیہ کو بالکل نظر نہیں۔ صحیح مسلم اور مسند احمد میں ہے
کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندے تقی۔ غنی۔ خفی سے پیار کرتا ہے۔ اس حدیث میں بھی
خفی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اور خفی کے ساتھ غنی اور تقی کے الفاظ نے مضمون

[1] مشکوٰۃ باب الریا والسمعۃ ص ۴۴۳ [2] منتخب جلد اوّل تقوی ص ۱۵۶

اوجھل
مکمل کر دیا ہے۔ پس یہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل
ہو۔ نیکو کار ہو۔ اور دل کا بادشاہ ہو۔ یہی اوصاف ایک کامل مومن کے ہونے
ہیں۔ اس سے بھی رجال غیب کی اصطلاح کی تائید ہوتی ہے۔ ان کامل لوگوں
کا رجالِ غیب کہلانا دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ یہ تیرہ و تاریک جگھوں میں
یعنی زاویۂ انزوا میں زیادہ وقت گذارتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ لوگ عام لوگوں
میں بھی رہیں۔ جب بھی کوئی ان کو نہیں پہچان سکتا۔ جیسا کہ اُوپر حدیث میں ہے۔
کہ اگر یہ حاضر ہوں۔ تو کوئی ان کو اپنے نزدیک نہیں بٹھاتا۔ ان دونوں باتوں
کے لحاظ سے ان کو رجال غیب کہتے ہیں۔ ظاہر بین لوگ خاک دھول بکائن
کے پھول ان باتوں کو جانیں تو کیا جانیں۔ ان کو تو ان باتوں کی ہوا تک نہیں
لگی۔ اس لئے معذور ہیں۔ اور جو کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ کہ ڈالتے ہیں۔ اور خواہ مخواہ
اوروں پر منہ آتے ہیں۔ ان کے ہوا داروں کو چاہیئے کہ پہلے اس روحانی نظام
کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ پھر اس مبحث پر منہ کھولیں۔
۵۹ — شیخ موصوف اپنی بزرگی کی ریش کو بہت طول دیتے ہیں۔ ان کا یہ لکھنا
کہ ڈاڑھی مونڈھنے والے قلندر سب اہلِ ضلالت ہیں۔ مغالطے پر مبنی ہے۔
ڈاڑھی مونڈھنے سے کوئی کافر و ضال نہیں ہو سکتا۔ ضال وہی ہو سکتا ہے۔ جو
اللہ اور رسول کا مُنکر ہو۔ یا حرام کو حلال اور حلال کو حرام سمجھتا ہو۔ اور فرائض کی
فرضیت کا منکر ہو۔
۶۰ — نذروں کے متعلق مفصل بحث اعتقاد (۳) میں کی گئی ہے۔ قبروں
کو مسجد بنا کر وہاں چراغ جلانا حرام ہے۔ جب قبر کو مسجد بنایا جائے تو پھر جیسے
اتخاذ قبر حرام ہے۔ ویسے ہی وہاں چراغ جلانا بھی حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی قبر کے
پاس دن کو یا رات کو قرآن پڑھے۔ جیسا کہ حدیث کی رُو سے جائز ہے۔ تو پھر

چراغ جلانا بھی ضروری ہے۔ اس ضرورت کے لحاظ سے قبروں پر چراغ جلانا ممنوع نہیں

۶۱۔ سماع اور تغنّی کے متعلق ایک واضح بیان کی ضرورت ہے۔ شعب الایمان بیہقی میں ہے کہ گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ جس طرح کہ پانی سے سبزی پیدا ہوتی ہے[1]۔ طبرانی اور تاریخ خطیب میں ہے۔ کہ حضرت ابن عمرؓ نے گانے اور گانا سُننے سے غیبت اور غیبت سُننے سے چغلخوری اور چغلی سُننے سے منع کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ گانے کو مکروہ اور گانا سُننے کو گناہ سمجھتے ہیں اور یہی مذہب ابراہیم۔ سفیان ثوری حماد شعبی اور دیگر اہل کوفہ کا ہے۔ امام مالک نے بھی گانے کو ممنوع قرار دیا ہے ان کی یہاں تک رائے ہے کہ اگر کوئی لونڈی خریدے اور گانے والی نکل پڑے تو وہ اُسے واپس کر سکتا ہے۔ جیسے کہ ایک نقص والی چیز واپس کی جاتی ہے۔ یہ مذہب قریباً تمام اہل مدینہ کا ہے۔ امام شافعی کی رائے ہے کہ گانا مکروہ لہو ہے۔ اور باطل سے ملتا جلتا ہے۔ جو کوئی گانے میں زیادہ دلچسپی لے وہ سفیہہ ہے اس کی شہادت قبول نہ کی جائے۔ امام احمد حنبل بھی سماع کو مکروہ کہتے ہیں۔

سماع کے جواز کے متعلق ذیل کی باتیں قابلِ لحاظ ہیں۔

اوّل کہتے ہیں کہ بعض صحابہ نے بھی سماع کا شغل کیا ہے۔ جیسے عبداللہ بن زبیر۔ عبداللہ بن جعفر۔ معاویہ وغیرہ۔

دوئم۔ سلف صالح اور بعض تابعین اور دوسروں نے سماع کا شغل کیا ہے۔

سوئم:۔ حضرت جنید بغدادی۔ ذوالنون مصری۔ ابراہیم ادہم۔ عبداللہ سہیل تستری وغیرہ سب کو سماع سے دلبستگی تھی۔

چہارم:۔ سماع میں دو چیزیں ہیں۔ ایک خوش کُن آواز اور دوسرے کلام منظوم۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان دونوں چیزوں میں سے کوئی مکروہ یا حرام ہے۔

[1، 2] منتخب۔ کتاب اللھو والتغنّی جلد ششم۔

حُسن صوت یعنی شیریں آواز کے متعلق احادیث ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

ابن ماجہ۔ مستدرک حاکم۔ ابن حبان اور شعب الایمان بیہقی میں ہے۔ کہ اللہ تعالٰے اس شخص کی طرف خوب کان لگاتا ہے۔ جو قرآن کو حُسن صوت یعنی عمدہ آواز سے پڑھے[1]۔ گویا حُسنِ صوت خود حق تعالٰے کو پسند ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو۔ کیونکہ عمدہ آواز قرآن کی خوبصورتی بڑھاتی ہے[2]۔ ابن ماجہ میں ہے۔ کہ قرآن کو اچھی آواز سے پڑھو جو اسے اچھی آواز سے نہیں پڑھے گا۔ وہ ہم سے نہیں[3]۔ صحیح بخاری۔ ابوداؤد۔ مسند احمد۔ ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ہے۔ لیس منا من لم یتغن بالقرآن۔ یعنی وہ ہم سے نہیں۔ جو قرآن کو عمدہ آواز سے نہ پڑھے[4]۔ ان احادیث سے ظاہر ہے کہ تغنّی یعنی حُسن صوت سے قرآن کا پڑھنا ازبس ضروری ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کلام موزوں کا پڑھنا جائز ہے۔ صحیح مسلم اور ابنِ ماجہ میں ہے کہ سب سے سچی بات وہ ہے۔ جو کہ لبید شاعر نے کہی ہے۔ ع الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل[5]۔ صحیح مسلم۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے کہ بالتحقیق کچھ شعر حکمت ہے[6]۔ بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ اور مسند احمد میں ہے۔ کہ بالتحقیق بیان میں جادو ہے[7]۔ ابوداؤد میں ہے کہ بیان میں سے ہی جادو ہے۔ علم میں سے ہی جہالت ہے۔ شعر سے ہی حکمت ہے۔ اور باتوں سے ہی لاجواب کرنے والی بات ہے۔ ان حدیثوں سے ثابت ہے کہ ان اشعار کا پڑھنا بہت اچھا ہے۔ جن میں حکمت کی باتیں ہوں۔ اب صوتِ حُسن اور شعر محمود کے دو نظریوں کو جمع کر لو۔ تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اچھے اشعار کو اچھی آواز سے پڑھنا مباح ہے

[51 تا 53] منتخب جلد اول ص ۳۸۶۔ الفصل الثالث فی اداب التلاوۃ [54] منتخب جلد اول ص ۳۰۲۔ الشعر المحمود [55] منتخب جلد اول ص ۳۸۶ [56] [57] منتخب جلد اول ص ۳۰۲ الشعر المحمود۔ [58] منتخب جلد اول۔ الشعر المحمود۔ ص ۳۰۲۔

بلکہ بعض حالتوں میں بہت مناسب ہے۔ ایسے اشعار کا سننا بھی مباح ہے۔ جس
گانے کے سننے کے متعلق وعید وارد ہوئی ہے۔ اور جسے آئمہ اربعہ نے مکروہ قرار
دیا ہے۔ وہ گری ہوئی عشقیہ غزلیں ہیں۔ جو سفیہہ لوگوں کے زبان زد ہوتی ہیں۔ جیساکہ
ادب المفرد للبخاری اور طبرانی اوسط سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ شعر بمنزلہ کلام
کے ہے۔ اچھا شعر اچھے کلام کی طرح ہے۔ اور برا شعر برے کلام کی طرح۔ پس
جو مجلس سماع کی منعقد کی جاتی ہے۔ اور اس میں اللہ و رسول کی محبت کے
گانے گائے جاتے ہیں۔ ایسی مجلسوں میں شامل ہونا بہت سے فوائد پر
مشتمل ہے۔ ان گانوں میں اللہ و رسولؐ اور ان کی محبت کی خوبیوں کا ذکر
ہوتا ہے۔ اور جہاں ایسا ذکر اذکار ہو۔ وہاں فرشتے ضرور حاضر ہوتے ہیں۔
اس لئے ایسی مجلس پر رحمت حق برستی ہے۔ جو اللہ و رسول کا ذکر خیر کرے۔
خواہ وہ ذکر نثر کی صورت میں ہو۔ یا نظم کی صورت میں۔ خواہ گا کر ہو خواہ تحت اللفظ
پڑھ کر۔ ایسی مجلسیں عام طور پر چشتی صوفیا منعقد کرتے ہیں۔ شیخ ابن تیمیہ
کو ان مراتب پر وقوف نہیں۔ وہ راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ اور حقائق
سماع ان کی نظر سے اوجھل ہو گئے ہیں۔

پنجم:۔ معترض کہ سکتا ہے کہ صحیح مسلم کی مشہور حدیث ہے کہ کسی کے پیٹ
کا پیپ سے بھرنا جس سے وہ خراب ہو جائے۔ شعر سے بھرے جانے سے
بہتر ہے[1]۔ اب اس حدیث کی بنا پر کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ شعر کہنا غیر مذموم ہے
معترض نے حقیقت حال کو نہیں سمجھا۔ شعر مذموم کا کہنا مذموم ہے۔ اور شعر مذموم
وہ ہے۔ جو اللہ رسول سے غافل کرے۔ اور فواحش کی طرف بلائے۔ ہجو بھی
شعر مذموم ہے۔ بشرطیکہ وہ اللہ و رسول کے لئے نہ ہو۔ اور اگر وہ اللہ و رسول

[1] مشکوٰۃ باب البیان والشعر

کے لئے ہو۔ تو محمود ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلعم نے حضرت
حسان کو فرمایا کہ روح قدس تیری مدد کرتا رہے گا۔ جب تک کہ تو اللہ و رسول کی
طرف سے جواب دیتا رہے گا[1]۔ صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ حسان
کو کہا کرتے تھے کہ قریش کی ہجو کرو۔ کہ ہجو ان پر پتھر پھینکنے سے زیادہ سخت ہے[2]۔
جناب رسول اللہ صلعم حسان کو فرمایا کرتے تھے کہ میری طرف سے جواب دو۔
اور دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ حسان کی روح القدس سے مدد کر۔ قریظہ
کے دن آپ نے حسان کو فرمایا کہ مشرکوں کی ہجو کرو۔ اس لئے ہجو بھی شعر مذموم
نہیں بشرطیکہ وہ اللہ و رسول کے لئے ہو۔ اچھے اشعار کا پڑھنا تو قطعاً جائز ہے
رسول اللہ صلعم خود بھی کبھی کبھی کوئی شعر پڑھ دیتے تھے۔ مثلاً

اللھم لاعیش الا عیش الاخرۃ   فاغفر الانصار والمھاجرۃ[3]

خندق کے دن آپ یہ پڑھتے تھے:۔

والله لولا الله ما اھتدینا   ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃ علینا   وثبت الاقدام ان لاقینا
ان الاولی قد بغوا علینا   اذا ارادوا فتنۃ ابینا

ابینا ابینا پر آواز اونچی کرتے تھے[4]۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ایک دن
ایک صحابی کے ساتھ سوار تھے۔ آپ نے ان سے امیہ بن ابی الصلت کے اشعار
سنانے کی فرمائش کی۔ چنانچہ وہ آپ کو اشعار سناتے رہے۔ یہ صحابی عمرو بن
شرید کے باپ تھے[5]۔ حضرت حسان کے اشعار تو آپ مسجد میں منبر نصب کرا کر
سنا کرتے تھے۔ جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے[6]۔ رسول اللہ صلعم کا ایک

[1] [2] [3] مشکوٰۃ باب البیان والشعر۔ [4] [5] مشکوٰۃ باب البیان والشعر صحیحین۔
[6] [7] مشکوٰۃ باب البیان والشعر

ہدی خوان تھا۔ اس کا نام انجشہ تھا۔ جب مستورات ساتھ ہوتیں اور وہ ہُدی خوانی کرتا تو آپ فرماتے انجشہ آہستہ آہستہ آبگینوں کو نہ توڑو[۱] مستورات کو ان کی کمزوری اور سرعتِ تاثر کی وجہ سے قواریر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ شعرِ غیر مذموم کے گانے کا سُننا مباح ہے اور اس طرح کا گانا اور اس طرح کے اشعار خود رسول اللہ صلعم سنا کرتے تھے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آلاتِ تغنی کا استعمال جائز ہے کہ نہیں صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ درحالیکہ ایام منیٰ میں دو لڑکیاں ان کے ہاں بیٹھی ہوئی دف بجا رہی تھیں۔ اور حضرت رسول کریم صلعم لیٹے ہوئے اپنے منہ پر کپڑا اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر نے لڑکیوں کو جھڑکا۔ رسول اللہ صلعم نے منہ پر سے کپڑا اُتارا۔ اور کہا کہ اے ابوبکر ان کو چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ عید کے دن ہیں۔ نسائی میں بھی اس قسم کی ایک روایت موجود ہے[۲] ابنِ ماجہ میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر میرے ہاں تشریف لائے۔ درحالیکہ دو لڑکیاں انصار کی گا رہی اور یوم بعاث کا حال بیان کر رہی تھی لیکن وہ لڑکیاں گاتی نہ تھیں۔ ابوبکرؓ بولے کہ کیا نبی صلعم کے گھر میں شیطان کا مزمار موجود ہے۔ نبی صلعم بولے اے ابوبکر ہر ایک قوم کی عید ہوتی ہے۔ اور ہماری یہ عید ہے[۳] ترمذی اور ابن حبان میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم ایک دفعہ جب جہاد سے واپس مدینہ تشریف لائے تو ایک سیاہ فام لڑکی ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کرنے لگی کہ میں نے یہ نذر رکھی تھی کہ جب آپ صحیح و سلامت واپس تشریف لائیں۔ تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤنگی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تُو نے یہ نذر رکھی تھی۔ تو نذر پوری کر لے۔ ابنِ ماجہ میں ہے

[۱] مشکوٰۃ باب البیان والشعر۔ [۲] [۳] منتخب جلد ۲ کتاب اللھو والتغنی ص ۱۷۳۔ منتخب جلد ۲ کتاب اللھو والتغنی

کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ نکاح کا اعلان کرو اور اس کے لئے دف بجاؤ۔ ابنِ ماجہ میں انس بنِ مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم مدینے میں سے گذر رہے تھے۔ تو آپ نے دیکھا کہ لڑکیاں دف بجا رہی اور یہ گا رہی تھیں[۱]

نحن جوار من بنی النجار ۔۔۔ یا حبذا محمد من جار

ترجمہ:۔ ہم بنی النجار کی لڑکیاں ہیں۔ کیا خوب بات ہے کہ محمد صلعم ہمارے ہمسایہ ہیں۔ نبی صلعم بولے کہ میں یقیناً تم سے محبت رکھتا ہوں۔ نسائی، ترمذی، مسند احمد اور ابنِ ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ حلال و حرام میں فرق کرنیوالی چیز نکاح کے وقت گانا اور بجانا ہے[۱] ابو داؤد میں ہے کہ ایک عورت نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کرنے لگی کہ یا رسول اللہ صلعم میں نے نذر رکھی تھی کہ میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ آپ نے فرمایا تو اپنی نذر پوری کر لے۔ اسی طرح مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلعم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ تو لڑکیوں نے دف بجائی۔ اور یہ شعر گائے[۲]

طلع البدر علینا ۔۔۔ من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ۔۔۔ ما دعی للہ داع

ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح کے وقت اور خوشی کے دیگر موقعوں پر مزامیر یعنی آلاتِ تغنی کا بجانا اور خوشی کے اشعار گانا جائز ہے۔ انہیں احادیث کی بنا پر روحانی خوشی منانے اور رُوح کو عروج دینے کے لئے احباب چشت نے سماع کی جوازیت کا فتویٰ دیا ہے۔ اور یہ جوازیت قولاً اور فعلاً قرون اولیٰ سے ہی چلی آتی ہے۔ شیخ ابنِ تیمیہ کے ہوادار احادیثِ سماع کے ان تمام پہلوؤں پر غور کر لیں اور پھر اپنا فتویٰ صادر کریں۔

[۱] مشکوٰۃ باب اعلان النکاح۔ [۲] مشکوٰۃ باب فی النذور۔ [۳] دیکھو باب ہجرت کتب احادیث۔

۶۲ — یہاں شیخ ابنِ تیمیہ نے تین سوال پیش کئے ہیں۔

اول :۔ رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر کی حدیث بے اصل ہے۔

دوم :۔ نفسانی جہاد۔ یعنی اپنے نفس کی مخالفت جہادِ کفار سے افضل نہیں۔

سوم :۔ جہادِ کفار تمام اعمال بلکہ تمام عبادات سے افضل ہے۔ اب ہر ایک امر ترتیب وار لیا جاتا ہے۔

امرِ اول یہ حدیث تاریخِ خطیب کی ہے۔ ہم شیخ موصوف کا کہا مان لیتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ کیونکہ صحاح اور مسندِ احمد میں یہ حدیث موجود نہیں لیکن جو نتیجہ شیخ موصوف اس حدیث کی نفی پر مبنی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ غلط ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔

امرِ دوم :۔ سب سے پہلے یہ امر تنقیح طلب ہے کہ جہادِ نفسانی والے کون ہیں۔ اور جہادِ جسمانی والے کون۔ جہادِ نفسانی میں کامیاب رہنے والے صدیق ہیں۔ اور جہادِ نفسانی والے شہید اور غازی۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ صدیق کا مرتبہ شہید سے بہت زیادہ ہے۔ اس کے متعلق دلائل بابِ دوم فقرات ۹۔ ۱۰۔ ۱۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے علاوہ حدیثوں سے بھی جہادِ نفسانی کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ ترمذی اور ابنِ حبان میں ہے۔ المجاہد من جاھد نفسہ فی طاعت اللہ[1] یعنی مجاہد وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس کے ساتھ اللہ کی اطاعت میں جہاد کرے۔ اربابِ فصاحت و بلاغت بخوبی جانتے ہیں کہ اس اسلوبِ کلام سے کیا مستنبط ہوتا ہے۔ اس حدیث سے جہادِ کفار کی فضیلت متقابلہ کی نفی مقصود ہے۔ یعنی جہادِ کفار کو اس جہاد پر برتری نہیں۔ ورنہ یہ کبھی نہ کہا جاتا۔ کہ مجاہد وہی ہے۔ جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔ حالانکہ اس قسم کے مجاہد

[1] مشکوٰۃ کتاب الایمان

کے علاوہ اور قسم کے مجاہد بھی معروف و متعارف ہیں۔ اسی طرح ہجرت کے متعلق جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ای الھجرت افضل۔ قال ان تھجر ما کرہ ربک[1]۔ یعنی کونسی ہجرت افضل ہے۔ فرمایا کہ تو وہ کچھ ترک کر دے جو تیرے پروردگار کو ناپسند ہے۔ پس ہجرت بھی دو قسم کی ہوئی۔ ایک ہجرت مکانی دوسری نفسانی۔ ان میں سے ہجرتِ نفسانی افضل ہے۔ کیونکہ ہجرتِ نفسانی اُسی مومن کو حاصل ہو سکتی ہے جو پاک ہوا ہوا ہو۔ اور صحیح معنی میں پاک ہوا مومن صدیق کہلاتا ہے۔ سب گناہوں۔ سب برائیوں۔ سب عیبوں اور سب فواحش کو ترک کرنیوالا کامل مومن ہی ہو سکتا ہے۔ اور وہی صدیق ہے۔ اسی طرح جہاد کی بھی دو قسمیں ہیں جسمانی اور نفسانی۔ ان میں سے بھی نفسانی افضل ہے۔ جہادِ نفسانی کے غازی کا نفس مطمئن ہوتا ہے۔ اور اطمینانِ نفس صدیقیت کا معیار ہے۔ یایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ یعنی اے نفسِ مطمئنہ تو لوٹ اپنے پروردگار کی طرف خوش ہوا ہوا اور خوش کرنیوالا سو تو داخل ہو میرے بندوں میں اور تو داخل ہو میری جنت میں[2]۔ نفسِ مطمئنہ والے کا قلب سلیم ہوتا ہے۔ اذ جاء ربہ بقلبٍ سلیم[3] یہ آیت حضرت ابراہیم کے متعلق ہے۔ اس اطمینان کو نفس کا پاک کرنا کہتے ہیں۔ سورۃ الشمس میں ہے۔ ونفس وما سواھا فالھمھا فجورھا وتقواھا قد افلح من زکٰھا[4]۔ تحقیق کامیاب ہوا وہ جس نے نفس کو پاک کیا۔ نفس کی پاکیزگی صدیق کا معیارِ کمال ہے۔ اطمینانِ قلب ذکر اللہ سے ہوتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ پس صدیقوں کے اوصاف ذکر اللہ۔ حُب اللہ۔ اطمینانِ قلب۔ سلامتیٔ دل اور

[1] مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان بروایت احمد
[2] فجر۔ ۸۹۔ ۲۷ تا ۳۰۔ [3] صٰفٰت ۳۷۔ ۸۴۔ [4] ۹۱، ۷ تا ۱۰۔

پاکیزگیٔ نفس ہیں - اور انہی چیزوں کی زیادتی سے ان کا مرتبہ مجاہدوں سے زیادہ ہے جیسا کہ آگے بھی بیان کیا جائے گا۔

سوئم :- یہاں بھی شیخ ابن تیمیہ کو مغالطہ ہوا ہے۔ ان کا یہ فرمانا کہ جہاد کفار تمام اعمال حتٰی کہ عبادات سے بھی افضل ہے۔ بالکل غلط ہے۔ صحیح مسلم - ابوداؤد نسائی اور مسند احمد میں ہے کہ اللہ تعالٰی کو سب سے زیادہ محبوب عمل اپنے وقتِ معینہ پر نماز ہے۔ پھر والدین کے ساتھ نیکی۔ پھر اللہ کی راہ میں جہاد[1] اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ نماز جو عبادات میں داخل ہے جہاد سے افضل ہے۔ نماز جہاد سے کیوں افضل ہے۔ وہ اس لئے کہ نماز بھی اللہ کے ذکر کے لئے قائم کی جاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔ اقم الصّلوٰۃ لذکری[2]۔ یعنی نماز میرے ذکر کے لئے قائم کر۔ اس لئے ذکر اللہ بھی جہاد سے افضل ہے۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مسند احمد۔ اور موطا امام مالک میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسا عمل بتاؤں جو تمہارے تمام عملوں سے بہتر۔ تمہارے مالک کے یہاں پاکیزہ تر۔ تمہارے درجے زیادہ کرنے والا۔ اللہ کی راہ میں سیم و زر خرچ کرنے سے بہتر۔ اور تمہارے لئے اس سے بھی بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے مقابلہ کرو۔ تم اُن کی گردنیں مارو۔ اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ نے عرض کی فرمایئے۔ بولے اللہ کا ذکر[3] ترمذی اور مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلعم سے پوچھا گیا کہ کونسے بندے اللہ کے یہاں قیامت کے روز افضل اور بلند مرتبہ ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور بہت یاد کرنے والی عورتیں۔ پھر عرض کی گئی کہ کیا غازی فی سبیل اللہ سے بھی؟ فرمایا۔

---

[1] منتخب جلد ۳ - ص - ۲۳۲ - الفصل الثانی فی فضائل الصّلوٰۃ۔

[2] طٰہٰ - ۲۰ - ۱۴ - [3] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ۔

ہاں۔ اگرچہ وہ کافروں اور مشرکوں میں تلوار مارے۔ تا آنکہ اُس کی تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون سے لت پت ہو۔ جب بھی اللہ کا ذاکر اس سے ایک درجہ افضل ہے[1]۔ ان احادیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ ذاکر کامل مجاہد سے افضل ہے۔ ان احادیث کی موجودگی میں جو کوئی یہ کہ دے۔ کہ جہاد تمام عبادات سے افضل ہے۔ وہ صریحاً غلطی پر ہے۔ ذکر کیوں افضل عبادات ہے۔ اس لئے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذاکر کو اللہ تعالٰے سے بہت محبت ہوتی ہے۔ اور حُبّ اللہ افضل اعمال ہے۔ ابوداؤد اور مسند احمد میں ہے کہ ایکدن رسول اللہ صلعم نے صحابہ سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو۔ کہ کونسا عمل اللہ تعالٰے کو پسند ہے۔ کسی نے نماز کسی نے زکوٰۃ اور کسی نے جہاد کہا۔ نبی صلعم نے فرمایا جو عمل اللہ تعالٰے کو سب عملوں سے زیادہ پسند ہے۔ وہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ ہے[2] پس ثابت ہے کہ جہاد سے نماز۔ ذکر اللہ اور حُبّ اللہ افضل ہیں اور ذکر اللہ اور حبّ اللہ ان لوگوں کا شیوہ ہے۔ جو جہاد نفسانی میں مشغول ہوں اس لئے جہاد نفسانی میں شغل رکھنے والے جو صحیح معنوں میں صدیق ہوتے ہیں۔ مجاہدوں سے افضل ہیں۔ جو آیات شیخ موصوف نے پیش کی ہیں۔ اُن سے انہوں نے غلط استدلال کیا ہے۔ مجاہدون اور قاعدون دونوں نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے۔ روزہ رکھتے اور حج کرتے ہیں۔ مجاہدوں میں جہاد کا طرّہ امتیاز لگا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ قدرتاً قاعدوں کے مقابلہ میں فضیلت رکھتے ہیں۔ نہ اس لئے کہ وہ محض مجاہد ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ فرائض خمسہ کے علاوہ جہاد بھی کرتے ہیں۔ قاعدون میں پانچ باتیں یعنی فرائضِ خمسہ کی ادائگی ہے۔ مجاہدوں میں چھ باتیں ہیں۔ جن میں سے ایک مجاہدہ ہے۔ اس لئے مجاہد قاعد سے افضل ہے

---

[1] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ۔ [2] مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ ومن اللہ۔

اس لئے یہ استنباط بالکل غلط ہے کہ جہاد تمام عبادات سے افضل ہے جیسا کہ شیخ ابن تیمیہ کا خیال ہے۔ خلاصہ مطلب یہ کہ صدیق وہ ہے جو فرائض پنجگانہ کا پابند ہو۔ اور پاک ہُوا ہُوا ہو اور اسی پاکیزگی کی وجہ سے ایک لمحہ بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو۔ اگرچہ اُسے جہاد کفّار کا موقعہ تمام عمر میں نہ ملے۔ مجاہد وہ ہے جو فرائض پنجگانہ کی پابندی کے ساتھ جہاد کفار بھی کرے۔ مگر وہ صدیق کی طرح ہر لمحہ ذاکر نہ ہو۔ ایسے مجاہد سے صدیق بدرجہا بہتر ہے۔ اگرچہ اس نے کبھی بھی جہاد کفّار نہ کیا ہو۔ اور یہی مآل اُوپر کی حدیثوں کا ہے۔ جس میں ذکر کی برتری۔ جہاد۔ زکوٰۃ وغیرہ پر بیان کی گئی ہے۔

چو بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

باب پنجم

وہ باتیں جو مومنوں کو کمال حاصل کرنے کے لئے لابدی ہیں۔

دردا کہ ایں معما شرح و بیاں ندارد
ہر شبنمے دریں رہ صد موجِ آتشین ست

سوال (۱) وہ کونسی باتیں ہیں جن کا ہونا ایک کامل مومن کے لئے ضروری ہے

ج:۔ وہ باتیں یہ ہیں۔ بیعتہ[1]۔ ذکر قلبی و روحی[2]۔ تجلی ذاتی و صفاتی[3]۔ الہام[4]۔ اسلام حقیقی و کفر حقیقی[5]۔ کشفِ قلوب[6]۔ قبور ملکوت۔ و لاہوت۔ معرفتہ و حقیقت[7]۔

اول۔ بیعتہ۔

سوال (۲) بیعتہ کی کیا ضرورت ہے۔

ج۔ ہر فن۔ ہر علم۔ ہر ہنر کے سیکھنے کے لئے استاد ماہرِ فن کی ضرورت ہوتی ہے آپ کا ابتدائی ایمان منعقد نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ آپ کسی سے کلمہ شہادت سیکھ کر اقرار باللسان نہ کریں۔ گویا کفر و شرک سے ایمان کی طرف آنے کے لئے بھی ایک سکھانے والے کی ضرورت ہے۔ پھر آگے چل کر اس مومن کو ارکان خمسہ کے سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ کسی اُستاد و واقف کے سامنے زانو تلمذ تہ کرنا۔ اور اس سے اسلام کی ابتدائی باتیں اور پنجگانہ فرائض کے احکام سیکھتا ہے۔ اس کے بعد اُسے علمِ دین و فقہ کے سیکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس غرض کے لئے بھی وہ کسی ماہرِ فقہ کی شاگردی اختیار کرتا ہے۔ اور اس سے قرآن اور کوئی چھوٹی موٹی کتاب حدیث کی پڑھتا ہے۔ یہاں پہنچکر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ایک کامل مومن کی صفات اپنے اندر پیدا کیے جائیں۔ جب یہ خیال اُس کے اندر راسخ ہو جاتا ہے۔ تو پھر وہ کسی کامل مومن کی تلاش کرتا ہے اور اس سے بیعت کرتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مومن مبتدی کو قدم قدم پر استاد و رہبر

کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

سوال (۳) فرائضِ پنجگانہ کے سیکھنے کے بعد مومن کو مردِ کامل سے بیعت کی ضرورت ہی کیا ہوتی ہے۔

ج۔ فرائض پنجگانہ کا سیکھنا ایک بات ہے۔ اور ان کو پورے طور بجا لانا دوسری بات۔ ایک مبتدی نماز پڑھنی تو سیکھتا ہے۔ مگر اسے وہ حضور حاصل نہیں ہوتا۔ جو ایک کامل مومن کو ہوتا ہے۔ اسے قدرتاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایسا حضور کس طرح حاصل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کو معلوم ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام نے احسان کی ایک اصطلاح وضع فرمائی ہے[1]۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تو عبادت کرے اور نماز پڑھے تو اللہ کو دیکھے۔ اگر یہ نہ ہو تو کم از کم یہ تو ہو کہ اللہ تجھے دیکھتا ہے۔ اب مبتدی چاہتا ہے کہ وہ بھی نماز پڑھتے وقت حق تعالےٰ کا جلوہ دیکھے۔ اسی طرح اُسے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ جُعِلَتْ قرۃُ عینی فی الصّلوٰۃ[2] یعنی میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہوتی ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ نماز میں مشغول ہوتے وقت نمازی کو سکونِ قلب۔ اطمینان اور جلوۂ حق حاصل ہوتا ہے۔ جس سے اس کی آنکھ میں تراوت اور ٹھنڈک پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اسے بھی خیال ہوتا ہے کہ اس کی نماز میں بھی یہ کیفیت پیدا ہو جائے۔ اس شخص کو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں ہے کہ نماز فحش اور بُری باتوں سے روکتی ہے[3]۔ اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ نماز میں بھی پڑھتے ہیں۔ اور گناہ کے مرتکب بھی ہوتے ہیں۔ اب اُسے خیال ہوتا ہے کہ وہ نماز کس طرح کی ہوتی ہے۔ جو ہر طرح کی بُرائی بدی سے روکتی ہے۔ اور ایسا نمازی کون ہو سکتا ہے۔ اس شخص کو پتہ لگتا ہے کہ نماز ذکر مقید ہے۔

[1] مشکوٰۃ کتاب الایمان صحیحین [2] احمد نسائی باب فضل الفقراء وما کان من عیش النبی صلعم ص ۴۴۹ [3] ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر الآخر

اور مومن کا ایک وظیفہ ذکر مطلق بھی ہے۔ اسی ذکر مطلق کے لئے نماز بھی قائم کی جاتی ہے۔ اور نماز قائم کر میرے ذکر کے لئے[1]۔ حج کے قریب تمام مناسک اسی ذکر مطلق کے لئے مشروع کئے گئے ہیں۔ ترمذی اور دارمی میں ہے۔ کہ کنکریوں کا پھینکنا اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا ذکر اللہ کے قائم کرنے کے لئے ہے[2]۔ اس مبتدی کو خیال ہوتا ہے کہ ذکر مطلق کس طرح ادا کیا جاتا ہے۔ اور اس کے احوال اوقات و آداب کیا ہیں۔ ذکر مطلق ادا کرنے کا طریقہ حدیثوں میں مذکور نہیں۔ جس طرح کہ نماز کے ادا کرنے کا طریق مذکور ہے۔ ان تمام باتوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے اسے ایک کامل مومن کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ جو ان باتوں میں مہارت تامہ حاصل کر چکا ہو۔ اسی طرح اس کو معلوم ہوتا ہے کہ ذکر مطلق کی ایک قسم ذکر نفسی اور ایک قسم ذکر خفی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ جو مجھے اپنے (نفس) دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں[3]۔ مسند احمد اور ابن حبان میں ہے کہ بہترین ذکر ذکرِ خفی ہے[4]۔ اس کے علاوہ اُسے سینکڑوں باتوں کا سُراغ ملتا ہے۔ جس سے اس کو واقفیت نہیں ہوتی۔ مثلاً تجلّی ذاتی۔ صفاتی۔ الہام معرفت۔ حقیقت۔ کشفِ صدور۔ کشفِ قبور وغیرہ۔ ایسی باتوں کا مفصل ذکر اس باب میں اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔ اس مبتدی کو جب ان تمام باتوں کا پتہ چلتا ہے تو وہ ایک کامل مومن کی طرف رجوع کرتا اور اس کے سامنے زانوادب تہ کرتا ہے۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں بیعت کہتے ہیں۔

سوال (۴) یہ مبتدی یہ تمام باتیں جن کا حوالہ اُوپر آیا ہے کس طرح حاصل کرتا

[1] واقم الصلوٰۃ لذکری الآیہ۔ [2] مشکوٰۃ باب رمی الجمار ص ۱۹۴۔ [3] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ
[4] منتخب جلد اول ص ۳۲۶۔ باب فی الذکر۔

ہے۔ کیا صرف بیعت کرنے سے یہ سارا راز کھل جاتا ہے۔

ج۔ ہرگز نہیں۔ اسے اُس سلسلۂ اسباق سے گزرنا ہوتا ہے جو کامل مومن اس کے لئے مقرر کرتا ہے۔ یہ کامل مومن اس کے لئے مرشد کا کام دیتا ہے اور اسے کمال حاصل کرنے کا راستہ بتدریج سکھاتا ہے۔ تاآنکہ مبتدی خود منتہی بن جاتا ہے اس وقت یہ مبتدی تقلید سے نکل کر تحقیق کو پہنچ جاتا ہے۔ مگر اس سے پیشتر اس کے لئے اپنے مرشد کی تقلید از بس ضروری ہے۔ حضرت حافظ کیا خوب کہتے ہیں ؎

بہ مئے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید — کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا

اگر مبتدی شروع میں اس منتہی کی تقلید نہ کرے۔ تو وہ اس راستہ میں بھٹکے پھرنا اور اپنے آپ کو گم کئے دیتا ہے ؎

بکوئے عشق منہ بے دلیل راہ قدم — کہ گم شد آنکہ دریں راہ بہ رہبرے نہ رسید

سوال (۵) صحابہ اور صحابیات کرام امت کے افضل ترین افراد ہیں۔ اُن سب افراد نے تو یہ بیعت نہیں کی۔ اور جب اُنہوں نے بیعت نہیں کی۔ تو پھر وہ کس طرح بیعت کے بغیر افضل ترین افراد اُمت بن گئے۔

ج۔ صحابہ اور صحابیات بھی تین جماعتوں میں منقسم ہیں۔ اوّل وہ جنہوں نے بیعۃ تقویٰ کی۔ اور کمال تفصیلی حاصل کیا۔ دوئم وہ جنہوں نے بیعۃ تقویٰ تو کی۔ مگر کمال تفصیلی حاصل نہیں کیا۔ سوئم وہ جنہوں نے دوری اور بُعدِ مسافت کے سبب یا کسی اور وجہ سے بیعۃ تقویٰ نہ کی۔ بیعۃ تقویٰ نہ کرنے والے صحابہ اور صحابیات اقل قلیل ہوں گے۔ بلکہ دو ایک سے زیادہ نہ ہوں گے کیونکہ صحیح بخاری میں غزوۂ خندق کے متعلق مذکور ہے کہ رسول اللہ صلعم نے تمام مہاجرین اور انصار کے لئے دعائے مغفرت مانگی۔ اس پر صحابہ نے عرض

کی۔ نحن الذین بایعوا محمدا علی الاسلام ما بقینا ابدا[1]۔ یوم حدیبیہ کو پندرہ سو صحابہ نے بیعۃ کی[2] صحابہ اور صحابیات سب کے سب اولیاء امت سے افضل ہیں۔ خواہ انہوں نے کمال تفصیلی حاصل کیا یا نہیں۔ اولیاء کا کمال سلوک کی راہ سے ہے۔ صحابہ کی فضیلت مصاحبت نبوی کی وجہ سے ہے۔ تمام صحابہ مصاحبتِ نبوی کی بدولت تمام اولیائے اُمت سے گوئے سبقت لے گئے۔ صحابہ کا قُربِ نبوت ہے۔ اور اولیاء کا قُرب قربِ ولایت۔ اور نبوت چونکہ ولایت سے افضل ہے۔ اس لئے صحابہ اولیاء سے افضل قرار پائے۔ صحابہ بلا وساطت غیری نبی تک پہنچے۔ دوسرے مومن مرشد کی وساطت سے نبی تک پہنچتے ہیں۔ پس یہی ایک بات ایسی ہے جس سے صحابہ غیر صحابہ سے بڑھ گئے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں۔ پھر اس کے بعد والے پھر اسکے بعد والے[3]۔ اب اگر کوئی صحابی رسول اللہ صلعم کی شرفِ صحبت کے علاوہ تفصیلی کمال بھی حاصل کر لے تو پھر نور علیٰ نور ہے۔ جیسا کہ خلفاء اربعہ اور دیگر کبار صحابہ کی صورت تھی۔ بیعت کمال تفصیلی کے حصول کے لئے ضروری ہے۔ مگر صحابہ اس تفصیلی کمال کے حصول کے بغیر ہی تمام اولیاء سے افضل قرار پائے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اکثر صحابہ نے تفصیلی کمال بھی حاصل کیا تھا۔ اندریں صورت بیعت کی ضرورت مفقود نہیں۔

سوال (۶) بیعت کی کتنی قسمیں ہیں۔

ج۔ بیعت کی مختلف قسمیں ہیں۔ بیعتِ خلافت۔ بیعت ہجرت۔ بیعتِ جہاد۔ بیعتِ اسلام۔ بیعتِ تقویٰ۔ یہ تمام اقسام حدیثوں سے ثابت ہیں۔ بیعت بیع سے ہے۔ مجمع البحار میں ہے۔ ھو عبارۃ عن المعاقدۃ والمعاھدۃ فان کل واحد باع ما عندہ من صاحبہ واعطاہ خالصۃ نفسہ وطاعۃ

[1] بخاری۔ غزوہ خندق [2] بخاری یوم حدیبیہ [3] خیر الناس قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔

یعنی بیعت وہ معاہدہ ہے جس میں مرید مرشد کے پاس اپنا آپ بیچ ڈالتا اور ہر وقت ہر حال میں اس کی تابعداری کا دم بھرتا ہے۔

گر درسرت ہوائے وصال ست حافظا

باید کہ خاک درگہِ اہلِ بصر شوی

سوال (۷) بیعت کے متعلق کچھ نصوص بھی بیان کر دیجیے۔

ج: سنیے! قرآن میں ہے۔ بالتحقیق جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ سو جو کوئی عہد توڑتا ہے تو اس توڑنے کا وبال اس کے نفس پر ہے اور جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتا ہے اللہ اُسے بڑا درجہ دیگا۔[۱] سورۂ ممتحنہ میں ہے۔ اے نبی جب تیرے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لئے آئیں۔ کہ وہ اللہ سے شرک نہ کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کھڑا کریں گی۔ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے بیچ اور نیکی میں نافرمانی نہ کرینگی۔ تو تُو اُن سے بیعت لے۔ اور ان کے لئے اللہ سے استغفار مانگ تحقیق اللہ بخشنے والا۔ رحم کرنے والا ہے۔[۲] یہ آیت بیعۃ تقویٰ کے متعلق ہے۔ بیعۃ تقویٰ کے متعلق کچھ حدیثیں بیان کئے دیتا ہوں۔

بیعۃِ تقویٰ۔ صحیحین۔ مسند احمد۔ ترمذی میں ہے۔ میں تم سے بیعت لیتا ہوں۔ اس بات پر کہ تم اللہ سے شرک نہ کرو۔ نہ چوری کرو۔ نہ زنا کرو۔ نہ اپنی اولاد کو قتل کرو۔ نہ کسی پر افترا باندھو۔ نہ نیکی میں نافرمانی کرو۔[۳] الخ۔ مسند احمد اور نسائی میں ہے کہ میں تم سے بیعت لیتا ہوں۔ اس بات پر کہ تم اللہ کی عبادت کرو گے۔ بلا شرک کے نماز واجب قائم کرو گے۔ زکوٰۃ دو گے۔ ہر ایک

[۱] فتح ۴۸۔ ۱۰۔ [۲] ۶۰۔ ۱۲۔ [۳] منتخب جلد اول ص ۶۲ فصل فی احکام البیعۃ

مسلم کی خیر خواہی کرو گے۔ اور شرک سے بچو گے۔[۱] مسلم اور نسائی میں ہے۔ کہ کیا تم مجھ سے بیعت نہ کرو گے۔ اس بات پر کہ تم اللہ کی عبادت کرو گے۔ اور اللہ سے شرک نہ کرو گے۔ پانچ نمازیں قائم کرو گے۔ زکوٰۃ دو گے میری بات سنو گے۔ اور فرمانبرداری کرو گے اور لوگوں سے کچھ نہ مانگو گے۔[۲] ابن سعد کی روایت ہے کہ عمر بن عطیہ اللیثی حضرت عمر بن الخطاب کے پاس آئے اور کہنے لگے اے امیر المومنین ہاتھ اُٹھائیے۔ میں آپ سے سنت اللہ اور سنت رسول پر بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے ہاتھ اُٹھایا۔ اور آپ نے ہنستے ہوئے کہا ھی لنا علیکم ولکم علینا۔[۳] ابو داؤد میں ہے کہ جب نبی صلعم مدینہ میں آئے تو انصار کی عورتیں ایک گھر میں جمع ہوئیں۔ نبی صلعم نے حضرت عمر کو ان عورتوں سے بیعت لینے کے لئے بھیجا۔ حضرت عمر آئے اور اُنہوں نے سلام علیکم کہی۔ عورتوں نے اس کا جواب دیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ میں تمہاری طرف رسول اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ عورتوں نے کہا۔ رسول اللہ اور رسول اللہ کو مرحبا ہو۔ پھر آپ نے ان سے بیعت تقویٰ لی۔ جس کا تفصیلی ذکر حدیث میں موجود ہے۔[۴]

بیعتِ جہاد۔ صحیحین میں ہے کہ ہجرت کا وقت تو اہلِ ہجرت کے لئے ہو چکا۔ میں اس سے بیعت لیتا ہوں۔ اسلام اور جہاد پر۔[۵] بیعتِ رضوان بھی اصل میں موت اور جہاد پر بیعۃ تھی

[۱] [۲] [۳] منتخب جلد اول فصل فی احکام البیعۃ [۴] منتخب جلد اول ص ۶۸ بیعۃ تقویٰ کے متعلق بخاری کے ابواب ذیل دیکھیں۔ باب البیعۃ علیٰ اقام الصلوٰۃ۔ باب البیعۃ علی ایتاء الزکوٰۃ باب کیف یبایع الامام الناس۔ [۵] منتخب جلد اول ص ۶۲ مسلم کے ابواب ذیل دیکھو۔ باب استحباب مبایعۃ الامام الجیش عند ارادۃ القتال۔ باب المبایعۃ بعد فتح مکہ علی الاسلام والجہاد والخیر بخاری کے باب ذیل دیکھیں۔ باب البیعۃ فی الحرب علی ان لا یفروا۔

[۶] بخاری ص ۱۰۶۹۔

بیعتہ اسلام۔ اس کی نسبت بھی حدیث اُوپر مذکور ہوئی۔ مسند احمد میں ہے۔ کہ مرد عورتیں چھوٹے بڑے نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور شہادت اور اسلام پر بیعت کرتے[1]۔

بیعتہ خلافت و اطاعتہ۔ اس کے متعلق بخاری کا باب کیف یبایع الامام الناس دیکھیں۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلعم کی سمعتہ اور اطاعت پر بیعت کیا کرتے ہیں[2]۔ اس کے متعلق صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں بھی حدیثیں مروی ہیں۔ چاروں خلیفوں سے لوگوں نے سمعتہ طاعتہ سنتہ اللہ اور سنتہ رسول اللہ پر بیعت کی[3]۔ حضرت عبداللہ ابن عمر نے عبدالملک کو خلیفہ بننے پر یہ لکھ بھیجا تھا۔ انی اُقرت بالسمعۃ والطاعۃ لعبد الملک امیر المومنین علی سُنتہ اللہ وسنتہ رسولہ فیما استطعت وان بنی قد اقروا بذالک[4]۔ مسند احمد میں ہے کہ جو امام کے بغیر مرتا ہے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے[5]۔ بیعتہ خلافت کی ان حدیثوں میں سنتہ اللہ اور سنتہ رسول اللہ یعنی بیعت تقویٰ کا ذکر بھی موجود ہے۔

بیعت ہجرت۔ فتح مکہ کے بعد ہجرت موقوف ہوئی۔ اب بھی اگر کسی جماعت مسلمین کو مقامی حالات کی وجہ سے ہجرت کی ضرورت محسوس ہو تو وہ ہجرت کر سکتی ہے۔ لا ہجرت بعد الفتح سے اس ہجرت کی نفی نہیں ہوتی۔ لا ہجرت بعد الفتح کی صورت قرن اوّل کے ساتھ مخصوص تھی۔ صحیحین کی حدیث ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اہل ہجرت کے لئے ہجرت ہو چکی۔ اب میں اسلام اور جہاد پر بیعت لیتا ہوں[6]۔ بخاری میں ہے کہ مجاشع نے مع اپنے بھائی کے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم سے ہجرت پر بیعت لیجیے الخ[7]۔

---

[1] منتخب جلد اول ص ۶۳ [2] بخاری ص ۱۰۶۹۔ بخاری کے اسی مقام پر اور حدیثیں بھی موجود ہیں [3] منتخب جلد اول فصل فی احکام البیعتہ [4] بخاری ص ۱۰۶۹۔ [5] منتخب جلد اول ص ۲ [6]... [7] منتخب جلد اول ص ...

سوال (۸) بیعت کس طرح لی جاتی ہے۔

ج۔ مردوں کی صورت میں ہاتھ پر ہاتھ رکھا جاتا ہے۔ عورتوں کی صورت میں ایک لگن میں پانی ڈالتے ہیں۔ اس پانی میں بیعت لینے والا امرد اور بیعت کرنے والی عورت ہاتھ ڈالتے ہیں[1]۔ بعض دفعہ صرف ہاتھ بڑھا کر اور ہاتھ سے اشارہ کر کے عہد قولی لیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے کیا تھا[2]۔ پس ظاہر ہے کہ بیعت لینے والا امرد عورت کا ہاتھ نہیں چھو سکتا[3]۔ یہ عہدِ فعلی عہدِ لسانی کی پختگی کے لئے ہی ہے۔

سوال (۹) کیا بیعتِ تقویٰ سے تجدید ایمان کی کرانا مقصود ہے۔ اور اگر اس سے تجدید ایمان مقصود ہے تو کیا اس سے پہلے بیعتہ ہونیوالا ایمان سے عاری تھا۔

ج۔ بیعت بے شک تجدید عہد اور تجدید ایمان کے لئے ہوتی ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بیعتہ ہونے والا پہلے ایمان سے بے بہرہ تھا۔ قرآن میں ہے یا ایھا الذین آمنو آمنو باللہ و رسولہٖ۔ یہاں ایمان کی تجدید کی طرف اشارہ ہے اور تاکید اس امر کی ہے کہ ایمان اور بھی پختہ ہو۔ تاکہ ایمان تقلیدی صورت سے نکل کر تحقیق کو پہنچ جائے۔ یا مومن علم استدلالی سے عینیت اور حقیقت کی طرف رجوع کر جائے۔ ابراہیم علیہ السلام کی نسبت قرآن شریف میں ہے اذ قال لہ ربہٗ اسلم۔ قال اسلمت لرب العالمین۔ کیا اس سے پہلے حضرت ابراہیم معاذ اللہ کافر تھے۔ یہاں بھی اسلام کی موجودگی میں تجدید اسلام مراد ہے۔

سوال (۱۰) بیعتِ تقویٰ مسنون ہے یا مستحب۔

جواب۔ بیعتہ سنت مستفیضہ ہے۔

---

[1] ابن سعد [2] ابوداؤد۔ ابن مردویہ۔ طبرانی۔ ابو یعلی۔ سنن بیہقی۔ سعید بن منصور۔ ابن سعد۔ عبد بن حمید۔ منتخب جلد اوّل ۶۸۵۔

[3] طبرانی اوسط۔ منتخب جلد اوّل ص ۶۷

سوال (۱۱) کیا رسول اللہ صلعم کے بعد یہ سنت جاری رہی۔

جواب:- ہاں جاری رہی۔ چاروں خلفائے راشدین نے سنت اللہ اور سنت رسول اللہ پر بیعت لی۔ جیسا کہ اوپر حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بیعت خلافت اور بیعتِ تقویٰ تھی۔ ان کے بعد بھی یہ سنت جاری رہی۔ آپ صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کے حالات پڑھیں گے تو آپ پر حقیقتِ حال کھلیگی۔ اب بھی یہ سنت جاری ہے۔ مجدد۔ ابدال۔ اقطاب اور اوتاد وغیرہ یہ بیعت لیتے ہیں۔ خلفائے راشدین کے بعد بیعتِ تقویٰ کا اعلان لوگ نہ کرتے تھے۔ بلکہ اسے ظاہر کرنا بھی باعثِ فتنہ سمجھتے تھے۔ یہ زمانہ سلطنت امویہ کا تھا۔ اگر کوئی امام کھلم کھلا بیعت تقویٰ لیتا تو سلاطینِ وقت خیال کر لیتے کہ یہ بیعت خلافت ان کے خلاف لی جارہی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا کہ بیعت لینے والا تہ تیغ ہوتا۔ جیسا کہ اس زمانے میں لوگ ذرا ذرا سی بات پر موت کے گھاٹ اُتار دیئے جاتے تھے۔ حجاج کی سفاکیاں اور ایام الحرۃ کی تباہ کاریاں مشہور ہیں۔ ان حالات کی موجودگی میں بیعتِ تقویٰ لینا نہنگ اجل کے منہ میں جانا تھا۔ اس لئے جو کچھ بھی ہوتا تھا اندر ہی اندر ہوتا تھا۔ اور اس کا کھلم کھلا اظہار نہ ہوتا تھا۔

سوال (۱۲) پیر و مرید کی اصطلاحیں تو نصوص میں موجود نہیں۔ یہ کہاں سے آئیں۔ یہ تو بدعت میں داخل ہیں۔

ج۔ بیعت لینے والے کے لئے اصطلاح مرشد کی موضوع ہے۔ کیونکہ وہ رشد و ہدایت کا راستہ بتاتا ہے۔ حقیقت میں مرشد حق تعالےٰ ہے۔ کہف میں ہے کہ جسے وہ گمراہ کرے۔ اس کے لئے تو کوئی دوست رہبر نہ پائے گا۔[1] حق تعالےٰ کے بعد مرشد رسول اللہ ہیں۔ اور ان کے بعد ہر ولی اور ہر صالح مومن جو دوسروں کی کسی بات میں

[1] ومن یضلل فلن تجد لہٗ ولیاً مرشداً۔ ۱۸-۱۷۔

رہبری کرے۔ مرشد کہلاتا ہے۔ مرشد کو اب اُستاد۔ شیخ۔ پیر۔ رہبر یا ہادی کہتے ہیں۔ حقیقت وہی ایک ہے۔ فرق صرف نام کا ہے۔ اور نام کے فرق سے حقیقت گم نہیں ہوسکتی۔ یہ اسماء عرف عام اور عرف خاص سے تعلق رکھتے ہیں۔ امور عرضی دعادی پر بدعت کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ مرید ارادہ کرنے والا ہوتا ہے۔ تلمیذ کو کوئی شاگرد کہتا ہے۔ کوئی مرید۔ اس سے بھی حقیقت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

سوال (۱۳) کیا زمانہ نبوی میں بیعتہ کی تحریص دی گئی۔

ج۔ صحیحین میں ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا بایعونی یعنی میری بیعتہ کرو۔ در حالیکہ صحابہ کی ایک جماعت آپ کے گرد تھی[1]۔ بایعونی امر کا صیغہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا صیغہ تحریص کا ہوسکتا ہے۔

س (۱۴) مرشد و مرید کا باہمی تعلق کس طور ہونا چاہیئے۔

ج۔ مرشد مطاع ہے۔ اور مرید مطیع۔ کیونکہ مرشد کی حیثیت استاد کی ہے اور مرید کی تلمیذ کی۔ اُستاد اور تلمیذ کا رشتہ حُب اللہ پر مبنی ہوتا ہے۔ تلمیذ استاد سے للہ محبت رکھتا ہے اور اس کی تعلیم کو سر آنکھوں پر لیتا ہے۔

س (۱۵) اُستاد کی محبت کس طرح جائز ہے۔ اس کے لئے کوئی دلیل چاہیئے۔

ج:- مومن کی مومن سے محبت ضروری ہے۔ قرآن میں ہے۔ جو اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کا دوست بن کر رہیگا۔ وہ کامیاب رہیگا۔ کیونکہ اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے[2]۔ قرآن میں دوسری جگہ ہے۔ تحقیق تمہارے دوست اللہ اور اس کا رسول اور مومن ہیں[3]۔ سورۂ مریم میں ہے۔ جو لوگ ایمان لائے

[1] مشکوٰۃ کتاب الایمان [2] ومن یتول اللہ ورسولہٗ والذین آمنو فان حزب اللہ ھم الغالبون۔ مائدہ۔
[3] انما ولیکم اللہ ورسولہٗ والذین آمنوا۔ مائدہ۔

جنہوں نے نیک کام کئے۔ عنقریب رحمٰن ان کی محبت لوگوں میں پیدا کر دے گا[1] مومن کی مومن سے محبت کے متعلق اور بھی آیتیں اور بہت سی حدیثیں موجود ہیں مشکوٰۃ کا باب الحب فی اللہ و من اللہ پڑھئے[2]۔ پس ظاہر ہے کہ مومن کی مومن سے محبت ایمان کی نشانی ہے۔ جب کہ یہ محبت للہ ہو۔ مرید کی مرشد سے محبت للہ ہوتی ہے۔ اور ایسی محبت از بس ضروری ہے۔ کیونکہ حُبِ مرشد کے بغیر مرید کہیں نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اہلِ دل کے یہاں یہ مانی ہوئی بات ہے۔ کہ جب تک مرید کو اپنے مرشد سے جو کامل مومن ہوتا ہے اشد ترین محبت نہ ہو گی وہ کمال کو نہ پہنچیگا۔ اس حُبِ شیخ کو صوفی فنا فی الشیخ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب مرید کو اپنے مرشد سے کمال درجہ محبت ہو جاتی ہے تو پھر مرید اپنی نفسانی صفات گم کر دیتا۔ اور مرشد کے حُسنِ باطنی میں محو ہو جاتا ہے۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں فنا کہتے ہیں[3]۔ اس محبت پہ بہت سے بزرگوں نے شگرف آفرینی کی ہے۔ میں صرف شیخ احمد سرہندیؒ کا قول درج کئے دیتا ہوں آپ فرماتے ہیں کہ "پہلے فنا فی الشیخ ہے اور یہی فنا فی اللہ کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ وہ مناسبت جو طالب و مطلوب کے درمیان فیض لینے اور دینے کا سبب ہے۔ مسلوب ہوتی ہے۔ اس لئے راستہ جاننے والے تجربہ کار رہبر کی ضرورت ہے۔ جو دونوں کے درمیان مثل برزخ کے ہو اور دونوں طرف سے حظ وافر رکھتا ہو تاکہ طالب کو مطلوب تک پہنچنے کا واسطہ بن جائے اور جسقدر طالب کو مطلوب کے ساتھ مناسبت ہوتی جائیگی اتنی پیر اپنے آپ کو بیچ میں سے نکالتا جائے گا۔ اور جب طالب مطلوب سے کمال مناسبت پیدا کر لیتا ہے۔ تو پیر اپنے آپ کو بیچ میں سے نکال لیتا اور طالب کو مطلوب سے ملا دیتا ہے۔ پس ابتداء اور درمیان میں پیر کے آئینے

[1] ان الذین آمنوا و عملوا الصٰلحت سیجعل لھم الرحمٰن وُدّا۔ [2] مشکوٰۃ کتاب الآداب ص ۴۶۳۔ [3] اس بحث پہ میری کتاب صبغۃ اللہ کے صفحات ۸۴ تا ۸۷ پڑھیے۔

کے بغیر مطلوب نظر نہیں آسکتا۔ اور انتہا میں مطلوب پیر کے وسیلہ کے بغیر جلوہ گر ہوتا ہے اور طالب و مطلوب کے درمیان وصل عریانی رو نما ہوتا ہے[1]۔ اس لئے ضروری ہے کہ مرید اپنے اختیار کو پورے طور شیخ کے اختیار میں گم کر دے۔ اور اپنے آپ کو تمام خواہشوں سے خالی کر کے اس کی خدمت پہ کمربستہ رہے"[2]۔ حضرت حافظؒ کیا خوب لکھتے ہیں۔

بکوئے عشق منہ بے دلیلِ راہ قدم   کہ گم شد آنکہ دریں راہ برہبرے نرسید

مُلّا طاہر غنیؒ بھی حق پڑوسی کی خوب داد دیتے ہیں

سالک نرسد بے مددِ پیر بجائے   بے زورِ کماں راہ نبرد تیر بجائے

لیکن شرط یہ ہے کہ پیر کامل ہونا چاہیئے۔ اگر ناقص ہو تو اس سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ کیونکہ ایک کے نقص کا عکس دوسرے میں بھی سرایت کر جاتا ہے۔ حافظ علیہ الرحمتہ کیا فرماتے ہیں۔

گر در سرت ہوائے وصال است حافظا
باید کہ خاکِ درگہِ اہلِ بصر شوی

دوئم ذکرِ قلبی و رُوحی

سوال (۱) سادہ ذکر اور نماز میں کیا فرق ہے۔

ج۔ سادہ ذکر ذکر مطلق ہے اور نماز ذکر مقید۔ ذکر مقید یعنی نماز بھی ذکرِ مطلق کے لئے موضوع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واقمِ الصلوٰۃ لذکری[3]۔ یہ حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہوا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ذکر اور نماز دو مختلف

[1] مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوبات ۱۹۱: ۱۶۹۔ [2] مکتوبات ۲۸۶ ص ۲۶۲۔
[3] انّنی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی و اقمِ الصلوٰۃ الذکری۔ طہٰ۔ ۲۰-۱۴۔

چیزیں ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن میں بہت سی ایسی آیتیں موجود ہیں۔ جن سے
پتہ چلتا ہے کہ ذکر نماز سے ایک مختلف اصطلاح ہے [1]

س (۲) پھر کیا نماز سے کمال حاصل ہوتا ہے۔ یا ذکر مطلق سے۔

ج۔ نماز فرض ہے۔ اس کا ادا کرنا تو ہر حال میں ضروری ہے بجز اس
حالت کے جب کہ سالک مدہوشی اور سکر میں گرفتار ہو۔ نماز بھی ذکر کی ایک
صنف ہے۔ اور وہ ذکر مقید ہے۔ ذکر مطلق ان قیود سے آزاد ہے۔ جو نمازیں
عابد کی جاتی ہیں۔ فرائض پنجگانہ کی ادائیگی پر وہ کم سے کم فلاح مرتب ہوتی
ہے جس سے انسان جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔ گو کہ اسے وہاں آخری درجہ
ہی ملے۔ اس سے زیادہ درجہ حاصل کرنے کے لئے نوافل کا ادا کرنا ضروری ہے
جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ میرا بندہ
فرض سے جس سے زیادہ پسند اور مجھے کچھ نہیں۔ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے
تا آنکہ میں اُس سے محبت کرتا ہوں۔ اور جب میں اُس سے محبت کرتا ہوں تو میں
اس کا کان جس سے سُنتا ہے اس کی آنکھ جس سے دیکھتا ہے اس کا ہاتھ جس
سے پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے چلتا ہے ہو جاتا ہوں [2]۔ اس حدیث سے
ظاہر ہے کہ بقا باللہ اور فنا فی اللہ کا مرتبہ جس کی طرف اللہ کے کان آنکھ ہاتھ
پاؤں کے بننے سے اشارہ کیا گیا ہے۔ نوافل سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ذکر اللہ
بہترین نفل ہے۔ ذاکروں کو مفردون کا لقب دیا گیا ہے۔ مفردون وہ ہوتے
ہیں جنہیں عبادت و زہد کے مقام میں تفرید حاصل ہو۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث
میں ہے۔ ایک بار آپ مجدان کے پہاڑ سے گذر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا
کہ چلے چلو۔ یہ تو جدان ہے۔ مفردون سبقت لے گئے۔ ساتھیوں نے

؎۱ دیکھو آیت ۶۲ - ۱۰۰ - ؎۲ مشکوٰۃ باب ذکر اللہ۔

عرض کی یا رسول اللہ مفردون کون ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کو بہت یاد کرنے
والے مرد اور عورتیں [1]۔ مسند احمد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ اور موطا مالک میں ہے
کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں۔ جو تمہارے
تمام عملوں سے بہتر۔ تمہارے مالک کے یہاں زیادہ پاک۔ تمہارے درجوں
کو زیادہ بلند کرنے والا۔ سونا چاندی کے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے
افضل۔ اور تمہارے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے سے بھی بہتر ہے۔
در حالیکہ تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ نے عرض
کی۔ فرمائیے۔ آپ نے کہا کہ اللہ کا ذکر [2]۔ مسند احمد اور ترمذی میں ہے کہ ایک
اعرابی نے رسول اللہ صلعم سے عرض کی کہ کونسا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا
کہ جب تو دُنیا سے رخصت ہو تو تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو [3]۔ ترمذی
ابن ماجہ اور موطا امام مالک میں ہے کہ کوئی عمل ذکر اللہ سے زیادہ عذاب
سے نجات دینے والا نہیں [4]۔ مسند احمد میں ہے کہ میرے بندوں میں سے میرے
دوست اور میری خلقت میں سے میرے یار وہ لوگ ہیں۔ جو میرا ذکر کرتے
ہیں۔ اور میں ان کا ذکر کرتا ہوں [5]۔ اس کے علاوہ اور بہت سی حدیثیں اور آیتیں
ہیں۔ جن سے ذکر کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے [6]۔ سورہ رعد میں ہے کہ دیکھو
اللہ کے ذکر سے ہی تو دل اطمینان پاتے ہیں [7]۔ اطمینان انسان کا بڑا بھاری
کمال ہے۔ پس جب اطمینان قلب ذکر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو پھر صاف
ہے کہ انسان ذکر کے بغیر کامل نہیں ہو سکتا۔

س (۳) نماز کو چھوڑ کر ذکر مطلق کی کے قسمیں ہیں

ج۔ لسانی۔ قلبی۔ روحی

؎۱ ؎۲ ؎۳ ؎۴ مشکوٰۃ باب ذکر اللہ ؎۵ منتخب جلد اول ص ۱۴۱۔ فصل فی مجاز الایمان ؎۶ منتخب جلد اول۔ الباب الاول فی ذکر۔ ؎۷ الذین آمنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ۱۳ - ۲۸۔

س (۴) کیا ان اذکار کے متعلق نصوص موجود ہیں۔

ج۔ہاں۔ ذکر لسانی تو ظاہر ہے۔ ذکر نفسی کے متعلق قرآن میں ہے۔ واذکر ربک فی نفسک الآیہ[1] صحیحین کی حدیث قدسی ہے کہ جب میرا بندہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں[2]۔ ذکرِ قلبی اور ذکر روحی کا جداگانہ ذکر نصوص میں موجود ہے۔ مسند احمد۔ ابن حبان اور شعب الایمان بیہقی میں ہے کہ بہترین ذکر ذکر خفی ہے[3]۔ ذکرِ خفی میں ذکر قلبی اور ذکر روحی دونو داخل ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ذکر اللسان لقلقۃ وذکر القلب وسوسۃ وذکر الروح راحۃ۔

س (۵) ذکرِ قلبی اور روح کی فضیلت ذکر لسانی پر کیوں ہے۔

ج۔قلب اور روح کا تعلق براہِ راست روح ربی سے ہے۔ جو انسانی روح کا مصدر و منبع ہے۔ زبان کو عالمِ شہود کے ساتھ زیادہ تعلق ہے۔ کیونکہ وہ جسمیت سے ملوث ہے۔ قلب اور روح چونکہ لسان سے افضل ہیں اس لئے اُن کا ذکر لسان کے ذکر سے افضل ہے۔ اس کے علاوہ ذکرِ دائمی کو ذکر غیر دائمی پر فضیلت ہے۔ ذکر دائمی کے متعلق صحیح مسلم میں ایک جداگانہ باب باندھا گیا ہے۔ حدیث کے کچھ الفاظ یہ ہیں۔ رسول اللہ کا فرمان ہے کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم ہمیشہ اس حالت میں رہو جس حالت میں کہ تم میرے پاس ہوتے ہو۔ اور اگر تم ہمیشہ ذکر میں رہو تو فرشتے تمہارے فرشوں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کریں۔ لیکن اے حنظلہ یہ حالت کبھی کبھی ہوتی ہے[4]۔

---

[1] اعراف ۷۔ ۲۰۵۔ [2] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ۔ فان ذکرنی فی نفسی ذکرتہ فی نفسی [3] حیر الدین لخفی بحنب جلد اول ص ۲۲۶۔ [4] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ مسلم جلد ۲۔ ص ۳۴۴۔ باب دوام الذکر والفکر فی الآخرۃ والمراقبہ۔

ذکر لسانی دائمی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ زبان جب دوسرے کاموں میں مشغول ہوتی ہے۔ یا انسان خواب میں منہمک ہوتا ہے تو اس وقت وہ معطل ہو جاتی ہے۔ ذکر روحی اور قلبی ہر حالت میں جاری رہ سکتا ہے۔ باتیں کرتے ہوئے بھی اور سوتے ہوئے بھی جیسا کہ قرآن میں ہے۔ بالتحقیق آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور دن رات کے یکے بعد دیگرے آنے میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے جو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور پہلوؤں پر یاد کرتے ہیں[1]۔ یہاں ذکر سے ذکر مطلق مراد ہے۔ نہ کہ ذکر مقید جیسا کہ باب اول میں اس پر بحث کی گئی ہے[2]۔ صحیح بخاری میں ہے تنام عینی ولا ینام قلبی۔ دل کی بیداری سے اسی ذکر روحی و قلبی کی طرف اشارہ ہے۔ پس ذکر قلبی و روحی ذکر لسانی سے افضل ہے۔

آتشِ داغِ جنوں از سنگِ طفلاں مے خورند
یک نفس غافل نیند از کارِ خود دیوانہا

س (۶) ذکر قلبی و روحی کس طرح ادا ہوتا ہے۔

ج۔ ان اذکار کا طریق نصوص میں کہیں بھی مذکور نہیں۔ ان کی تعلیم مرشدِ کامل ہی دے سکتا ہے۔ جب کہ اس سے بیعت کی جائے۔

سوئم تجلّی ذاتی وصفاتی

س (۱) تجلّی سے کیا مراد ہے۔ اسکی کتنے قسمیں ہیں۔

ج۔ تجلّی کی مختلف قسمیں ہیں۔ تجلی صفاتی۔ تجلی صوری۔ تجلی شیونی تجلی ذاتی۔ تجلی جلا سے ہے اس کے لغوی معنی ظاہر کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے لا یجلیھا لوقتھا الا ھو[3]

---

[1] ۳۔ ۱۸۹ و ۱۹۰۔ الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم الآیہ۔

[2] باب اول فقرہ ۳۰۔ [3] اعراف ۷۔ ۱۸۷۔

یہ قیامت کے متعلق ہے۔ کوئی قیامت کو سوائے اللہ کے ظاہر کرنے والا نہیں۔ سورۂ لیل میں ہے والنہار اذا تجلّٰی[1]۔ یہاں بھی تجلی سے دن کے ظاہر و روشن ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اسی سے تجلّی کا اصطلاحی معنی ماخوذ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے مومن بندے پر کسی شان۔ کسی اسم۔ کسی صورت کسی صفت میں یا ذات کے لحاظ سے جلوہ گر ہو۔ تجلّی ذاتی سے حضرت ذات کا وہ حضور مراد ہے جو اسماء وصفات شیون وصور کی وساطت کے بغیر ہو۔ جو تجلّی طور پر موسیٰ علیہ السلام کو ہوئی۔ وہ تجلّی ذاتی تھی اور ذاتی بھی ایسی جو تمام اعتبارات سے آزاد تھی۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ جب اس کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلّی کی تو اُسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑا[2]۔ ایسی تجلّی بالکل نادر ہے۔ کسی صورت میں کسی صفت میں کسی شان میں اللہ کا تجلّی ہونا تجلّی صوری صفاتی و شیونی کہلاتا ہے۔ قرآن میں ہے ہم عنقریب اس کو دکھائیں گے اپنی نشانیاں آفاق میں اور انفس میں[3]۔ آفاق اور انفس کی نشانیاں بھی تجلّی صوری فعلی۔ شیونی۔ صفاتی وغیرہ میں آتی ہیں۔ اور تجلّی ذاتی سے بہت اُتر کر ہیں۔ سورۂ انعام میں ہے اور اسی طرح ہم دکھاتے ہیں ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے رموز و اسرار[4]۔ یہ بھی تجلّی ذاتی سے اُتر کر ہے۔ طبرانی میں ہے کہ میں نے اپنے پروردگار کو بہترین صورت میں دیکھا[5]۔ یہ تجلّی صوری تھی۔

س (۲) یہ تجلّی کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔

---

[1] ۹۲-۲ [2] فلما تجلّٰی ربہ للجبل جعلہ دکا وخرّ موسیٰ صعقا اعراف ۷-۱۴۳-

[3] سنریھم آیاتنا فی الآفاق وانفسھم حٰم ۴۱-۵۳-

[4] وکذالک نُری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض انعام ۶-۷۶

[5] منتخب جلد اول ص ۱۱۲- لباب الثالث فی لواحق کتاب الایمان

ج۔ اس کا حل کسی کامل مومن سے پوچھیے۔ جو آپ کا مرشد و رہبر ہو۔

س (۳) کیا اس تجلّی کے حصول کے لئے کسی وظیفہ کی ضرورت ہے؟

ج۔ ہاں وہ ذکر قلبی و رُوحی ہے۔

س۔ (۴) تجلّی ذاتی کس وقت رُونما ہوتی ہے۔

ج۔ جب سالک تمام منازل سلوک طے کرے۔ یہ شیخ کامل کا کام ہے جو سالک کو بتدریج راستے پر چلاتا اور اسے مختلف قسم کی تجلیوں سے گذار کر تجلّی ذاتی تک لے جاتا ہے۔

س (۵) کون سی تجلّی اتم و اکمل ہے۔ اور وہ کب اتم و اکمل ہوتی ہے۔

ج۔ ایسی باتیں پوچھنے سے کچھ مطلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ باتیں پوچھنے کی نہیں ہیں۔ حاصل کرنے کی ہیں۔ میں اس قدر بتا دیتا ہوں کہ تجلّی ذاتی اس وقت اتم و اکمل ہوتی ہے جب کہ حضرتِ ذات کا حضور دائمی ہو جائے۔ جیسا کہ ذکر روحی دائمی ہوتا ہے۔ یہ بہت اُونچی بات ہے۔ اس کا حل اسی وقت ہوتا ہے۔ جب کہ اینما تولوا فثم وجہ اللہ کا راز سالک پر کھُلے۔ یہ باتیں کامل اُستاد کی رہبری کے سوا حاصل نہیں ہوتیں۔

چہارم۔ الہام

س (۱) الہام کی حقیقت بتلایئے۔

ج۔ لسان العرب میں ہے والالہام ما یلقیٰ فی الروع ویستلھم اللہ الرشاد۔ والھم اللہ فلانا وفی الحدیث اسئلک رحمۃ من عندک تلھمنی بھا رشدی۔ الالھام ان یلقی اللہ فی النفس امرًا یبعثہ علی الفعل او الترک وھو نوع من الوحی یخص اللہ تعالیٰ بہ من یشاء من عبادہٖ یعنی الہام وہ ہے جو دل میں ڈالا جائے۔

وہ اللہ سے ارشاد کا الہام چاہتا ہے۔ الہمنی اللہ نے فلاں کو الہام کیا۔ حدیث میں ہے
میں تم سے رحمت مانگتا ہوں کہ تو اس کے ذریعے مجھے رُشد کا الہام کرے۔ الہام
یہ ہے کہ اللہ دل میں ڈال دے کوئی بات جو اسے برانگیختہ کرے فعل پہ یا ترکِ
فعل پہ اور یہ وحی کی ایک قسم ہے جس سے اللہ خاص کرتا ہے اس کو جسے چاہتا
ہے۔ مجمع البحار میں بھی الہام کی تشریح یہ ہے۔ اسئلک رحمت من عندک تلہمنی
رشدی۔ الالہام ان یلقی اللہ فی النفسِ امرِ یبعثہ علی الفعل او الترک وھو
نوع من الوحی یخص اللہ بہ من یشاء من عبادہ۔

س (۲) الہام کی قسمیں بتایئے اور اس کے متعلق نصوص پیش کیجے

ج :- الہام کی چار قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں :-

اوّل :- تحدیث۔ جو کلام پردۂ غیب سے نبی پہ اُترے اُسے وحی کہتے ہیں۔
اگر یہی ولی پہ اُترے تو اُسے اصطلاح میں تحدیث کہتے ہیں۔ بعض جگہ اس تحدیث
کو وحی کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن میں ہے واذ اوحیت الی الحواریین
ان آمنوابی و برسولی[1] دوسری جگہ ہے اوحینا الی اُم موسیٰ ان ارضعیہ[2]۔
حدیث میں بھی تحدیث کا ذکر موجود ہے۔ قد کان فی من قبلکم من الامم محدثون
فان یک فی اُمتی احد فعمر[3] یعنی تم سے پہلی اُمتوں میں محدث ہوا کرتے تھے
میری اُمت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ قرأت ابنِ عباس میں ہے
وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث الآیہ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے
تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی اور نہ کوئی محدث یہ قرأت غیر متواتر ہے
اور قرأت غیر متواتر مشہور حدیث کے برابر ہوتی ہے۔

دوئم :- فرشتہ کسی صورت غالباً انسان کی شکل میں آکر بات کرے اور ولی سنے

---

[1] مائدہ ۵-۱۱۱ - [2] قصص ۲۸-۷ - [3] مشکوٰۃ باب مناقب عمرؓ صحیحین۔

جیسا کہ قرآن میں ہے۔ واذ قالت الملائکۃ یا مریم ان اللہ اصطفاک[1] دوسری
جگہ ہے فارسلنا الیہا روحنا[2] ایک اور مقام پہ ہے ۔ واذ قالت الملائکۃ یا مریم
ان اللہ یبشرک[3] فرشتے اس طرح دوسرے ولیوں سے بھی باتیں کرتے اور ان کو
خبریں پہنچاتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور رسول اللہ صلعم کی
وساطت سے ہوتا ہے۔ اگر فرشتے اسی طرح نبیوں سے کلام کریں تو یہی وحی کہلاتی ہے

سوئم :- حدیث میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا ان روح القدس نفث فی روعی
یعنی روح القدس نے میرے دل میں پھونک دیا ہے۔ یہ وحی کی ایک قسم ہے۔
حضرت علی سے روایت ہے کہ ہم اس بات کو بعید نہ سمجھتے تھے۔ کہ سکینۃ عمرؓ کی زبان
پہ بولتی ہے[4]۔ ترمذی اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ کو عمرؓ کی زبان
پہ رکھ دیا ہے[5]۔ اس قسم کی الہامی کیفیت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ولی جو کچھ بولنا چاہتا ہے
وہ حق کی طرف سے بولتا ہے ؎

آنچہ اُستادِ ازل گفت ہماں می گویم
از پسِ آئنہ طوطی صفتم داشتہ اند

ایسے کامل مومن کی زبان پہ حق جاری ہو جاتا ہے۔ اور جو کچھ وہ کہتا ہے ہُو بہُو
درست ہوتا ہے۔

چہارم :- مسندِ احمد۔ شعب الایمان بیہقی اور ترمذی میں ہے وان الداعی من فوقہ
واعظ اللہ فی قلب کل مومن[6] یعنی مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ایک واعظ ہوتا ہے۔ یہ بھی الہام کی ایک قسم ہے اور حدیث میں ہے۔
شیطان کا ایک لمہ ابنِ آدم کے لئے ہے۔ اور ملک کے لئے بھی ایک لمہ ہے
شیطان کا لمہ شر کا ایعاد اور حق کی تکذیب ہے۔ ملک کا لمہ خیر کا ایعاد اور حق کی تصدیق

---

[1] آل عمران ۳-۴۱ - [2] مریم ۱۹-۱۷ تا ۲۲ [3] ۳-۴۴ - [4] مشکوٰۃ باب التوکل والصبر - [5] مشکوٰۃ باب مناقب عمرؓ [6] مشکوٰۃ باب اعتصام بالکتاب والسنۃ۔

ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ الہام شیطانی بھی ہوتا ہے اور رحمانی بھی۔ شیطانی الہام اولیائے شیطان کو ہوتا ہے اور رحمانی الہام اولیائے رحمان کو۔ فالھمھا فجورھا وتقوٰھا الآیہ

سوال (۳) آپ نے یہ قسمیں الہامِ خیر کی بیان کی ہیں۔ کیا آپ کے پاس ایسے نصوص ہیں جن سے الہام شر کی بھی تفصیل معلوم ہو سکے۔

ج ۔ ہاں۔ الہامِ شر کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔

اوّل: تحدیث جیسا کہ الہام خیر میں ہے۔ صحیحین میں ہے تلک الکلمۃ من الحق یخطفھا الجنی فیقرھا فی اُذن ولیہ قر الزجاجۃ فیخلطون فیھا اکثر من مائۃ کذبۃ[۲]۔ یہ کلمہ حق ہے جس کو جن اُڑا لیتا ہے اور اس کو اپنے دوست کے کان میں ڈالتا ہے۔ جس طرح کہ آبگینے میں کچھ ڈالا جاتا ہے۔ سو کاہن اس کے ساتھ سینکڑوں جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ فرشتے بادل میں اُترتے اور ذکر کرتے اس امر کا جو آسمان میں طے ہو چکا ہو ذکر کرتے ہیں۔ شیاطین یہ خبریں چوری کرکے سن پاتے ہیں اور کاہنوں کی طرف وحی کرتے ہیں۔ وہ اس میں اپنی طرف سے سینکڑوں جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ فرشتے بادل میں اُترتے اور اس امر کا جو آسمان میں طے ہو چکا ہو۔ ذکر کرتے ہیں۔ شیاطین یہ خبریں چوری سن پاتے ہیں۔ اور کاہنوں کی طرف وحی کرتے ہیں۔ وہ اس میں اپنی طرف سے سینکڑوں جھوٹ ملا دیتے ہیں[۳]۔ یہ اولیاء شیطان کی طرف الہام کی قسم سے ہے۔

دوئم۔ خطاب شیطانی۔ یہ خطاب ملکی کے مقابل پر ہے۔ سورۂ انفال میں ہے کہ جب شیطان نے ان کو ان کے اعمال اچھے کر دکھائے۔ اور کہا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی آج کے دن تم پر غالب نہیں آسکتا۔ اور بالتحقیق میں تمہارا رفیق ہوں الخ

۱؎ مشکوٰۃ باب الوسوسہ۔ ترمذی ۲؎ مشکوٰۃ باب الکھانۃ۔ صحیحین۔ ۳؎ مشکوٰۃ باب الکھانۃ۔ فتوحیہ الی الکھانۃ۔ ۴؎ ۸ - ۴۸